

علمی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ

مقالہ شہادت

www.KitaboSunnat.com

فضیلہ شیخ ابوالحسن منیر احمد ربانی حفظہ اللہ تعالیٰ





معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

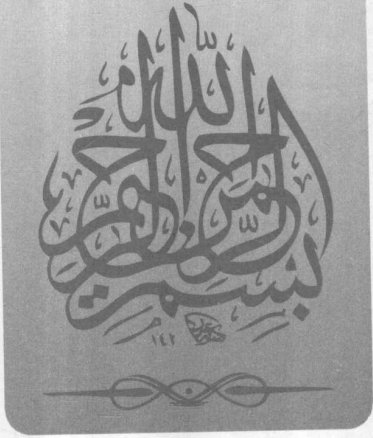
ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

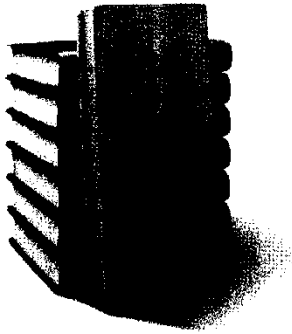
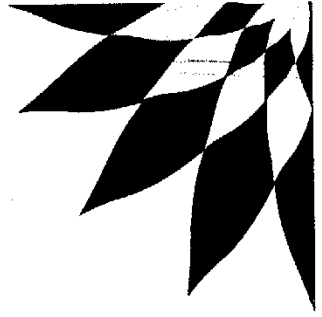
PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com



www.KitaboSunnat.com



علمی تحقیقی و اسلامی مضامین کا مجموعہ

مقالات اسلامیہ

کالیف

فضیلۃ الشیخ ابو الحسن مہر احمد علی



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

مقالات لبانیہ

تالیف

فضیلہ شیخ ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

جمع و ترتیب:

حافظ شفاء اللہ خاں



سرورق	ضیاء الرحمن
کیوزنگ و ترکیب	محمد شفیق • آصف رشید
اشاعت اول	یکم صفر 2012ء
ناشر	دارالاندلس
تعداد	1100
قیمت	



پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
+92-42-37242314

4- ایک روڈ جو برقی لاہور
+92-42-37230549

دارالاندلس

Head Office : +92-42-35062910 Cell : +92-322-4006412 Fax: +92-42-37150407

E.mail: dar_ul_andlus@yahoo.com

مقالاتِ بانیہ

15 عرض ناشر

17 مقدمہ

توہین رسالت کی سزا قرآن و سنت کی روشنی میں

27 قرآن کریم میں گستاخ رسول کی سزا کا تذکرہ

33 لعنت سے مراد

35 اذیت سے مراد

36 معافی ابتدا میں تھی

39 نتائج

40 پہلے شامان رسول کے لیے مسلمانوں کو عفو و درگزر کا حکم تھا

52 گستاخ رسول کی سزا احادیث کی روشنی میں

52 ابو رافع سلام بن ابی اُحقیق کا قتل

54 گستاخ عورت بھی واجب القتل ہے

55 یہودیہ کا قتل

55 حد قتل صرف مرتکب توہین رسالت کے لیے

56 توہین رسالت کے مرتکب عیسائی کو سزا

57 مشرکہ شاتمہ کا قتل

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

- 72 ۱۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 72 ۲۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 73 ۳۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ ابراہیم حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 73 ۴۔ امام محمد رحمہ اللہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 75 ۵۔ علامہ محمود آلوسی حنفی کا فتویٰ
- 77 ۶۔ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ صاحب ہدایہ کا فتویٰ
- 77 ۷۔ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ حنفی کا فتویٰ
- 78 ۸۔ علامہ عبداللہ بن احمد الشافعی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 78 ۹۔ علامہ ابن نجیم حنفی المعروف ابوحنیفہ ثانی کا فتویٰ
- 79 ۱۰۔ علامہ قاضی خاں رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 79 ۱۱۔ فتاویٰ عالمگیری
- 80 ۱۲۔ علامہ علاء الدین الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 80 ۱۳۔ علامہ ابن عابدین شافعی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 80 ۱۴۔ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 80 ۱۵۔ علامہ علاء الدین الکاسانی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 81 ۱۶۔ قاضی ابراہیم حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 81 ۱۷۔ علامہ سراج الدین حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 82 ۱۸۔ علامہ ابوالیث شرف قدی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 82 ۱۹۔ علامہ احمد بن محمد القدوری رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 82 ۲۰۔ علامہ ابوبکر بن علی الحداد البیہقی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- 83 ۲۱۔ علامہ عبید اللہ بن مسعود رحمہ اللہ کا فتویٰ

فہرست

- ۲۲۔ علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 83
- ۲۳۔ علامہ وسید محمد مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 83
- ۲۴۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 84
- ۲۵۔ قاضی ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 84
- ۲۶۔ علامہ علاء الدین السمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 84
- ۲۷۔ علامہ حسن الشربلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 85
- ۲۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 85
- ۲۹۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 85
- ۳۰۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 86
- ۳۱۔ امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 86
- ۳۲۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 86
- ۳۳۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 87
- ۳۴۔ علامہ عبد الوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 87
- ۳۵۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 88
- ۳۶۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 88
- ۳۷۔ امام طاہر بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا فتویٰ 89
- ۳۸۔ امام طاہر بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 89
- ۳۹۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 89
- ۴۰، ۴۱۔ علامہ الحجاوی الحسینی اور علامہ البھوتی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 90
- ۴۲۔ علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۲۰ھ) کا فتویٰ 90
- ۴۳۔ علامہ علاء الدین المرادوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 91
- ۴۴۔ قاضی ابوشجاع الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ 91

- ۹۲ ۴۵۔ علامہ ابن رشد القرطبی رحمہ اللہ کا فتویٰ
- ۹۲ ۴۶۔ علامہ ابوالمظفر ابن ہبیرہ رحمہ اللہ کا فتویٰ
- ۹۲ ۴۷۔ امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ
- ۹۲ ۴۸۔ ابو الحسن موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کا فتویٰ
- ۹۳ ۴۹۔ امام جعفر صادق کا فتویٰ
- ۹۳ ۵۰۔ علامہ محمد بن جمال الدین العالی المعروف بالشہید الاول کا فتویٰ
- ۹۴ ۵۱۔ علامہ ابو جعفر طوسی کا فتویٰ

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

- 103 بدعت کی لغوی تعریف
- 105 بدعت کے اصطلاحی معنی
- 108 اہل بدعت کے متعلق ارشادات نبویہ
- 117 عید میلاد کے ایجاد کی تاریخ
- 120 اربل میں میلاد کی ابتدا
- 120 صاحب اربل کا تعارف
- 125 چند ایک ائمہ دین رحمہم کے فتاویٰ
- 129 میلاد منانے والوں کے دلائل کا جائزہ
- 133 ”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

مقام صحابہ (رحمہم اللہ)

153

ترغیب الجہاد

- 177 مقدمۃ الجہاد
- 184 ترغیب الجہاد
- 186 جہاد کی فرضیت

فہرست

- 191 جہاد کے لیے نہ جانے کا وبال
- 195 جہاد کی خوبی اور ثواب
- 203 شہادت کا ثواب اور شہیدوں کا مرتبہ
- 207 جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب
- 210 غازیوں کی مدد اور خدمت گزاری
- 212 جہاد کی رغبت دلانے کا ثواب

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر جانے والے اعراف پر ہوں گے

- 215 ابتدائیہ
- 218 اصحاب الاعراف کون؟
- 218 اعراف کا مفہوم
- 219 سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اثر
- 221 سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر
- 222 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر
- 222 سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا اثر
- 222 مجاہد رضی اللہ عنہ کا اثر
- 223 کیا اصحاب الاعراف سے مراد وہ لوگ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر
- 223 سیدنا عبدالرحمن المزنی رضی اللہ عنہ کی روایت کا جائزہ
- 227 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا جائزہ
- 228 ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کا جائزہ

پردے کی شرعی حیثیت

- 236 آیت حجاب
- 237 موافقات عمر رضی اللہ عنہ

- 237 رسول اللہ ﷺ کی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی
- 240 حجاب کا حکم اور اس کی علت
- 242 قابل غور نکات
- 243 عورت کو گھر میں رہنے کا حکم
- 244 عورت کی نماز گھر میں
- 245 خوشبو لگا کر گھر سے نکلنے والی عورت
- 246 جلباب کا حکم
- 247 مشہور تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول
- 247 مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وضاحت
- 250 زینت کو چھپانے اور نظریں بچانے کا حکم
- 251 آیت حجاب کب نازل ہوئی؟
- 252 اچانک نظر کا حکم
- 253 غض بصر سے مستثنیٰ صورت
- 254 شرم گاہوں کی حفاظت
- 256 زینت کو چھپانے کا مفہوم
- 256 زینت کی لغوی اور شرعی تعریف
- 258 بوڑھی عمر کی عورتوں کے پردے کا حکم
- 260 چہرہ چھپانے کا معمول
- 262 محرم مردوں سے خلوت اختیار کرنا
- 264 دیویر یا جیٹھ وغیرہ سے خلوت حرام کیوں؟

حکم احکام رمضان المبارک اور مسائل عید الفطر

- 271 فرضیت روزہ و فضیلت

فہرست

274	روزے کا مقصد
274	آدابِ روزہ
276	رؤیت ہلال
278	چاند دیکھنے کی دعا
279	سحری
280	سحری کی برکت
281	بہترین سحری
281	سحری کی اہمیت
282	اہل کتاب اور سحری
282	سحری دیر سے کھانا
282	سحری کی اذان
285	روزے کی نیت
286	افطاری کا وقت
288	افطاری کی دعا
288	کس چیز سے روزہ افطار کیا جائے
290	روزہ افطار کرانا
290	مباحاتِ روزہ
291	ممنوعاتِ روزہ
291	مفسداتِ روزہ
291	روزے کا کفارہ
291	روزے کی رخصت
292	نمازِ تراویح
292	قیام اللیل کی فضیلت

294	اعتکاف
297	اعتکاف کی نیت
297	خواتین کا اعتکاف
297	مباحات اعتکاف
298	ممنوعات اعتکاف
298	اعتکاف کا اختتام
298	لیلۃ القدر اور اس کی فضیلت
300	شب قدر کا قیام
300	شب قدر کی تلاش
301	شب قدر کے لیے محنت و کوشش کرنا
301	شب قدر کی دعا
302	شب قدر کی علامات
303	صدقۃ الفطر
304	رمضان المبارک اور قرآن مجید
305	رمضان المبارک اور خیرات
306	رمضان المبارک اور عمرہ
307	مسائل عید الفطر
310	احکام عید
311	عید گاہ میں عورتوں کا جانا
312	تکبیرات عید
312	تکبیرات کے الفاظ
312	نماز عید ادا کرنے کا طریقہ
313	نماز عید کے بعد جہادی قافلوں کی روانگی

تراویح کا مفہوم

318	سنت تراویح
-----	------------

فہرست

- 328 حکم فاروقی
- 329 سیدنا تمیم داری اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کا لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھانا
- 329 سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ (۱۱) رکعات
- 330 علمائے احناف کے نزدیک بھی گیارہ رکعات تراویح سنت نبوی ہے
- 331 دلائل احناف کا جائزہ
- 331 جواب مقرضین کی پہلی خیانت
- 332 مقرضین کی دوسری خیانت
- 332 وضاحت
- 333 علماء احناف کی تصریحات
- 336 مقرضین کی دوسری دلیل
- 337 جواب مقرض کی تیسری خیانت
- 337 مقرض کی کج فہمی
- 338 مقرضین کی فضول بھرتی
- 339 مقرضین کی تیسری دلیل
- 339 جواب مقرضین کی چوتھی خیانت
- 340 مقرضین کی چوتھی دلیل
- 341 مقرضین کی پانچویں دلیل
- 341 مقرضین کی چھٹی دلیل
- 341 مقرضین کی ساتویں دلیل
- 343 مقرضین کی آٹھویں دلیل
- 343 مقرضین کی نویں دلیل
- 343 جواب مقرضین کی پانچویں خیانت
- 344 مقرضین کی دسویں دلیل
- 345 مقرضین کی گیارھویں دلیل

346 معترضین کی بارہویں دلیل

346 معترضین کی چھٹی خیانت

﴿﴿﴿ قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں ﴺ﴾﴾﴾

355 حرام امور کی مذمت

356 سود کی حرمت

357 تجارت میں سود

363 شبہات کا ازالہ

379 ﴿﴿﴿ مجلس واحد کی تین طلاقیں ﴺ﴾﴾﴾

391 ﴿﴿﴿ جنات اور جادو ٹونے کی شرعی حیثیت ﴺ﴾﴾﴾

﴿﴿﴿ محمد رسول اللہ ﷺ کی شان ﴺ﴾﴾﴾

405 نسب مبارک

406 نسب نامہ

407 ولادت باسعادت

409 دنوں کی تعداد بلحاظ شمسی تقویم

411 سیرت طیبہ

411 حلیہ مبارک

412 فضائل سید المرسلین ﷺ

415 حب النبی ﷺ

417 نبی اکرم ﷺ سے محبت کی علامتیں

418 اطاعت اور اتباع

420 سنت رسول کا مفہوم

420 بدعت کی تعریف

424 رفیق اعلیٰ سے ملاقات

424 نبی اکرم ﷺ پر درود

عرض ناشر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ !
اللہ رب العالمین نے گمراہی اور ضلالت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کی راہ نمائی کے لیے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم کو اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق اس کتاب کی تفسیر و تعبیر فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل: ۴۴]

”اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے احکاماتِ الہیہ پر مبنی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے شب و روز دعوت دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تعلیمات پر خود عمل کیا اور ان پر عمل کرنے کے طریقے بھی بیان فرمائے۔ آپ ﷺ کے اقوال و افعال احادیثِ مبارکہ کی شکل میں آج ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ گویا اللہ کا کلام قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین یعنی احادیثِ صحیحہ تعلیماتِ اسلامیہ کی اصل اور بنیاد ہیں۔ انھی دو مصادر کو بنیاد بنا کر داعیانِ دین حنیف تاریخ کے مختلف ادوار میں دعوتِ توحید و سنت پیش کرتے رہے اور اس مقدس مشن کے لیے انھوں نے زبان و بیان اور قلم و قرطاس کو ذریعہٗ تبلیغِ دین بنایا اور احکامِ شرعیہ کی وضاحت اور اثبات کے لیے قرآن و حدیث کی نصوص و متون کو اساس و ماخذ تسلیم کیا اور فرقِ ضالہ کے گمراہ کن افکار و نظریات کے رد اور بطلان کے لیے انھی دو ماخذ کو معتبر اور مستند سمجھا۔

موجودہ دور میں بھی داعیانِ حق اور علمائے کرام دین اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے تحریر و تقریر کے میدان میں سرگرم عمل ہیں۔ دعوت و اصلاح اور تبلیغِ دین کا یہ سلسلہ قیامت

تک جاری و ساری رہے گا۔
اس بابرکت اور مقدس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے محترم الشیخ ابو الحسن مہر احمد ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اہم دینی موضوعات پر بڑے مدلل اور مثبت انداز میں مجموعہ مضامین ”مقالاتِ ربانیہ“ ترتیب دیا ہے۔ ان کی یہ علمی و تبلیغی کاوش متنوع موضوعات پر تحریر کردہ چودہ (۱۴) مقالات پر مشتمل ہے۔ قرآن و حدیث کے دلائل و براہین سے مزین تحقیق و تدقیق پر مبنی یہ انتخاب ایک گراں قدر علمی دستاویز ہے۔

فاضل مصنف دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ تحریری میدان میں بھی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ احکام دینیہ اور تحقیق مسائل فقہیہ کی تبیین و تحقیق ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ ان کے عام فہم فتاویٰ جات اور مناظرے و مباحثے عام قارئین و سامعین اور علمی حلقوں میں یکساں مقبول و معروف ہیں۔ ان کے اس فن میں رسوخ اور مہارت تامہ رکھنے کی بدولت تبیین حق اور ابطال باطل کے ذریعے سے بہت سے متلاشیانِ حق کو قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ان جملہ اوصاف کی حامل شخصیت کے رشحاتِ قلم اور علمی جواہر پاروں ”مقالاتِ ربانیہ“ کو ”ادارہ دارالاندلس“ کی طرف سے قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی گراں قدر مساعیٰ جلیلہ کو عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے مدد و معاون بنائے۔ آمین!
اس قابل قدر اور بیش قیمت مجموعہ مقالات کی تیاری کے مراحل کی نگرانی، ترتیب اور پروف ریڈنگ حافظ سعید الرحمن اور حافظ ثناء اللہ خان نے کی، کمپوزنگ محمد آصف رشید اور تزئین صفحات محمد شفیق نے کی اور اس کا جاذبِ نظر سرورق معروف ماہر تقصیم ضیاء الرحمن نے تیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام رفقاء ادارہ کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین!

محتاجِ دعا

جاوید الحسن صدیقی

مدیر دارالاندلس

یکم صفر ۱۴۳۶ھ

مقدمہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَفْضَلِ رُسُلِهِ وَخَاتَمِ
الْأَنْبِيَاءِ وَ عَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَمَسِّكِينَ بِسُنَّتِهِ وَالْمُهْتَدِينَ بِهَدْيِهِ
إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ !

اسلام کا اصل الاصول دو اساسی اور بنیادی باتوں پر قائم ہے، جو بذریعہ وحی محمد رسول اللہ ﷺ
پر اتاری گئیں: ① قرآن حکیم۔ ② حدیث و سنت رسول (ﷺ)۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں صراحتاً فرمایا:

﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [النساء: ۱۱۳]

”اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی۔“

امام شافعی، امام طبری، امام ابو حیان الاندلسی، علامہ زنجبیری، امام ابن قیم اور امام ابن
کثیر رحمہم جیسے کبار مفسرین و محدثین نے کتاب کے ساتھ حکمت کا لفظ استعمال ہونے کا معنی
سنت بیان کیا ہے۔

نیز امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب
میں حکمت کا معنی سنت نقل کیا ہے، یعنی کتاب و سنت اور قرآن و حدیث، اللہ کی وحی ہیں اور
انہی پر تمام مسائل عقائدیہ اور احکام شرعیہ کی بنیاد ہے۔ جس قول و فعل کی دلیل ان دو مصادر
میں موجود نہیں ہے وہ کالعدم ہے۔

بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں بعض ایسے عناصر موجود ہیں جو قرآن حکیم کے متعلق
زبان کھولنے سے گھبراتے ہیں، البتہ دین اسلام کے مصدر ثانی (حدیث) کے متعلق طرح

طرح کی موشگافیاں کرتے رہتے ہیں۔ کبھی اس ذخیرہ صادقہ کو ظنی کہہ کر تخمین و گمان کی بھٹی میں جھونک دیتے ہیں تو کبھی ایرانی اور عجمی سازشوں کا شاخسانہ اور کبھی تضادات و تناقض کا کرشمہ مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ احادیث صحیحہ، دین اسلام کا دوسرا بڑا ماخذ ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے مبارک دور سے لے کر آج تک تمام مسلمان اسے حجت شرعی مانتے چلے آ رہے ہیں اور اپنے احکام و مسائل کی تفصیل و تشریح اس مصدر صادق سے کرتے رہے۔ اور حدیث و سنت کا نام لینے والوں میں سے مذہبی تعصب کے حامیوں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اپنے علماء و اساتذہ کے اقوال کے ساتھ حدیث رسول کی روح کو مجروح کیا اور مجتہدین کے اقوال کو حدیث پر برتری یا حدیث کے مقابلے میں ان کے اقوال و آراء کو ترجیح دینے کی سعی لا حاصل کرتے رہتے ہیں۔ حدیث کے ساتھ اس سلوک ناروا کی یہ وبا اور روش نئی نہیں بلکہ خاصی پرانی ہے، لیکن اس دور کے انکار حدیث اور ابتدائی دور میں ایک فرق نمایاں ہے۔

ابتدائی دور کے افراد علم و عمل میں انتہائی مضبوط اور پختہ تھے، وہ اپنے دل و دماغ کو قرآن و حدیث کی خوشبو سے معطر رکھتے اور اپنے عمل و کردار سے اسلام کے چمنستان کی ہر کلی کو زندہ رکھتے تھے۔ اس دور میں اگر کسی فتنہ گرنے سر اٹھانے کی سعی مذموم کی بھی تو اہل علم نے اس کی سرکوبی کی اور علمی و عملی طور پر اس کے آگے مضبوط بند باندھ دیا، جیسا کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ”إحكام الأحكام“ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة“ میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

لیکن عصر حاضر میں عامۃ الناس علم و عمل کے اعتبار سے رسوخ فی الدین نہیں رکھتے اور دین اسلام کے ساتھ ان کا تعلق بھی برائے نام ہے۔ یہ لوگ مغرب زدہ اور مستشرقین کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں اور حدیث رسول کا تسخر اڑاتے ہیں۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر بعض متجددین دانشوروں کا گروہ اور نام نہاد علماء، مذہبی تعصب کی بنیاد پر ان قابل اعتماد مصادر کی حیثیت کو مجروح کرنے اور ان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے

مقدمہ

کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر دور میں اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے علمائے راسخین کا ایک گروہ قائم رکھا، جو ایسے نظریات رکھنے والے کی خوب خبر گیری کرتے ہیں، جیسا کہ ماضی قریب میں حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طرح آج کے دور میں کئی علمائے کرام نے اس موضوع پر قابل ذکر کام کیا ہے۔ جس کے لیے ماہنامہ محدث کا حجیت حدیث نمبر، ماہنامہ الحدیث، ہفتہ روزہ الاعتصام کا حجیت حدیث نمبر وغیرہم۔ ملاحظہ فرمائیں۔

الغرض! ہمارے نزدیک قرآن وحدیث آپس میں لازم و ملزوم اور تمام احکامات کی اساس و بنیاد ہیں۔ جب کبھی کوئی مضمون، مقالہ، یا شرعی حکم پر مشتمل فتویٰ مرتب کرنا مقصود ہوتا ہے تو ان مصادر شرعیہ کو سامنے رکھ کر کام کیا جاتا ہے اور پھر ان مصادر کی تفہیم کے لیے سلف صالحین رضی اللہ عنہم کا متفقہ فہم مدنظر رکھا جاتا ہے۔ سلف صالحین کے طریقے سے ہٹ کر قرآن وسنت کا مفہوم متعین کرنا انسان کو ضلالت و ہلاکت کے عمیق گڑھوں میں گرا دیتا ہے۔

سلف صالحین کے منہج کو سمجھنے کے لیے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”ہذہ دعوتنا“ بڑی اہمیت کی حامل ہے، جو اردو زبان میں شائع ہو چکی ہے، جو عام فہم اور عوام الناس کے لیے بہت مفید ہے۔

منہج سلف کو سامنے رکھتے ہوئے راقم نے متعدد موضوعات پر مختلف اوقات میں کچھ مضامین مرتب کیے تھے جو مختلف جرائد و مجلات میں شائع ہوئے اور اب انھیں مفید اضافوں کے ساتھ ”مقالات ربانیہ“ کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جن میں مسئلہ مجلس واحد کی تین طلاقیں کا حکم، عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت، اسلام میں پختہ قبر کا حکم، مقام صحابہ رضی اللہ عنہم، مسنون تراویح، پردے کی شرعی حیثیت، جنات اور جادو ٹونے کی شرعی حیثیت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وغیرہم پر بحث کی گئی ہے اور قرآن وسنت کی نصوص ظاہرہ اور براہین قاطعہ سے مسئلہ کی پوری توضیح و تنقیح کی گئی ہے۔

اگر اس میں کوئی خوبی اور حسن ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے اور اگر اس میں کوئی خطا ہے تو وہ مجھ ناچیز کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام قسم کے نقائص و عیوب

سے پاک اور مبرا ہے۔ رشد و ہدایت کی توفیق اسی کے ہاتھ میں ہے۔ انتہائی ناپاسی ہوگی اگر میں عزیزم فاضل ابوانیس حافظ ثناء اللہ ﷺ کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے ان مقالات کی ترتیب، پروف ریڈنگ کی اور مختلف مقامات پر مفید مشورے دیے اور مجھ ناچیز کو متحرک کرنے میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ اسی طرح محترم جاوید الحسن صدیقی ﷺ، مدیر دارالاندلس بھی انتہائی شکریے کے لائق ہیں کہ جنہوں نے مجھے مرکز القادیہ میں فتاویٰ قلم بند کرنے اور کتب نویسی کے لیے سازگار ماحول فراہم کیا اور اس قابل ذکر کام کی طرف توجہ دلاتے رہے۔

اصل میں یہ ساری برکت و رحمت جماعت کے ساتھ وابستگی اور مل کر کام کرنے کی ہے، ورنہ فرد واحد وہ کام نہیں کر پاتا جو ایک جماعت کرتی ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک نے جماعت کے ساتھ مل کر کام کرنے میں جو قوت، برکت، عزت اور رفعت رکھی ہے، وہ اکیلے فرد کے لیے مشکل ہے۔ اللہ کی رحمت شامل حال رہی تو جماعتی زندگی کی اہمیت اور اس کے شرعی خدوخال پر بھی نصوص کی رو سے کچھ ابحاث احاطہ تحریر میں لائی جائیں گی۔ ان شاء اللہ

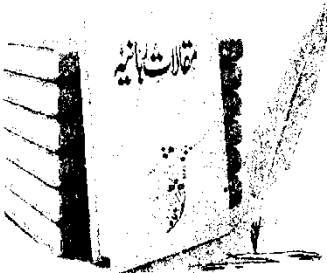
ابو الحسن مبشر احمد ربانی

رئیس مرکز الحسن 882/P سبزہ زار، لاہور

توہین رسالت کی سزا

قرآن و سنت کی روشنی میں

إِنَّ الدِّينَ يُؤَدُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا [الأحزاب: ٥٧]



حطیم میں دوران طواف جب مشرکین مکہ نے آپ کی شان میں گستاخی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« تَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبِّحِ » [مسند أحمد: ۱۱/۶۱۰، ح: ۷۰۳۶]

”اے قریش کے گروہ! تم سنتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! یقیناً میں تمہارے ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔“

توہین رسالت کی سزا

رسول کریم ﷺ کی عزت، عفت، عظمت اور حرمت اہل ایمان کا جزو لاینفک ہے اور حب رسول ایمانیات میں سے ہے اور آپ ﷺ کی شان مبارک پر حملہ اسلام پر حملہ ہے۔ عصر حاضر میں کفار و مشرکین کی جانب سے نبوت و رسالت پر جو رکیک اور ناروا حملے کیے جا رہے ہیں، دراصل یہ اہل کفر کی شکست خوردگی کا اعتراف ہے۔

آسیہ مسیح نے رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر جو گستاخانہ حملہ کیا، اسے سزا سے بچانے کے لیے بعض دانشور اور نام نہاد متفکرین و متجددین الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ گستاخ رسول کی سزا کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

کیا احکام شریعت کے لیے قرآن مجید ہی کافی ہے؟ قرآن میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے علاوہ دیگر بہت سے شرعی احکام کی تفصیل کا ذکر نہیں ہے تو کیا ان احکامات کو ماننے اور تسلیم کرنے سے انکار ہوگا؟

اولاً: یاد رہے کہ ایسے لوگ منکرین حدیث کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حقیقتاً قرآن مجید، فرقان حمید کی تفہیم سے عاری اور کورے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن حکیم میں جس چیز کا ذکر ہو صرف اسے ہی مانا جائے گا، احادیث و سنن ثابتہ کو مد نظر نہیں رکھا جائے گا پھر تو اس سوچ اور نظریے سے بد عملی کی راہ ہموار ہو جائے گی، کیونکہ ارکان اسلام جیسے

نماز، روزہ اور حج وغیرہ کا حکم تو اللہ کے قرآن میں موجود ہے، لیکن ان کی تفصیل کے متعلق قرآن حکیم خاموش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ [النساء: ۱۰۳]

”بلاشبہ نماز مومنین پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے نماز کی فرضیت اور اوقات کا مجمل طور پر ذکر کیا ہے اور اس کی تفسیر نہیں بتائی۔ نمازوں کی تعداد اور ان کے ابتدائی و انتہائی اوقات، ادائیگی کا طریقہ کار، ان کی شرائط و لوازمات وغیرہ قرآن میں بیان نہیں کیے، تو کیا پانچوں نمازوں اور ان کی ادائیگی کے طریقہ کار کا انکار کر دیا جائے گا کہ قرآن پاک میں اس کا بیان نہیں ہوا۔

اسی طرح مسافر، مریض، بچوں اور عورتوں کی نماز کے احکام قرآن حکیم میں مذکور نہیں۔ اگر انسان فوت ہو جائے تو اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اس کے غسل، کفن و دفن اور نماز جنازہ کے احکام کا ذکر اللہ کے قرآن میں نہیں ہے تو کیا جب ایسے افراد (منکر حدیث) وفات پا جائیں تو ان کی لاشوں کو اسی طرح گلے سڑنے دیا جائے؟ اور اگر زمین کے اندر دفنانا ہے تو گڑھا کھود کر اوپر مٹی ڈال دی جائے، جنازہ نہ پڑھا جائے؟ صرف قرآن حکیم کو ہی دلیل شرعی ماننے والوں کا کیا یہی انجام ہونا چاہیے۔ ایتائے زکوٰۃ کا حکم اسی طرح قرآن پاک میں ہے، لیکن کس کس مال پر زکوٰۃ فرض ہے؟ اور کتنی فرض ہے؟ اور کب ادا کرنی ہے؟ رقم پر کتنی زکوٰۃ ہے؟ گائے، اونٹ، بھیڑ اور بکری کا نصاب زکوٰۃ کیا ہے؟ سونا، چاندی اور کرنسی کا کیا حساب ہے؟ اللہ کا قرآن اس سے بھی خاموش ہے۔ فریضہ حج کا ذکر تو قرآن میں ہے لیکن حج کیسے ہوگا؟ مناسک حج، فرائض اور طریقہ کار کیا ہے؟ حج کہاں سے شروع ہوگا؟ حج کے مہینے تو قرآن کی رو سے معلوم ہیں تو کیا شوال ذوالقعدہ میں حج ہو گیا ذوالحجہ کے مہینے میں ہوگا؟ احرام کیسا ہوگا؟ احرام کی حالت میں کون کون سے امور کا ارتکاب حرام ہے؟

توہین رسالت کی سزا

طواف کا حکم کیا ہے؟ طواف میں کل کتنے چکر ہیں؟ کہاں سے شروع کریں گے اور کہاں ختم کریں گے؟ اللہ کا قرآن اس کے بارے میں خاموش ہے۔ الغرض! قرآن پاک میں بے شمار احکام ہیں، جن کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں ہے تو کیا ان امور کا انکار کر دیا جائے گا صرف اسی بنیاد پر کہ اس کا حکم قرآن مجید میں نہیں ہے؟

اہل اسلام کے ہاں قرآن کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث بھی شرعی دلیل و برہان ہے۔ قرآن کو سنت و حدیث سے الگ سمجھنا اہل باطل اور گمراہ لوگوں کا شیوہ ہے۔ خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

« سَيَأْتِي نَاسٌ يُحَادِّثُونَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْآنِ فَخُذُوهُمْ بِالسُّنَنِ ، فَإِنْ أَصْحَابَ السُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ »

[شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة : ۹۵/۱ (۲۰۲)۔ مسند الدارمی : ۲۴۱/۱ (۱۲۱) ، الشريعة للأجری : ۱۷۵/۱ (۹۹) ، جامع بیان العلم وفضله : (۱۹۲۷)۔ الفقیہ و المتفقہ (۶۰۸)]

”عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو تمہارے ساتھ قرآن حکیم کے شبہات کے ذریعے جدال کریں گے، تو ان کی گرفت سنن کے ساتھ کرنا، اس لیے کہ اصحاب سنن اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔“

خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لَا عُدْرَ لِأَحَدٍ بَعْدَ السُّنَّةِ فِي ضَلَالَةٍ رَكِبَهَا يَحْسِبُ أَنَّهَا هَدًى“

[کتاب السنة للإمام محمد بن نصر المروزي : ص (۲۴۷)]

”سنت کے بعد کسی کے پاس گمراہی کو ہدایت سمجھ کر اس کے مرتکب ہونے کا کوئی عذر و بہانہ نہیں ہے۔“

امام اسماعیل بن عبید اللہ دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَحْفَظَ مَا جَاءَنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: ﴿وَمَا أَلْسَنُكُمْ الرُّسُولَ فَخُذُوا وَمَا نَهَكُمُ عَنْهُ

فَأَنزَلْنَاهُ﴾ [الحشر: ۷] فَهُوَ عِنْدَنَا بِمَنْزِلَةِ الْقُرْآنِ .“

[کتاب السنۃ للمروزی (۹۰)۔ ذم الکلام للہروی: ۱۴۹/۲، ۱۵۰ (۲۲۵)۔

الکفایۃ فی علم الروایۃ: (۱۷)]

”ہمارے لیے لازم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے جو کچھ بھی آئے اسے محفوظ

کر لیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”جو کچھ رسول تمہیں دے دیں، اسے

لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کر دیں، اس سے باز آ جاؤ۔“ تو (اللہ کے

رسول ﷺ کی احادیث و سنن) ہمارے نزدیک قرآن کی منزلت پر ہیں۔“

امام حسان بن عطیہ ابوبکر الشامی رحمہ اللہ ثقہ تابعی فرماتے ہیں:

”كَانَ جِبْرِيلُ يَنْزِلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسُّنَّةِ كَمَا

يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ وَيُعَلِّمُهُ إِيَّاهَا كَمَا يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنُ .“

[السنۃ للمروزی (۹۱)، الکفایۃ فی علم الروایۃ (۱۷)، شرح أصول اعتقاد

أهل السنۃ والجماعۃ (۹۹)، الفقیہ والمتفقۃ (۲۶۹)، ذم الکلام (۲۲۴)

الإبانۃ لابن بطۃ (۲۱۹)، مسند الدارمی (۵۸۸)]

”جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر سنت لے کر اسی طرح اترتے تھے جیسے آپ قرآن

کے ساتھ نازل ہوتے تھے اور جیسے آپ ﷺ کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے اسی

طرح سنت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔“

اس مختصری توضیح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نام نہاد متجددین کا ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ پر

یہ واویلا کرنا کہ گستاخ رسول کی سزا کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، یہ واضح سنت اور حدیث دشمنی

کی دلیل ہے۔ ایسے منکرین کو اہل اسلام کا نمائندہ ظاہر کرنا اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ

زیادتی اور ظلم ہے۔ قرآن و سنت امت مسلمہ کے تمام مسائل کے لیے اتھارٹی ہیں۔

توہین رسالت کی سزا

گستاخ رسول کی سزا بھی قرآن و سنت دونوں ہی سے ثابت ہے، اس لیے ہم پہلے قرآن اور پھر سنت سے اس پر مدلل بحث کریں گے۔

قرآن کریم میں گستاخ رسول کی سزا کا تذکرہ

نائباً: گستاخ رسول کی سزا کا تذکرہ کئی ایک آیات قرآنیہ میں مذکور ہے، قرآن پاک کو غور و فکر اور تفکر و تدبر کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَن تَكْفُرُوا إِنَّمَا إِلَهُكُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا إِنَّمَا تَكْفُرُ الْكُفْرُ الْكَبِيرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّفَكُوا إِلَيْنَا هُمْ وَهُمْ أَوَّلُ مَا حَرَجَ الْرَّسُولَ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَ اللَّهَ فَالَهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِن كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ ۝ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيِّدِيكُمْ وَيُخْرِجُهُمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيَذْهَبُ عَن ظُهُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَن يَشَاءُ ۝ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [التوبة: ١٢: ١٥٥]

”اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے سرداروں سے قتال کرو، بے شک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں تاکہ وہ باز آجائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ہی پہلی بار تم سے ابتدا کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ ان سے قتال کرو اور اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا دے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“

ان آیات بینات میں اللہ تعالیٰ نے نقض عہد کے مرتکبین اور دین اسلام میں طعن کرنے

والوں، جیسے اللہ کی گستاخی یا اللہ کے رسول کی گستاخی یا اسلام کے کسی بھی مسئلے پر طعن و تشنیع سے کام لینے والے اور اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کا منصوبہ بنانے والے لوگوں سے قتل و قتال کا حکم دیا ہے۔

کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر نبی کریم ﷺ کی شان باکمال میں گستاخی کرتے ہوئے تین کاموں میں سے ایک کام کے کر گزرنے کا پروگرام بنایا، یا آپ کو قتل کیا جائے یا قید کر دیا جائے یا مکہ سے نکال دیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ”الانفال“ آیت (۳۰) میں ذکر فرما دیا ہے۔

جس شخص کے دل میں محبت رسول ﷺ موجزن ہے، اسے یہ آیات پکار پکار کر بتا رہی ہیں کہ اخراج الرسول، قتل الرسول اور اثبات الرسول (قید کرنا) کا ارادہ رکھنے والے گستاخوں کے ساتھ اللہ نے قتال کا حکم دیا ہے اور ذکر فرمایا کہ ایمان والے لوگوں کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ ان گستاخوں کو عذاب دینا اور رسوا کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ ان گستاخوں کے خلاف صف بستہ ہو جائیں گے، ان کی نصرت و مدد اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا اور ان کے قتل پر اللہ ایمان والوں کے سینوں کو شفا اور ٹھنڈک پہنچائے گا اور ان کے دلوں کا غیظ و غضب دور کرے گا، کیونکہ گستاخ رسول کا قلع قمع کرنے سے اہل ایمان کو سکون و اطمینان ملتا ہے اور دلوں کا غصہ اترتا ہے۔

① امام ابواسحاق ابراہیم بن السری الزجاج رحمہ اللہ المتوفی ۳۱۱ھ رقم طراز ہیں:

”وَ هَذِهِ الْآيَةُ تُوجِبُ قَتْلَ الذِّمِّيِّ إِذَا أَظْهَرَ الطَّعْنَ فِي الْإِسْلَامِ لِأَنَّ الْعَهْدَ مَعْقُودٌ عَلَيْهِ بِأَنْ لَا يَطْعَنَ فَإِذَا طَعَنَ فَقَدْ نَكَثَ“

[معانی القرآن و إعرابه: ۳۵۱/۲ ط دار الحديث القاهرة]

”یہ آیت کریمہ ذمی (یہودی، عیسائی) کے قتل کو واجب کرتی ہے جب وہ اسلام میں طعن کا اظہار کرے، اس لیے کہ اس کے ساتھ اس بات پر عہد تھا کہ وہ طعن و

توہین رسالت کی سزا

تشفیع سے کام نہیں لے گا، سو جب اس نے طعن کیا تو اس کا عہد ٹوٹ گیا۔“
یعنی جب کوئی یہودی یا عیسائی مسلمانوں کے ملک میں ذمی بن کر رہتا ہے اور جزیہ و ٹیکس ادا کرتا ہے تو مسلمان اس کی حفاظت کرتے ہیں، اس کا مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان ہوتا ہے کہ وہ دین اسلام پر طعن نہیں کرے گا، جب وہ دین پر طعن کرتا ہے، جیسے اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو دشنام دینا وغیرہ، تو پھر مسلمانوں پر اس کی حفاظت لازم نہیں رہتی، وہ نقص عہد کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اس کو قتل کرنا مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے۔
① امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الْمَسْأَلَةُ الثَّالِثَةُ قَالَ الزُّجَاجُ : هَذِهِ الْآيَةُ تُوجِبُ قَتْلَ الذِّمِّيِّ إِذَا أَظْهَرَ الطَّعْنَ فِي الْإِسْلَامِ لِأَنَّ عَهْدَهُ مَشْرُوطٌ بِأَنْ لَا يَطْعَنَ فَإِنْ طَعَنَ فَقَدْ نَكَتَ وَ نَقَضَ عَهْدَهُمْ“

[التفسير الكبير : ۵/۵۳۵ ط دار احیاء التراث العربی۔ ۱۵/۲۳۴ ط ایران]
”تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام زجاج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ ذمی کے قتل کو واجب کرتی ہے، جب وہ اسلام میں طعن کا اظہار کرے، اس لیے کہ اس کا عہد اس بات کے ساتھ مشروط تھا کہ وہ طعن سے کام نہیں لے گا، تو اگر وہ طعن کرے تو اس نے عہد و پیمان توڑ دیا۔“

علامہ رازی نے امام زجاج کی بات کو نقل کر کے برقرار رکھا اور اس کی تائید فرمادی۔
آج کے جدت پسند طبقہ کی آنکھیں بند ہیں اور انھیں یہود و نصاریٰ کے ڈالرو پونڈ قرآن مجہی سے عاری کیے ہوئے ہیں، لیکن متکلم زمان اور اپنے دور کے مایہ ناز مفکر علامہ رازی کو تو قرآن حکیم سے ایسے گستاخ یہودیوں اور عیسائیوں کا قتل واضح طور پر دکھائی دے رہا ہے۔
② امام ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”﴿وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ﴾ أَيُ عَابَوْهُ وَانْتَقَصُوهُ وَ مِنْ هَاهُنَا أُخِذَ قَتْلُ

مقالہ سببِ ریائیہ

مَنْ سَبَّ الرَّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مَنْ طَعَنَ فِي دِينِ
الْإِسْلَامِ أَوْ ذَكَرَهُ بِتَنْقِصٍ

”اللہ کا فرمان“ اور وہ تمہارے دین میں طعن کریں“ یعنی اس میں عیب نکالیں
اور تنقید کریں، یہیں سے شام رسول کے قتل کا حکم اخذ کیا گیا ہے، یا جو بھی شخص
دین اسلام میں طعن کرے یا تنقید کے ساتھ اس کا تذکرہ کرے۔“

④ قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِذَا طَعَنَ النَّبِيُّ فِي الدِّينِ انْتَقَضَ عَهْدُهُ لِقَوْلِهِ: ﴿وَلَا تَكْفُرُوا بآيَاتِهِمْ﴾
إِلَى ﴿فَقَاتِلُوا آلَ الْكَافِرِ﴾ فَأَمَرَ اللَّهُ بِقَتْلِهِمْ وَ قَتَالِهِمْ إِذَا طَعَنُوا فِي
دِينِهِمْ“ [أحكام القرآن: ۳۵۶۱۲ ط دارالكتاب العربي]

”جب ذمی دین میں طعن نہ ہو تو اللہ کے فرمان“ اور اگر وہ اپنی قسمیں توڑ
ڈالیں“..... ”ائمہ کفر سے قتال کرو“ کے مطابق اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ جب
وہ تمہارے دین میں طعن کریں تو اللہ نے ان کے ساتھ قتل و قتال کا حکم دیا ہے۔“

⑤ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”قَالَ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْ عَرَّضَ أَوْ اسْتَخَفَّ بِقَدْرِهِ أَوْ وَصَفَهُ بِغَيْرِ الْوَجْهِ الَّذِي
كَفَّرَ بِهِ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ“ [الجامع لأحكام القرآن: ۸۷۵۴]

”اکثر علماء کا یہی کہنا ہے کہ اہل ذمہ (یہود و نصاریٰ) میں سے جو شخص نبی
کریم ﷺ کو گالی دے، یا تعریض کرے اور آپ کی قدر ہلکی جانے، یا اپنے کفر
کے علاوہ کسی چیز سے آپ کو موصوف کرے، اسے قتل کیا جائے گا۔ ہم اسے ذمہ
یا عہد و پیمان نہیں دے سکتے۔“

پھر امام قرطبی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں ڈھیل اختیار کرنے والے لوگوں کا ذکر کر کے دلائل و

توہین رسالت کی سزا

براہین کے ساتھ ان کی تردید کرتے ہیں۔

⑥ علامہ علاء الدین علی بن محمد المعروف بالخازن التوفیٰ ۷۲۵ھ نے اپنی تفسیر ”لباب التأویل فی معانی التنزیل“ جو کہ تفسیر خازن کے نام سے معروف ہے، اس میں اس آیت کے تحت مذکورہ بالا مسئلہ تحریر کیا ہے۔

[ملاحظہ ہو، ۲/۳۳۹ ط دارالکتاب العلمیہ بیروت]

⑦ امام جلیل محی السنہ حسین بن مسعود المعروف بالغوی التوفیٰ ۵۱۶ھ اپنی تفسیر ”معالم التنزیل“ المعروف تفسیر بغوی ۲/۲۷۷ ط (ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان) میں بھی اسی موقف کے حامی ہیں۔

⑧ امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی ابن الجوزی التوفیٰ ۵۹۷ھ اپنی تفسیر ”زاد المسیر فی علم التفسیر“ ۲/۲۴۰ ط دارالکتاب العربی بتحقیق عبدالرزاق المہدی بھی اسی کے مؤید ہیں۔

⑨ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی التوفیٰ ۷۱۰ھ نے اپنی تفسیر ”مدارک التنزیل و حقائق التأویل“ المعروف تفسیر نسفی ۱/۶۶۷ ط (مکتبہ رحمانیہ لاہور) میں ذی کے واجب القتل ہونے کا یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

⑩ امام ماتریدیہ البونصور محمد بن محمد السمرقندی التوفیٰ ۳۳۳ھ نے بھی اہل الذمہ کے نقض عہد پر ان کے قتل کے مسئلہ کو درج بالا آیت کے تحت ذکر کیا ہے۔ دیکھیں ”تاویلات اہل السنہ ۲/۳۸۸ ط (مؤسسۃ الرسالہ بیروت)۔ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور معروف ائمہ مفسرین کے حوالہ جات سے یہ بات بالکل عیاں اور ظاہر ہو جاتی ہے کہ دین اسلام میں طعنہ زن یہودی و عیسائی گستاخ رسول واجب القتل ہے۔ جن لوگوں نے آنکھوں پر معاونت نصاریٰ اور حب یہود کی پٹی باندھ رکھی ہو، انھیں قرآن حکیم سے کہاں گستاخ رسول کی سزا نظر آئے گی۔ قرآن حکیم کی آیات بینات سے اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مجان کو شفا عطا فرماتا اور بصیرت کی

عظیم شاہراہ سے نوازتا ہے اور جن متجددین، متفلسفین، ملحدین اور ضالین و مصلین نے دشمنانِ دین کی زبان بولی ہو اور ان کی حمایت میں راگ الاپنا ہو، انھیں قرآن کی آیات سے کچھ نظر نہیں آتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيٍ مَا كُتِبَ لَهُمْ فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾ [الأحزاب: ۵۷، ۵۸]

”بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر کسی گناہ کے جو انھوں نے کمایا ہو تو یقیناً انھوں نے بہتان باندھا اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا ہے۔“

مندرجہ بالا آیات کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو ایذا دینے والوں کا ذکر کیا ہے۔ ایمان والوں کی ایذا اور رسول اللہ ﷺ کی ایذا میں فرق کیا ہے، وہ اس آیت میں واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بلا وجہ اذیت دینے کو بہتان اور واضح گناہ قرار دیا، جب کہ نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے پر دنیا و آخرت کی لعنت اور ذلیل کرنے والا عذاب ذکر فرمایا، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی عام مومنوں کی گستاخی کی طرح نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایذا، تکلیف اور ضرر کوئی نہیں پہنچا سکتا اور نہ ہی اس کو کوئی ضرر لاحق ہو سکتا ہے، تو پھر کیوں فرمایا، جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں؟

دراصل رسول اللہ ﷺ کی ایذا و تکلیف کو اللہ اپنی ایذا فرماتا ہے، کیونکہ وہ تو قاہر و غالب اور ہر چیز پر قادر مطلق ہے اور اس بات کی قرآن حکیم میں کئی ایک امثلہ وارد ہوئی

توہین رسالت کی سزا

ہیں، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ [محمد: ۷]

”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے۔ اللہ تعالیٰ بات اپنی طرف منسوب کرتا ہے لیکن مراد اس کا دین اور اس کے انبیاء ﷺ اور اولیائے کرام علیہم السلام ہوتے ہیں، یعنی اللہ کے دین کی مدد، اللہ کے انبیاء کی مدد، اللہ کے اولیاء کی مدد کرنا، اللہ کی مدد کرنا ہے اور ایسے ہی اللہ کے رسول ﷺ کو اذیت و تکلیف دینا اللہ کو اذیت و تکلیف دینے کے مترادف ہے۔

امام عزالدین عبدالرزاق بن رزق اللہ الرعنی المتوفی 661ھ رقم طراز ہیں:

”أَنَّ الْمَعْنَى يُؤْذُونَ نَبِيَّ اللَّهِ فَحَجَّلَ أَذَى نَبِيِّهِ أَذَى لَهُ تَشْرِيفًا لِمَنْزِلَتِهِ“

[رموز الكنوز في تفسير الكتاب العزيز: (۱۹۳/۶) ط مكتبة الأسدی، مكة المكرمة]

”یقیناً اس آیت کریمہ میں اللہ کو تکلیف دینے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں تو اللہ نے اپنے نبی کی تکلیف کو اپنی تکلیف قرار دیا ہے گویا نبی کریم ﷺ کو مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔“

لعنت سے مراد

اس آیت کریمہ میں گستاخ رسول کو ملعون قرار دیا اور اس کے لیے رسوا کن اور ذلت آمیز عذاب و سزا کا بیان فرمایا۔

گستاخان رسول ﷺ پر جو دنیا اور آخرت کی لعنت کا ذکر کیا، یہاں لعنت سے کیا مراد ہے؟ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَلَعْنُهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْحَلَاءِ وَفِي الْآخِرَةِ بِالنَّارِ“

[تفسير زاد المسير: ۴۸۳/۳]

”دنیا میں لعنت سے مراد قتل اور جلاوطنی کی سزا اور آخرت میں آگ کی سزا ہے۔“
امام عبدالرزاق الرسعی فرماتے ہیں:

”لَعْنَتُهُمْ فِي الدُّنْيَا الْقَتْلُ وَالْحَلَاءُ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ“

[رموز الكنوز: ۱۹۴/۶]

”دنیا میں لعنت سے مراد قتل اور جلاوطنی ہے اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔“
راقم الحروف کے نزدیک ان کو دنیا میں لعنت سے مراد قتل کی سزا دینا ہے، کیونکہ ایذاۓ رسول کی یہی سزا نبی کریم ﷺ نے متعین فرمائی ہے اور قرآن پاک کا سیاق و سباق اسی کی تائید کرتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ احزاب آیت (۵۶) میں رسول اللہ ﷺ پر صلوة و سلام کا ذکر فرمایا۔ پھر آیت (۵۷) میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینے والوں کا ذکر کر کے دنیا و آخرت کی لعنت اور ذلیل کرنے والے عذاب اور سزا کا بیان فرمایا۔ آیت (۵۸) میں اہل ایمان کو ایذا دینے والوں کا ذکر کر کے اس کو بہتان اور صریح گناہ قرار دیا۔ آیت (۹۸) میں نبی کریم ﷺ کی بیویوں، بیٹیوں اور ایمان والوں کی عورتوں کے پردے کا ذکر کیا تاکہ انھیں ایذا نہ دی جائے۔ آیت (۶۰) میں ایسی حرکات سے باز نہ آنے والے منافقوں کا ذکر کیا اور ناشائستہ حرکات کرنے والے اور پروپیگنڈا کرنے والے لوگوں پر آپ کے تسلط کا ذکر کیا اور آیت (۶۱) میں فرمایا:

﴿مَلْعُونِينَ ۖ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا وَكُتِلُوا تَهْتَبِلَا﴾

”یعنی اللہ (اور اس کے رسول ﷺ کے گستاخ) ملعون ہیں۔ جہاں بھی پائے

جائیں، پکڑ لیے جائیں اور برے طریقے کے ساتھ کٹڑے کر دیے جائیں۔“

اور آیت (۶۲) میں پھر اسے اللہ کی سنت اور قانون قرار دیا گیا ہے، یعنی توہین رسالت کے بارے قانون الہی یہی ہے کہ ایسے ناپاک ملعون لوگ بری سزا کے حق دار،

توہین رسالت کی سزا

واجب القتل ہیں۔

کعب بن اشرف کیوں قتل ہوا؟

اذیت سے مراد

نبی کریم ﷺ نے جب کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا حکم نامہ جاری کیا تو اس کی علت اور وجہ یہ بیان کی کہ «فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ» بلاشبہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی ہے۔

[صحیح البخاری، الرهن، باب رهن السلاح : ۲۵۱۰ و کتاب المغازی، باب

قتل کعب بن الأشرف : ۴۰۳۷۔ صحیح مسلم : ۱۸۰۱۔ سنن أبي داود

کتاب الجهاد : ۲۷۶۸]

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف یہودی نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کی اور آپ کے خلاف اہل مکہ کی معاونت کی، اس لیے اس کے قتل کا حکم جاری کیا گیا۔ یاد رہے کہ وہ نقض عہد کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور توہین کا بھی مرتکب تھا، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ»

امام مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِنَّمَا قَتَلَهُ كَذَلِكَ لِأَنَّهُ نَقَضَ عَهْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَجَاهُ وَسَبَّهُ وَكَانَ عَاهِدَهُ أَنْ لَا يُعِينَ عَلَيْهِ أَحَدًا ثُمَّ مَعَ أَهْلِ الْحَرْبِ مُعِينًا عَلَيْهِ“

[شرح صحیح مسلم للنووي : ۱۳۶/۱۶ ط دارالکتب العلمیة بیروت]

”کعب بن اشرف کو اس لیے قتل کیا کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے عہد کو توڑا، آپ کی توہین کی اور آپ ﷺ کو گالی دی اور اس کا یہ معاہدہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف کسی کی

مدنہیں کرے گا، پھر وہ آپ ﷺ کے خلاف اہل حرب کا معاون ہو گیا۔“
محی السنہ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَكَانَ كَعْبُ بْنُ الْأَشْرَفِ مِمَّنْ عَاهَدَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا يُعِينَنَّ عَلَيْهِ أَحَدًا وَلَا يُقَاتِلُهُ ثُمَّ خَلَعَ الْأَمَانَ وَنَقَضَ الْعَهْدَ وَلَحِقَ بِمَكَّةَ وَجَاءَ مُعَلِّنًا مَعَادَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْجُوهُ فِي أَشْعَارِهِ وَيُسَبِّهُ، فَاسْتَحَقَّ الْقَتْلَ ذَلِكَ“

[شرح السنة : ۱۱/۴۵ ط المكتب الإسلامي]

”کعب بن اشرف یہودی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ سے لڑیں گے، پھر اس نے امان ترک کی اور عہد توڑا اور مکہ چلا گیا اور علانیہ نبی کریم ﷺ سے عداوت کرتے ہوئے آیا اور اپنے شعروں میں آپ ﷺ کی توہین کرتا اور گالیاں بکتا تھا، اس لیے واجب القتل ہو گیا۔“

لہذا کعب بن اشرف کو صرف نقض عہد کی سزا نہیں دی تھی۔ بلکہ وہ گستاخ رسول تھا اور اشعار میں آپ ﷺ کو گالیاں بکتا اور ہدیان گوئی کرتا تھا اور ویسے بھی رسول اللہ ﷺ کی توہین سے نقض عہد ہوتا ہے، جیسا کہ پیچھے مفصل باحوالہ بحث گزر چکی ہے اور اس کی تائید درج ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے۔

معافی ابتدا میں تھی

کعب بن مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

» أَنَّ كَعْبَ بْنَ الْأَشْرَفِ الْيَهُودِيَّ كَانَ شَاعِرًا وَكَانَ يَهْجُو رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يُحَرِّضُ عَلَيْهِ كُفَّارَ قُرَيْشٍ فِي شِعْرِهِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ وَ أَهْلَهَا

توہین رسالت کی سزا

أَخْلَاطًا مِنْهُمْ الْمُسْلِمُونَ الَّذِينَ تَجَمَّعُهُمْ دَعْوَةُ رَسُولِ اللَّهِ وَ مِنْهُمْ الْمُشْرِكُونَ الَّذِينَ يَعْبُدُونَ الْأَوْثَانَ وَمِنْهُمْ الْيَهُودُ وَهُمْ أَهْلُ الْحَلْفَةِ وَالْحُصُونِ وَهُمْ خُلَفَاءُ الْحَيَّيْنِ، الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ فَأَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ اسْتِصْلَاحَهُمْ كُلَّهُمْ وَ كَانَ الرَّجُلُ يَكُونُ الْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حِينَ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ وَأَصْحَابَهُ أَشَدَّ الْأَذَى فَأَمَرَ اللَّهُ تَعَالَى رَسُولَهُ وَالْمُسْلِمِينَ بِالصَّبْرِ عَلَى ذَلِكَ وَالْعَفْوِ عَنْهُمْ فَبَيَّهَمُ أَنْزَلَ اللَّهُ حَلًّا ثَنَاءَهُ ﴿وَلْتَسْبَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ آوَتْهُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ

وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذَى كَثِيرًا﴾ [آل عمران: ۱۸۶] وَ فِيهِمْ أَنْزَلَ اللَّهُ :

﴿وَدَكَّيْزٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا مَحْضًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ فَبَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَأَعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ﴾ [البقرة: ۱۰۹] فَلَمَّا أَبَى كَعْبُ بْنُ الْأَشْرَفِ أَنْ يَتَزَعَ عَنْ أَذَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَذَى الْمُسْلِمِينَ وَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ أَنْ يَبْعَثَ رَهْطًا لِيَقْتُلُوهُ.....»

[دلائل النبوة للبيهقي: ۱۹۷/۳ ط دار الكتب العلمية بيروت واللفظ لأبي داود والترمذي بحواله فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۹۶/۹ ط دار طيبة]

”کعب بن اشرف یہودی شاعر تھا اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں زبان درازی کرتا تھا اور اپنے شعروں میں قریش کے کافروں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ملے جلے لوگ تھے۔ ان میں وہ مسلمان بھی تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ کی دعوت نے جمع کر دیا تھا اور ان میں مشرکین بھی تھے جو بتوں کو پوجتے تھے اور ان میں یہودی بھی تھے جو کہ ہتھیاروں

اور قلعوں کے مالک تھے اور وہ اوس و خزرج قبائل کے حلیف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی جب مدینہ تشریف آوری ہوئی تو آپ ﷺ نے سب لوگوں کی اصلاح کا ارادہ فرمایا۔ ایک آدمی مسلمان ہوتا تو اس کا باپ مشرک ہوتا، کوئی دوسرا مسلمان ہوتا تو اس کا بھائی مشرک ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کی آمد مبارک پر مشرکین اور یہود ان مدینہ آپ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید قسم کی اذیت سے دوچار کرتے تھے، تو اللہ نے آغاز میں آپ ﷺ اور مسلمانوں کو اس پر صبر و تحمل اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا اور انہی کے متعلق اللہ جل شانہ کا فرمان نازل ہوا ”اور یقیناً تم ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا، ضرور بہت سی ایذا سنو گے۔“ اور انہی لوگوں کے بارے میں اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل کی: ”بہت سارے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد پھر کافر بنا دیں اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ ان کے لیے حق خوب واضح ہو چکا۔ سو تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔“ جب کعب بن اشرف رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے سے باز نہ آیا تو پھر نبی ﷺ نے سعد بن معاذ کو حکم دیا کہ اس کے قتل کے لیے لشکر روانہ کرو۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام حاکم کے ”الإکلیل“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَقَدْ آذَانَا بِشَعْرِهِ وَقَوَى الْمُشْرِكِينَ» کہ ”اس نے اپنے اشعار کے ذریعے ہمیں اذیت دی اور مشرکوں کو تقویت پہنچائی ہے۔“

[فتح الباری : ۹۶/۹ ط دار طیبہ]

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن اسحاق نے بسند حسن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ:

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشَى مَعَهُمْ إِلَى بَقِيعِ الْغُرَقَدِ ثُمَّ

توہین رسالت کی سزا

وَجَهَّهُمْ فَقَالَ: «انْطَلِقُوا عَلَى اسْمِ اللَّهِ اَللَّهُمَّ اَعِنْهُمْ»

[فتح الباري : ۹۷/۹ ط دار طبية]

”بلاشبہ نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ یقیع غرقہ تک چلے، پھر انھیں متوجہ کر کے فرمایا: ”اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ! اے اللہ ان کی مدد فرما۔“

یعنی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو جب کعب کے قتل کے لیے روانہ فرمایا تو آپ ﷺ ان کے ہمراہ یقیع غرقہ تک خود تشریف لے گئے اور اللہ کے نام پر انھیں روانہ کیا اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا فرمائی۔

نتائج

مذکورہ بالا تفصیل سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

- ① اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینا حرام ہے۔
- ② رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینا اللہ تعالیٰ کو اذیت دینے کے مترادف ہے۔
- ③ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والے ملعون ہیں۔
- ④ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں سزا اور عقاب ہے۔
- ⑤ ان گستاخوں کی سزا عام مسلمانوں کو اذیت دینے سے کہیں بڑھ کر اور علیحدہ ہے۔
- ⑥ اہل ایمان پر بہتان تراشی صریح گناہ اور اذیت دینا حرام ہے۔
- ⑦ ان ملعونوں کی یہ سزا ہے جہاں پائے جائیں بری طرح قتل کر دیے جائیں۔
- ⑧ نبی کریم ﷺ نے یہودی کعب بن اشرف کے قتل کی علت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینا بیان کی ہے۔
- ⑨ کعب بن اشرف یہودی نقض عہد و پیمان اور نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کا مددگار اور اپنے شعروں میں آپ ﷺ کی گستاخی کرنے والا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کا کھلا دشمن تھا۔

۱۰ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے قتل کا ذمہ لیا اور حب رسول ﷺ کا مظاہرہ گستاخ رسول کو قتل کر کے کیا۔

۱۱ نبی کریم ﷺ نے گستاخوں کے قتل کا حکم نامہ بھی جاری کیا اور خود لشکر روانہ کیا۔

۱۲ اس لشکر کو اللہ کے نام پر روانہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے ان کی مدد کے لیے دعا بھی کی۔

۱۳ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ملے جلے لوگ تھے، مسلمان، یہودی اور مشرکین مدینہ میں قیام پذیر تھے۔

۱۴ آپ نے اپنی تشریف آوری پر بلا امتیاز سب کی خیر خواہی اور اصلاح کا ارادہ فرمایا۔

۱۵ آپ ﷺ کی آمد مبارک پر مشرکین اور یہود نے آپ ﷺ کو اذیت دی، بلکہ اذیت کی انتہا کر دی۔

۱۶ ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ایذا رسانی اور گستاخی پر صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا حکم فرمایا اور اس صبر و تحمل اور عفو و درگزر کی غایت حکم ثانی رہی جو کہ ﴿حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ﴾ کی نص قطعی سے واضح ہے۔

۱۷ جب کعب بن اشرف رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے سے باز نہ آیا تو پھر نبی ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کے قتل کے لیے لشکر روانہ کریں۔

پہلے شامان رسول کے لیے مسلمانوں کو عفو و درگزر کا حکم تھا

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوة میں سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی جس روایت کا ذکر فرمایا، اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے گستاخان کے بارے میں صبر و تحمل کے متعلق دو قرآنی آیات کا ذکر ہے۔ ایک آیت کریمہ سورہ آل عمران اور دوسری سورہ بقرہ میں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تا حکم ثانی ان کے عفو و درگزر کا معاملہ تھا، پھر اللہ وحدہ لا شریک لہ نے ان کے ساتھ قتل و قتل کا حکم فرمایا۔ خود امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوة ۶۲۳/۵ (ط دار الکتب العلمیہ بیروت) میں باب باندھا ہے۔ ”مبتداء الإذعان بالقتال وما ورد بعده فی

توہین رسالت کی سزا

نسخ العفو عن المشركين وأهل الكتاب بفرض الجهاد“ اسی طرح السنن الکبریٰ میں ”کتاب البر باب مبتداء الإذن بالقتال“ بھی ملاحظہ کریں۔ اعلان قتال کی ابتدا اور اس کے بعد مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کی معافی جہاد کی فرضیت سے منسوخ ہو گئی۔

اس باب میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اس عفو و درگزر کے نسخ کے دلائل بیان فرمائے جن میں سے ایک مفصل صحیح حدیث وہ ذکر کی ہے جسے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گدھے پر سوار تھے جس پر ذک کی بنی ہوئی تحمل کی چادر پر زین کسی ہوئی تھی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو حارث بن الخزرج میں واقعہ بدر سے پہلے سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے چلے تھے۔ اس دوران آپ کا گزر ایک مجلس کے پاس سے ہوا جس میں عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی تھا اور اس وقت ابھی عبد اللہ بن ابی نے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اتفاق سے اس مجلس میں مسلمان، بت پرست مشرکین اور یہودی ملے جلے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں میں عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب مجلس کو سواری کے پاؤں سے اڑنے والے گرد و غبار نے ڈھانپ لیا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک کو چادر سے چھپا لیا اور کہنے لگا: تم ہمارے اوپر غبار نہ ڈالو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا، پھر رکے، سواری سے اترے اور انھیں اللہ کے دین کی دعوت پیش کی اور ان پر قرآن پڑھا۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا، ارے میاں! تم جو بات کہہ رہے ہو اس سے بہتر کوئی بات نہیں، اگر یہ حق ہے تو تم ہماری مجلس میں آ کر ہمیں تکلیف نہ دو! اپنے گھر واپس پلٹ جاؤ، جو آدمی تمہارے پاس آئے، اسے یہ کہانی سنانا۔ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ہماری مجالس میں آیا کریں، ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ بس پھر مسلمان، مشرکین اور یہودی ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے۔ قریب تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل انھیں خاموش کراتے رہے یہاں تک کہ وہ چپ ہو گئے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کہا:

« يَا سَعْدُ ! أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ » يُرِيدُ عَبْدَ اللَّهِ بْنُ أَبِي قَالَ
كَذًا وَكَذًا

”اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا جو ابو حباب نے کہا؟“ اس سے آپ کی مراد
عبداللہ بن ابی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔“
سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

« يَا رَسُولَ اللَّهِ اَعْفُ عَنْهُ وَاصْفَحْ عَنْهُ فَوَالَّذِي اُنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
لَقَدْ جَاءَ اللَّهُ بِالْحَقِّ الَّذِي اُنْزَلَ عَلَيْكَ وَلَقَدْ اصْطَلَحَ اَهْلُ هَذِهِ الْبَحِيرَةِ
عَلَى اَنْ يُتَوَجَّهَ فَيُعَصِّبُوهُ بِالْعَصَابَةِ فَلَمَّا رَدَّ اللَّهُ ذَلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي
اَعْطَاكَ شَرِيقَ بَذَلِكَ فَذَلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ »

[بخاری: ۴۵۶۶، ۵۶۶۳۔ السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/۹، ح ۱۸۱۹۵]

”اے اللہ کے رسول! اس کو معاف کر دیں اور درگزر فرمائیں۔ اس ذات کی قسم
جس نے آپ پر کتاب نازل کی! یقیناً اللہ تعالیٰ حق لے آیا ہے جو اس نے آپ
پر نازل کیا اور یقیناً اس مدینہ کی بستی والے اس حق کی طرف متوجہ ہونے اور اپنی
برادری کے ساتھ اس کی مدد کرنے کو تیار ہو گئے۔ جب اللہ نے اس حق سے اسے
پھیر دیا جو اس نے آپ کو عطا کیا تو اس نے ازراہ حسد اس سے انکار کیا اور جو
کرتوت اس نے کیا، آپ نے دیکھ لیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے درگزر کیا اور معاف کر دیا۔ آپ ﷺ اور آپ
کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکوں اور یہود و نصاریٰ سے درگزر کرتے تھے اور ان کی
تکالیف پر صبر کرتے تھے، جیسا کہ اللہ نے حکم دیا تھا:

﴿وَلَتَسْعَيْنَ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَنِ الَّذِينَ أَهْرَكُوا أَدَى
كَيْبَرٍ وَإِنْ تَصَدُّوا وَمَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾

[آل عمران: ۱۸۶]

توہین رسالت کی سزا

”اور یقیناً تم ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا، ضرور بہت سی ایذا سنو گے اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَذَكِّرْ مَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ لَوْ يُرِيدُونَكَ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكَ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا ۖ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ﴾ [البقرة: ۱۰۹]

”بہت سارے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنادیں اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے۔“

اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے:

«وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَأَوَّلُ الْعَفْوَ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ حَتَّى أَذِنَ اللَّهُ فِيهِمْ فَلَمَّا غَزَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدْرًا فَقَتَلَ اللَّهُ بِهِ مَنْ قَتَلَ مِنْ صَنَادِيدِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ»

[دلائل النبوة: ۵۷۶/۲، ۵۷۸ ط دارالکتب العلمیہ بیروت۔ بخاری، التفسیر سورة آل عمران: ۴۵۶۶ مع فتح الباری ۱۷/۱۰ ط دار طیبہ۔ مسلم، کتاب الجہاد والسیر: ۱۷۹۸/۱۱۶۔ مسند أحمد (۵/۲۰۳) ط قدیم ۱۰۱/۳۶ (۲۱۷۶۷) ط مؤسسة الرسالة۔ السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۵۰۲۔ مسند أبی عوانة: ۶۹۱۴، ۶۹۱۵۔ صحیح ابن حبان: ۶۵۸۱۔ تفسیر ابن کثیر: ۱۶۰/۲، ۱۶۱ ط دارالکتاب العربی]

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درگزر سے کام لیتے تھے جس کا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا یہاں تک کہ جب ان کے بارے اللہ نے آپ کو اجازت دی۔ پھر جب آپ نے غزوہ بدر لڑا اور اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ میں جن قریش کے کافر سرداروں کو قتل کرنا تھا، قتل کرا دیا۔“ پھر عبد اللہ بن ابی اور اس کے بت پرست مشرک ساتھیوں نے کہا، یہ ایسا دین ہے جو غالب ہو کر رہے گا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ

پر اسلام کی بیعت کر لی اور اسلام میں داخل ہو گئے۔
اسی طرح امام ابن ابی حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بسند صحیح اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مختصر یہ روایت بیان کی:

«وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ يُعْفُونَ عَنِ الْمُشْرِكِينَ وَ أَهْلِ الْكِتَابِ كَمَا أَمَرَهُمُ اللَّهُ وَيَصْبِرُونَ عَلَى الْأَذَى قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ: ﴿وَلَتَسْعَنَ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا﴾ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَأَوَّلُ الْعَفْوَ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ حَتَّى أَذِنَ اللَّهُ فِيهِمْ»

[تفسیر ابن ابی حاتم رازی: ۳/۸۳۴ (۶۱۸)، تفسیر ابن کثیر: (۲/۱۶۰)]

بتحقیق عبدالرزاق المہدی ط۔ دارالکتاب العربی، بخاری: ۴۵۶۶، امام ابن

کثیر فرماتے ہیں ”وہذا إسناد صحیح“ یہ سند صحیح ہے۔ [

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکوں اور یہود و نصاریٰ سے اللہ کے حکم کے مطابق عفو و درگزر کرتے اور ان کی تکالیف پر صبر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا، بہت زیادہ ایذا اور تکلیف دہ باتیں سناو گے۔“

(تفسیر ابن کثیر میں «حَتَّى أَذِنَ اللَّهُ فِيهِمْ» کے بعد یہ الفاظ ہیں: «بِالْقَتْلِ فَقَتَلَ اللَّهُ بِهِ مَنْ قَتَلَ مِنْ صَنَادِيدِ قُرَيْشٍ» یہاں تک کہ اللہ نے قتل کی اجازت ان کے متعلق دے دی، پھر قریش کے سرداروں میں سے جن کو قتل کرنا تھا، اللہ نے قتل کر دیا)۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے عفو و درگزر سے کام لیتے تھے جس کا اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا یہاں تک کہ ان کے بارے اللہ نے اجازت دے دی۔

ان احادیث صحیحہ میں: «حَتَّى أَذِنَ اللَّهُ فِيهِمْ» ”یہاں تک کہ اللہ نے ان کے متعلق

اجازت دے دی۔“ سے مراد قتل کی اجازت ہے۔

توہین رسالت کی سزا

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

قوله : ”حَتَّىٰ أَذِنَ اللَّهُ فِيهِمْ أَيْ فِي قِتَالِهِمْ أَيْ فَتَرَكَ الْعَفْوَ عَنْهُمْ“

[فتح الباري : ۲۰/۱۰ ط دار طيبة]

حدیث میں ”حَتَّىٰ أَذِنَ اللَّهُ فِيهِمْ“ سے ان کے ساتھ عفو و درگزر کو ترک کر کے قتال کرنے کی اجازت مراد ہے۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں :

”حَتَّىٰ أَذِنَ اللَّهُ فِيهِمْ أَيْ فِي قِتَالِهِمْ فَتَرَكَ الْعَفْوَ عَنْهُمْ“

[تحفة الباري بشرح صحيح البخاري : ۴۸/۵ ط- دار الكتب العلمية]

یعنی ”نبی کریم ﷺ کو ان کفار یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے بارے میں اللہ نے قتال کی اجازت دے دی تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ معافی و درگزر ترک کر دیا۔“
سورہ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر صحیح حدیث سے واضح ہو گئی کہ عفو و درگزر اور معافی کا حکم قتال فی سبیل اللہ کا حکم آنے سے قبل کا معاملہ تھا، جب جہاد و قتال کا حکم آ گیا تو پھر اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے گستاخوں کی معافی کا معاملہ منسوخ ہو گیا اور ان کے قتل و قتال کا حکم وارد ہو گیا۔

اسی طرح مندرجہ بالا بحث میں سورہ البقرہ کی آیت (۹) کا ذکر بھی آیا ہے۔

حرم الامہ، ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر یہ مروی ہے کہ

﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

[البقرہ : ۱۰۹]

”معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کمال قدرت والا ہے۔“ یہ عفو و درگزر کا حکم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ منسوخ ہو گیا :

﴿فَاَقْتُلُوا الشُّرَكَاءَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ [التوبة : ۵]

”مشرکوں کو قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ۔“

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان :

﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجُزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴾ [التوبة : ۲۹]

”ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت والے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی دین حق اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو کتاب دیے گئے یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ ذلیل و خوار ہوں۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

« فَنَسَخَ هَذَا الْعَقْوَ عَنِ الْمُشْرِكِينَ »

”اس نے مشرکوں کے بارے میں آپ ﷺ کی معافی کو منسوخ کر دیا۔“

[صحیفہ علی بن ابی طلحہ فی تفسیر القرآن الکریم، ص: ۸۶ ط۔ مکتبہ السنة القاهرة۔ السنن الکبریٰ للبیہقی کتاب السیر: ۱۱/۹ ط دار المعرفہ بیروت: ۲۳/۹، ۲۴ ط دار الحدیث القاهرة۔ دلائل النبوة للبیہقی: ۵۸۲/۲ تفسیر ابن کثیر: ۳۳۵/۱۔ تفسیر طبری: ۴۲۴/۲ ط دار عالم الکتب۔ تفسیر الدر المنثور: ۵۵۸/۱ ط۔ مرکز ہجر للبحوث والدراسات۔ علامہ سیوطی نے اسے ابن جریر طبری ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور دلائل النبوة للبیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”وَكَذًا قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ وَالرَّبِيعُ بْنُ أَنَسٍ وَقَتَادَةُ وَالشُّدِّيُّ أَنَّهَا مَنْسُوخَةٌ بِآيَةِ السَّيْفِ وَيُرْشَدُ إِلَى ذَلِكَ أَيْضًا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿ حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ﴾“

[تفسیر ابن کثیر (۳۳۶/۱) بتحقیق عبدالرزاق المہدی]

”یہی قول ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور شدی رحمہم اللہ کا ہے کہ آیت سیف کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اس کی راہنمائی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے کہ

توہین رسالت کی سزا

”یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے“ یعنی ﴿حَقُّ يَأْتِي اللَّهَ بِأَمْرِهِ﴾ کا ارشاد گرامی بھی اس کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے۔“

سورۃ البقرہ کے مذکورہ مقام سے پہلے آیت (۱۰۴) میں مشرکین اور یہود کی شان رسالت میں گستاخی کا ذکر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [البقرة: ۱۰۴]

”اے ایمان والو! تم ﴿رَاعِنَا﴾ مت کہو اور ﴿انْظُرْنَا﴾ کہو اور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

یہود اور مشرک لفظ رَاعِنَا کو بگاڑ کر ”رَاعَيْنَا“ وغیرہ بنا دیتے، یعنی ہمارا چرواہا، یا اس قسم کے اور توہین آمیز کلمات و معانی اختیار کرتے، تو اللہ نے اہل ایمان کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿رَاعِنَا﴾ کے بجائے ﴿انْظُرْنَا﴾ کہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کا استعمال ہی درست قرار نہیں دیا جس سے توہین رسالت کا پہلو نکلتا ہو اور ایسے گستاخوں کے لیے ”عذاب الیم“ کی وعید بیان کی اور تا حکم ثانی صبر و تحمل اور معافی و درگزر کا حکم دیا جو کہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ کر کے گستاخوں کی سزا قتل تجویز کی۔

اور اسی گستاخی کا ذکر سورۃ نساء آیت (46) میں کیا کہ وہ نبی ﷺ کی توہین بھی کرتے ہیں اور دین اسلام میں طعنہ زن ہوتے ہیں۔ وہاں پر بھی اللہ نے ان پر اپنی لعنت کا ذکر کیا۔ اور ملعونین کی سزا کے بارے پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ واجب القتل ہیں۔ اس بات کی تفصیل امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ”جامع البیان عن تأویل آی القرآن“ المعروف بتفسیر طبری (۲/۴۲۳، ۴۲۴) میں کی ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ سورۃ توبہ قرآن حکیم کی وہ سورت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی، جیسا کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں :

« وَ آخِرُ سُورَةِ نَزَلَتْ بِرَاءَةً »

[صحیح البخاری مع فتح الباری : ۱۶۱/۱۰ (۶۷۵۴) - تفسیر ابن کثیر : ۳/

[۳۴۶

لہذا کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی گستاخی کا ارتکاب کریں اور دین اسلام میں طعن و تشنیع سے کام لیں تو انھیں معافی نہیں دی جائے گی، ان کا علاج اسلام کی تلوار ہے، ایسے افراد واجب القتل ہیں، انھیں اللہ کی زمین پر زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ بعض احادیث صحیحہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے گستاخوں کے قتل کا حکم آپ ﷺ کو مکہ میں ہی معلوم ہو چکا تھا، لیکن اس کی تعمید باقاعدہ مدینہ منورہ میں آ کر ہوئی۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے کسی ایسے سخت واقعہ کے متعلق خبر دو جو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روا رکھا ہو اور ان کی عداوت رسالت کا آئینہ دار ہو؟ انھوں نے کہا، میں ان میں موجود تھا کہ ایک دن قریش کے چوہدری حطیم میں جمع ہوئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا، کہنے لگے: ”جتنا ہم نے اس شخص پر صبر کیا ہے کسی اور پر کبھی ایسا صبر ہم نے نہیں دیکھا، اس نے ہمارے دانش و روں کو بے وقوف کہا، ہمارے باپ دادا کو برا بھلا کہا، ہمارے دین پر عیب لگایا، ہماری جماعت کو منتشر کیا اور ہمارے معبودوں کو گالی دی۔ ہم نے اس کے بارے بہت زیادہ صبر کر لیا ہے۔ اسی دوران وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ چلتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ حجر اسود کا استلام کیا اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے۔ جب آپ کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو وہ آپ ﷺ کی باتوں میں عیب جوئی کرتے ہوئے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرنے لگے، تو میں نے اس بات کے اثرات نبی مکرم ﷺ کے چہرہ مبارک پر پہچان لیے، پھر آپ آگے گزر گئے، پھر جب دوسرے چکر پر ان کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پہلے جیسی حرکت کی۔ میں پھر ناگواری کے اثرات آپ کے چہرے پر پہچان گیا، پھر آپ ﷺ آگے گزر گئے، پھر جب

توہین رسالت کی سزا

تیسرے چکر پر آپ ان کے پاس سے گزرنے لگے تو انھوں نے پھر وہی حرکت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« تَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَمَا وَاللَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ »

”اے قریش کے گروہ! تم سنتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! یقیناً میں تمہارے ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔“

اور ایک روایت میں ہے:

« مَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ إِلَّا بِالذَّبْحِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى حَلْقِهِ »

”نہیں میں تمہاری طرف بھیجا گیا مگر ذبح کے حکم کے ساتھ اور آپ نے اپنے حلق کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔“

[مسند أحمد: ۱۱/۶۱۰، ج: ۷۰، ط مؤسسة الرسالة۔ صحيح ابن حبان :

۱۶۸۵ ط موارد۔ مسند أبي يعلى: ۱۳/۳۲۵، ج: ۷۳۳۹ بتحقيق حسين سليم

أسد۔ المصنف لابن أبي شيبة مغازي: ۱۴/۳۶۷، ج: ۱۰/۱۸۴۱۔ دلائل النبوة

لأبي نعيم أصبهاني (۱۵۹) (۲۰۹/۱)]

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار، باب ما لقي النبي ﷺ

وأصحابه من المشركين بمكة، حديث (۳۸۵۶) کے تحت اس روایت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اس صحیح حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ گستاخان رسول اور شتمان نبی ﷺ کی سزا یہی ہے کہ انھیں ذبح کر دیا جائے اور قرآن حکیم کی رو سے بری طرح قتل کر دیے جائیں۔ نبی اکرم ﷺ کو مکہ کی زندگی میں کفار و مشرکین کی طرف سے بہت ستایا گیا، مصائب و لطم سے دوچار کیا گیا اور ایذا رسانی اور گستاخی کی کافروں نے حد کر دی اور کعبۃ اللہ ں کبھی آپ ﷺ کے اوپر حالت نماز میں اونٹنی کی بچہ دانی لا کر ڈال دی گئی۔ [بخاری:

(۲۴۰)۔ کبھی آپ ﷺ کے گلے میں کپڑا ڈال کر گھونٹا گیا۔ (بخاری: ۳۸۵۶)

الغرض! ہر طرح سے گستاخی کا ایک تسلسل تھا، لیکن ابتدا میں آپ ﷺ کو صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا حکم تھا، پھر اس کے بعد اس حکم کو منسوخ کر کے ایسے گستاخوں کے لیے قتل و قتل کا حکم آ گیا۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے امام بیہقی کی: ”دلائل النبوة اور السنن الکبریٰ، کتاب السیر، باب ما جاء في نسخ العفو عن المشرکین“ اور امام شافعی کی کتاب ”الرسالة“ وغیرہ ملاحظہ ہو۔

معلوم ہوا کہ گستاخانِ رسول کے ساتھ ابتدائے زمانہ میں عفو و درگزر اور ان کی تکالیف اور ایذا رسانی پر صبر و تحمل کا حکم تھا، لیکن بعد میں قتل کی اجازت وارد ہوئی۔ تبھی اللہ کے رسول ﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کے لیے لشکر روانہ کیا۔

پتا چلا کہ اللہ کے قرآن میں گستاخِ رسول کی سزا کا قانون موجود ہے اور معافی دینے والے حضرات کا بھی رد ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ یہ ابتدائی دور میں معاملہ تھا بعد میں قتل کا حکم آ گیا، لہذا گستاخِ رسول خواہ یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا مسلم، جب گستاخی کا ارتکاب کرے گا تو واجب القتل ہے۔ حدیث کی معافی نہیں ہوگی، بالخصوص تو بین رسالت پر کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی عام لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ اس کے ساتھ بہت سارے حقوق مل جاتے ہیں، جیسے:

① اللہ کا حق، جب کوئی شخص اللہ کے رسول ﷺ کی گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس نے اللہ کے سب سے بڑے ولی کی گستاخی کر کے اللہ سے اعلانِ جنگ کیا ہے۔

② اس نے اللہ کی کتاب اور اس کے دین میں طعن کیا ہے، اس لیے کہ اللہ کے دین اور کتاب کی صحت رسالت و نبوت کی صحت پر موقوف ہے۔ تو بین رسالت کر کے دین اسلام اور کتاب اللہ کی تو بین کا مرتکب ہوا۔

③ یہ اللہ کی الوہیت میں طعن ہے، اس لیے کہ رسالت و نبوت پر طعن و تشنیع اللہ کی الوہیت

توہین رسالت کی سزا

میں طعن و تشنیع ہے، جس نے اپنے نبی اور رسول ﷺ کو مبعوث کیا۔ رسول ﷺ کی تکذیب، اللہ کی تکذیب ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے حکم و نبی کا انکار اللہ کے حکم کا انکار ہے۔ ⑤ یہ تمام اہل ایمان کے حق پر ڈاکا اور سب و شتم ہے، اس لیے کہ تمام اہل ایمان رسول اللہ اور آپ سے پہلے تمام انبیاء و رسل ﷺ پر بلا امتیاز ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے رسالت و نبوت کی توہین کر کے تمام اہل ایمان کو تکلیف دی جاتی ہے۔ نبوت و رسالت کی گستاخی اہل ایمان کے ہاں ان کے والدین، عزیز و اقارب، آباء و ابناء اور خاندان برادری کی گستاخی سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی عزت و حرمت اہل ایمان کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ ملاحظہ ہو: (الصارم المسلول علی شاتم

الرسول از شیخ الإسلام والمسلمین إمام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: ۵۳۱/۲، ۵۳۲)

تنبیہ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان گستاخوں کی سزا کا بیان جہادی سورتوں میں کیا اور محمد شین کرام ﷺ نے اپنی اپنی کتابوں میں جہاد و مغازی اور سیر میں کیا ہے، جیسا کہ کعب بن اشرف یہودی کے قتل والی روایت کی تخریج کے ضمن میں آپ حضرات نے ملاحظہ کیا، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے گستاخوں کا علاج جہاد فی سبیل اللہ میں ہے۔ اگر امت مسلمہ فریضہ جہاد و قتال کو سمجھ لے اور عملاً میدان کارزار میں اتر آئے تو کسی کافر کو گستاخی کی جرأت نہ ہو اور اگر کوئی اس جرم کا مرتکب ہو تو جہاد کی تلوار کے ساتھ اس کی گردن اس کے تن سے جدا کر دی جائے۔

جو لوگ جہاد کے فریضہ کو سمجھ چکے ہیں، ان کا موقف اس مسئلہ میں بڑا واضح اور غیر مبہم ہے، ان کے ہاں اس مسئلہ میں کوئی خفا و غموض نہیں، لیکن غیر جہادی علماء و عوام اس بارے میں تزلزل کا شکار ہو جاتے ہیں اور رخصتوں کے طالب ہو کر کفار و مشرکین، نصاریٰ اور یہود و ہنود کے لیے مزید گستاخی کی راہ ہموار کر دیتے ہیں۔ امت مسلمہ کے لوگو! صحیح عقیدے کی بنیاد پر دعوت و جہاد کے علم کو تھام لو! اسی سے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اور عزت و آبرو کی

بلندیاں وابستہ ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے گستاخوں کا بھی علاج ہے۔

ان آیات بینات کے علاوہ بھی بہت ساری آیات اس مسئلہ کے متعلق وارد ہیں جن کا ذکر کرنا اس مقالہ کے لیے طوالت کا باعث ہے۔ تفصیل کے لیے ”الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ“ از شیخ الاسلام والمسلمین امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ”توہین رسالت کی شرعی سزا“ از شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباڑ رحمہ اللہ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

گستاخ رسول کی سزا احادیث کی روشنی میں

کتب احادیث و سنن میں اس موضوع پر کئی ایک احادیث صحیحہ اور آثار حسنہ موجود ہیں، کعب بن اشرف یہودی کا قتل اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

ابورافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع (۴۰۳۹، ۴۰۴۰) میں اس روایت کو مفصل ذکر کیا ہے۔ امام المغازی و امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَلَمَّا انْقَضَى شَأْنُ الْخُنْدَقِ وَ أَمْرُ بَنِي قُرَيْظَةَ وَ كَانَ سَلَامٌ بْنُ أَبِي الْحُقَيْقِ وَهُوَ أَبُو رَافِعٍ فِيمَنْ حَزَبِ الْأَحْزَابِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَتْ الْأَوْسُ قَبْلَ أُحُدٍ قَتَلَتْ كَعْبُ بْنُ الْأَشْرَفِ فِي عَدَاوَتِهِ لِرَسُولِ اللَّهِ وَ تَحْرِيطِهِ عَلَيْهِ اسْتَأْذَنْتِ الْخَزْرَجُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَتْلِ سَلَامِ بْنِ أَبِي الْحُقَيْقِ وَهُوَ بِخَيْبَرَ فَأَذِنَ لَهُمْ“

[السيرة النبوية لابن اسحاق ص : ۴۳۰ ط دار الكتب العلمية بيروت۔ البداية

والنهاية : ۴ / ۳۴۰۔ دلائل النبوة للبيهقي : ۴ / ۳۳۔ فتح الباري : ۹ / ۱۰۳]

”جب غزوہ خندق اور بنو قریظہ کے یہود کا معاملہ پورا ہو گیا، سلام بن ابی الحقیق

توہین رسالت کی سزا

ابورافع یہودی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اتحادیوں کو جمع کیا تھا۔ احد سے پہلے اوس قبیلے کے لوگوں نے کعب بن اشرف کو رسول اللہ ﷺ کی عداوت اور لوگوں کو آپ کے خلاف اکسانے کی وجہ سے قتل کیا تھا۔ خزرج والوں نے ابورافع یہودی کے قتل کی اجازت رسول اللہ ﷺ سے طلب کی اور اس وقت ابورافع خیبر میں تھا، تو آپ ﷺ نے اس کے قتل کی اجازت دی۔“ اور امام حاکم کی ”الآکلیل“ اور امام ابن اسحاق کی ”السیرۃ النبویۃ“ میں ہے کہ جب لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے گستاخ ابورافع یہودی کے قتل کے لیے روانہ کیا تھا، ان میں عبداللہ بن عتیک، عبداللہ بن انیس، ابوقدادہ، حارث بن ربیع اور مسعود بن سنان رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ نیز دیکھیں فتح الباری: ۱۰۳۹۔ ابورافع کے قتل کا سبب بھی ایضاً رسول ﷺ تھا۔ صحیح بخاری (۴۰۳۹)

میں ہے: ”وَكَانَ أَبُو رَافِعٍ يُؤْذِي رَسُولَ اللَّهِ وَيُعِينُ عَلَيْهِ“
 ”ابورافع رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیتا اور آپ کے خلاف تعاون کرتا تھا۔“ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ ”عروہ فرماتے ہیں، ابورافع غطفان وغیرہم مشرکین عرب کی رسول اللہ ﷺ کے خلاف بہت زیادہ مالی معاونت کرتا تھا۔“

[فتح الباری: ۱۰۴/۹ ط دار طیبہ]

اس سے معلوم ہوا کہ اذیت رسول اور رسالت مآب ﷺ کے خلاف لوگوں کو ابھارنے اور مالی سپورٹ کرنے کی وجہ سے ابورافع یہودی کو قتل کیا گیا، پھر اوس و خزرج کے قبائل کا گستاخان رسول کے تعاقب میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا عزم بھی معلوم ہوتا ہے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ کے خلاف بولنے والی زبان اور دشمنان رسالت کے معاونین، خواہ مالی سپورٹر ہوں یا زبانی کلامی، واجب القتل ہو جاتے ہیں۔

آج مسلمانان عالم کو گستاخان رسول کے تعاقب میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حریص اور میدان کارزار میں کود جانے کا کردار ادا کرنے کی شدید حاجت و ضرورت ہے۔

گستاخ عورت بھی واجب القتل ہے

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک نابینے صحابی کی اُم ولد (لوٹھی) تھی جو نبی کریم ﷺ کو گالیاں بکتی اور آپ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتی تھی۔ وہ نابینا صحابی اسے منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ اسے ڈانتا تھا وہ سمجھتی نہ تھی۔ ایک رات جب وہ نبی کریم ﷺ کی بدگوئی کرنے لگی تو اس صحابی نے برچھا پکڑا اور اس کے پیٹ پر رکھ دیا اور اس پر اپنا بوجھ ڈالا اور اسے قتل کر دیا۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا:

«أَلَا أَشْهَدُ وَإِنْ ذَمَّهَا هَذَرٌ»

”خبردار گواہ ہو جاؤ! اس لوٹھی کا خون ضائع و رائیگاں ہے۔“

[أبوداؤد، الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ: (٤٣٦١)، نسائي (٤٠٧٥)، دارقطني: ٣/١١٢، ١١٣/٤٠١٧]

علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ”إسناده صحيح على شرط مسلم“ (إرواء الغلیل: ٩٢/٥، ط المکتب الاسلامی) ”اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔“

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر سب و شتم کرنے والی عورت بھی ہو تو اسے معافی نہیں دی جائے گی، اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کا خون رائیگاں اور بے کار ہوگا، کوئی قصاص و بدلہ نہیں اور نہ ہی دیت ہے۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الذَّمَّ إِذَا لَمْ يَكُفَّ لِسَانَهُ عَنِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَلَا ذِمَّةَ لَهُ فَيَحِلُّ قَتْلُهُ“

[عون المعبود: ٢٢٦/٤ ط ملتان]

”اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے

توہین رسالت کی سزا

بارے میں اپنی زبان بند نہیں کرتا تو اس کا کوئی عہد و پیمان نہیں، اس کا قتل حلال ہو جاتا ہے۔“ نیز دیکھیں:

[فتح الودود فی شرح سنن أبي داود لأبي الحسن السندی : ۲۷۶/۴ ط دار
لینہ مصر]

یہودیہ کا قتل

اس کی تائید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

« أَنْ يَهُودِيَّةً كَانَتْ تَشْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِيهِ
فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتَّى مَاتَتْ فَأَبْطَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
دَمَهَا »

[أبو داود، الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ : ۴۳۶۲، السنن الكبرى
للبيهقي : ۲۰۰/۹، ۶۰/۷ ط دار الحديث قاهرة]

”بلاشبہ ایک یہودیہ عورت نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ ﷺ کے
بارے میں نازیبا کلمات کہا کرتی تھی۔ ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک
کہ وہ مر گئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دے دیا۔“

اس روایت کے بارے میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ”إسناده صحيح على

شرط الشيخين“ [إرواء الغلیل : ۹۱/۵، تحت رقم : ۱۲۵۱]

یاد رہے! یہ حدیث ہم نے بطور شاہد اور تائید ذکر کی ہے۔

حد قتل صرف مرتکب توہین رسالت کے لیے

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ وہ کسی آدمی پر بہت
زیادہ ناراض ہوئے۔ میں نے کہا: اے خلیفۃ الرسول! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن
مار دوں۔ میری اس بات نے ان کا غصہ ختم کر دیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور گھر چلے
گئے اور مجھے پیغام بھیجا اور کہا، تم نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ میں نے کہا، مجھے اس کی گردن مارنے

کی اجازت دیں۔ کہنے لگے اگر میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا، کیا واقعی تم یہ کام کر گزرتے؟ میں نے کہا: ہاں، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«لَا وَاللَّهِ! مَا كَانَتْ لِبَشَرٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

[أبو داود، الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ: ٤٣٦٣، نسائي: ٤٠٧٣، ذخيرة العقبى في شرح المعجنى: ٢٧/٣٢۔ السنن الكبرى للنسائي (٣٥٢٦ تا ٤٤٨، ٤٤٦، ٤٤٨، ٤٤٩)۔ مسند أحمد (٥٤)۔ المستدرک: ٤/٣٥٤۔ تهذيب الكمال ١٥/٤٤٣۔ مسند حميدي: (٦) امام حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔]

”نہیں اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے بعد کسی بشر کو یہ مقام حاصل نہیں۔“

توہین رسالت کے مرتکب عیسائی کو سزا

کعب بن علقمہ کہتے ہیں غرغہ بن الحارث الکندی کے پاس سے ایک عیسائی گزرا تو انھوں نے اسے اسلام کی دعوت پیش کی، تو اس عیسائی نے رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی، غرغہ کندی رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس کی ناک پھوڑ دی۔ یہ معاملہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو عمرو فرمانے لگے: ہم نے ان کو عہد و پیمان دیا ہے (یعنی ان کی حفاظت ہم پر لازم ہے) غرغہ کندی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَكُونَ أَعْطَيْنَاهُمْ عَلَى أَنْ يُظْهِرُوا شَتَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَعْطَيْنَاهُمْ عَلَى أَنْ نُحَلِّيَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ كَنَائِسِهِمْ يَقُولُونَ فِيهَا مَا بَدَأَ لَهُمْ أَنْ لَا نُحْمِلَهُمْ مَا لَا يُطِيقُونَ وَإِنْ أَرَادَهُمْ عَدُوٌّ قَاتَلْنَاهُمْ مِنْ وَرَائِهِمْ وَنُحَلِّيَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ أَحْكَامِهِمْ إِلَّا أَنْ يَأْتُونَا رَاضِينَ بِأَحْكَامِنَا فَنَحْكُمَ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِ اللَّهِ وَحُكْمِ رَسُولِهِ وَإِنْ غَيَّبُوا عَنَّا لَمْ نَعْرِضْ لَهُمْ فِيهَا»

”اللہ کی پناہ! ہم ان کو اس بات پر عہد و پیمان دیں کہ وہ نبی کریم ﷺ پر سب و

توہین رسالت کی سزا

شتم کا اظہار کریں۔ ہم نے ان کو اس بات کا عہد دیا ہے کہ ہم انہیں ان کے گرجا گھروں میں چھوڑ دیں، وہ اپنے گرجا گھروں میں جو کہنا ہے، کہیں اور ان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالیں اور اگر کوئی دشمن ان کا قصد کرے تو ہم ان کے پیچھے ان سے لڑائی لڑیں اور انہیں ان کے احکامات پر چھوڑ دیں، الا یہ کہ وہ ہمارے احکامات پر راضی ہو کر آئیں، تو ہم ان کے درمیان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں اور اگر وہ ہم سے غائب ہوں تو ہم ان کے پیچھے نہ پڑیں۔“ عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: ”صَدَقْتُ“ ”تم نے سچ کہا۔“

[السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۷۵/۹، بتحقیق اسلام منصور عبدالحمیدی وقال حسن ۲۰۰/۹ ط قدیم۔ المعجم الأوسط: ۳۴۱/۹، ۳۴۲، ۳۴۳ (۸۷۴۳)، مجمع الزوائد، کتاب الحدود، باب فیمن سب نبیاً أو غیرہ (۱۰۵۶۹) ط قدیم ۲۶۰/۶، وقال فیہ عبد اللہ بن صالح کتاب اللیث وقد وثق وفیہ ضعف وبقیة رجالہ ثقات]

لیکن عبد اللہ بن المبارکؓ نے اس کی متابعت کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

[المطالب العالیہ (۲۰۴۸) اتحاف الخیرہ المہرۃ للبوصیری (۴۶۹۰) وغیرہ الإصابة فی تمييز الصحابة ص ۱۰۳۵ ط بیت الأفكار الدولیة، اسد الغابۃ: ۳۲۳/۴ ط دار الکتب العلمیہ بیروت]

مشرک شاتمہ کا قتل

سیدنا عمیر بن امیہؓ کی ایک بہن تھی۔ عمیرؓ جب نبی کریم ﷺ کی طرف نکلتے تو وہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اذیت دیتی اور نبی کریم ﷺ کو گالیاں بکتی اور وہ مشرک تھی۔ انہوں نے ایک دن تلوار اٹھائی، پھر (اپنی) اس بہن کے پاس آئے اور اسے تلوار کا وار کر کے قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے اٹھے، انہوں نے چیخ و پکار کی اور کہنے لگے، ہمیں معلوم ہے کس نے اسے قتل کیا ہے، کیا ہمیں امن و امان دے کر قتل کیا گیا ہے؟ اور اس قوم کے آباء و اجداد اور مائیں مشرک ہیں۔ جب عمیرؓ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ ان کے بھانجے اپنی ماں کے بدلے میں کسی کو ناجائز قتل کر دیں گے تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ

کو خبر دی تو آپ نے پوچھا: « أَقْتَلْتَ أُخْتَكَ » ”کیا تم نے اپنی بہن کو قتل کیا ہے؟“ انھوں نے کہا، ہاں۔ آپ ﷺ نے کہا: « وَلِمَ » ”تم نے اسے کیوں قتل کیا؟“ تو انھوں نے کہا: « إِنَّهَا كَانَتْ تُؤْذِنِي فِيكَ » ”یہ مجھے آپ کے بارے میں تکلیف دیتی تھی۔“ تو نبی ﷺ نے اس کے بیٹوں کو پیغام بھیجا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے کسی اور کو قاتل بنایا، پھر آپ ﷺ نے ان کو خبر دی اور اس کا خون رائیگاں قرار دیا تو انھوں نے کہا، ہم نے سنا اور مان لیا۔“

[المعجم الكبير : (۱۲۴) ۱۷ / ۶۴ - مجمع الزوائد : ۳۹۸ / ۶ (۱۰۵۷۰) -

أسد الغابة في معرفة الصحابة : ۲۷۳ / ۴ - الإصابة : ۵۹۰ / ۴]

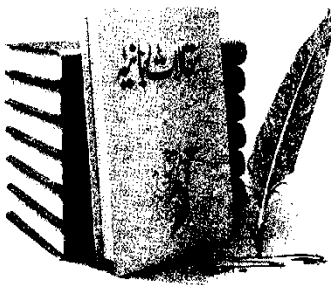
مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ رسول ﷺ کو دشنام طرازی کرنے والے گستاخ کی سزا قتل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے لوگوں سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر انھیں قتل کیا اور غزوہ بدر گزر کا حکم مدینے کی ابتدائی زندگی میں تھا۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی اذیتوں اور گالی گلوچ پر صبر و تحمل سے کام لیتے رہے، پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے ان کا علاج قتل و قتال تجویز کیا گیا۔ لہذا شاتم رسول کو بالخصوص قتل کی سزا سے معافی نہیں دی جاسکتی۔ اگر کوئی غیر مسلم پکڑے جانے کے بعد توبہ کر لے تو اس کی توبہ کا فائدہ عند اللہ تو ہو سکتا ہے، لیکن دنیا میں حد کی معافی نہیں ہوگی۔ محدثین کرام نے کتب احادیث میں کتاب الحدود قائم کر کے شاتم رسول کی سزا قتل بیان کی ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں کیا اور یہی بات کتاب و سنت کے دلائل کی رو سے قوی اور مضبوط ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی لچک نہیں ہے۔



اسلام میں پختہ قبر کا حکم

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُخَلِّصًا إِلَهُكَ مِنَ الْكَافِرِينَ
فَإِنْ تَهُؤُوا فَاذْكُرُوا

[الحشر: ٧]



سیدنا جناب ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کو موت سے پانچ دن پہلے فرماتے ہوئے سنا:

« أَلَا وَ إِنْ مِّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَ صَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ إِلَّا فَلَا تَتَّبِعُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ » [مسلم: ۵۳۲]

”لوگو! کان کھول کر سن لو! تم سے پہلی امتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا، خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا، میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔“

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں جس قدر شرک اور مشرکین کی مذمت بیان کی گئی ہے اتنا زور کسی اور مسئلہ پر نہیں دیا گیا اور شرک کے تمام مظاہر بھی شرک کی طرح واجب ترک اور قابل مذمت ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے قبور کی تعمیر اور ان پر گنبد وغیرہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اس لیے کہ یہ عوام الناس کے لیے شرک کا باعث ہیں۔ نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت جو وصایا اپنی امت کے لیے تعلیم فرمائے ان میں سے ایک وصیت یہ بھی ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تَجْعَلُوا يُبُوتَكُمْ قُبُورًا، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِ عِيْدًا، وَ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تُبَلِّغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ »

[أبوداؤد، المناسك، باب زيارة القبور: (٢٠٤٢)، مسند أحمد: (٣٦٧/٢)، ح:

(٨٨٢٥)، ابن أبي شيبة، الجنائز، باب من كره زيارة القبور: ٣/٣٠ (١٨١٨)،

عبدالرزاق، الجنائز، باب السلام على قبر النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ٣/٥٧٧

[(٦٧٢٦)]

”اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید (میلہ گاہ) بنانا اور مجھ پر درود پڑھو، یقیناً تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جائے گا تم جہاں کہیں بھی ہوئے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے زیارت کے لیے اجتماع کرنے اور میلے لگانے سے خود اپنی قبر پر بھی منع فرمادیا، کیونکہ عید خوشی کے اجتماع کو بھی کہا جاتا ہے اور قبر

پر عرس و میلے اور چراغ جلانے کو بھی، جیسا کہ آج کل اہل بدعت کرتے ہیں، اس سے خوشی کا اظہار معلوم ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

”هَذِهِ إِشَارَةٌ إِلَى سِدِّ مَدْخَلِ التَّحْرِيفِ كَمَا فَعَلَ الْيَهُودُ وَ النَّصَارَى

بِقُبُورِ أَنْبِيَائِهِمْ وَ جَعَلُوهَا عَيْدًا وَ مَوْسَمًا بِمَنْزِلَةِ الْحَجِّ“

[حجة الله البالغة : (۷۷/۲) مبحث في الأذكار وما يتعلق بها]

”اس حدیث میں تحریف کے دروازے کی بندش کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ

یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ سلوک کرتے تھے، انھوں نے انھیں

حج کی طرح موسم اور عید بنا ڈالا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور اپنی قبر مبارک کے متعلق یہ دعا بھی فرمائی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَنَّاءً، لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ اَنْبِیَآءِہِمَّ

مَسَاجِدَ »

[مسند حمیدی : (۲/۴۴۵) (۱۰۲۵)، مسند أحمد : (۲/۲۴۶)، ح : (۷۳۲۵)

عبد الرزاق : (۸/۴۶۴) (۱۵۹۱۶)، مؤطا مالك : (۱/۱۷۲) (۸۵)]

”اے میرے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا (کہ اس کی عبادت کی جائے)

اللہ تعالیٰ کی لعنت بر سے ایسی قوم پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے معلوم ہوا کہ جس قبر کو سجدہ گاہ بنا لیا جائے اور اس کی عبادت

مثل دعا، نذر و نیاز، قیام و رکوع اور تلاوت وغیرہ کا محل بنا دیا جائے تو وہ بھی دشمن و بت کے

زمرے میں شامل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے اللہ! میری قبر کو ”دشمن“

یعنی بت نہ بنانا۔“ اور اسی حکمت کے پیش نظر آپ کی قبر مبارک کو نمایاں نہیں رکھا گیا بلکہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں دفن کیا گیا تا کہ کوئی شخص بھی وہاں آ کر کسی قسم کی

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

عبادت کا اہتمام نہ کر سکے۔ خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اس بیماری میں جس میں آپ فوت ہوئے فرمایا:

”اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر مسجدیں بنالیں۔“

پھر آگے فرماتی ہیں:

« فَلَوْلَا ذَلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنَّهُ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا »

[مسلم، المساجد و مواضع الصلوة، باب النهي عن بناء المساجد على القبور:

۵۲۹۔ بخاری، الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي ﷺ : ۱۳۹۰]

”اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ آپ ﷺ کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا جائے گا تو آپ کی قبر چار دیواری میں نہ ہوتی بالکل کھلی جگہ پر نمایاں ہوتی۔“

معلوم ہوا کہ قبر پرستی کے ڈر کی بنا پر آپ ﷺ کی قبر مبارک کھلی اور نمایاں جگہ پر نہیں بنائی گی کیونکہ اسلام میں قبوری شریعت کا کوئی تصور (Concept) ہی موجود نہیں۔

سیدنا جناب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو موت سے پانچ دن پہلے فرماتے ہوئے سنا:

« أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِهِمْ

مَسَاجِدَ إِلَّا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ »

[مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المساجد على

القبور..... : ۵۳۲]

”لوگو! کان کھول کر سن لو! تم سے پہلی امتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں

کو مسجدیں بنا لیا تھا، خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا، میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔“

نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے:

« إِنَّ أَوْلَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ

مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَ أُولَٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ»

[مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور :
۵۲۸]

”یقیناً جب ان میں کوئی نیک آدمی مرجاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور
اس میں تصویریں لٹکا دیتے، یہ لوگ قیامت والے دن اللہ کے ہاں بدترین
مخلوق شمار ہوں گے۔“

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:
«إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ وَمَنْ يَتَّخِذُ
الْقُبُورَ مَسَاجِدَ»

[مسند أحمد : (۱/۴۰۵، ۴۳۵)، مسند أبي يعلى : (۵۳۱۶/۹، ۲۱۶)، ابن
خزيمة : ۷۸۹، ابن حبان : ۲۳۱۶]

”بے شک لوگوں میں سے شریر ترین وہ ہیں جن پر قیامت قائم ہوگی اور وہ زندہ
ہوں گے اور ایسے لوگ ہوں گے جو قبروں کو مسجدیں بنائیں گے۔“

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ قبروں پر مساجد تعمیر کرنا، عبادت کرنا، نذر و نیاز
چڑھانا، وہاں پر عرس و میلے لگانا اور ان سے استمداد و استعانت کرنا شرعی طور پر حرام و منع
ہے اور ایسے افراد شریر ترین لوگ ہیں جن پر قیامت قائم ہوگی۔

عصر حاضر میں بعض حضرات اپنے اپنے نام نہاد علماء کے عقائد و اعمال کی ترویج و
اشاعت میں کوشاں اور سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں اور ان کی تعلیمات سے قبر پرستی از حد
نمایاں ہے۔ لوگ صوفیاء کے مزاروں اور مقبروں پر جا کر اپنی حاجات و مناجات پیش کرتے
ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ قبروں والے ہمارے گنج بخش، داتا، فیض عالم، غوث اعظم، فریادرس،
غریب نواز، بندہ پرور، بگڑی بنانے والے، حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، بلکہ کھلے عام ان

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

کے لیے سربسجود ہوتے ہیں اور اس بات کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں جیسا کہ خواجہ فرید معروف گنج شکر کے دربار پر یہ شعر لکھا ہوا ہے ۔

تیرے در پر سجدہ ریزی یہی میری بندگی ہے
کہ ذرا لپٹ کر رولوں تیرے سنگ آستان پہ
ہم نے یہ بندگی کا طریقہ بنا لیا
اپنے بابا کو یاد کیا سر جھکا لیا

(آسمانی جنت ص: ۷۱)

ما طرح ایک دیوانہ کہتا ہے ۔

کھلے جلوے ہیں اس در پر فقط اللہ اکبر کے
ہمیں سجدے روا ہیں خواجہ اجمیر کے در کے

(دیوان محمدی ص: ۱۳۶)

مندرجہ بالا اشعار ان حضرات کے باطل عقیدے کی توضیح کے لیے کافی ہیں۔ قوری ریت میں بہت سے خلاف شرع امور رائج ہیں، جن میں سے قبر پرستی کے ساتھ ساتھ مزارات و مقابر کا پختہ ہونا اور ان پر قبے، گنبد اور عمارات کی تعمیر وغیرہ جب کہ نبی ﷺ نے انبیاء (ﷺ) اور اولیاء (ﷺ) کی قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی ہے، جیسا کہ ورہ احادیث سے واضح ہے۔ اس کے علاوہ بھی رسول مکرم ﷺ کی احادیث صحیحہ اس بات دال ہیں کہ پختہ قبریں بنانا حرام ہیں۔ چند ایک احادیث صحیحہ صریحہ ملاحظہ ہوں، سیدنا برہنہ بیان کرتے ہیں:

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقَعَّدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ»

[مسلم، الجنائز، باب النهي عن تحصيص القبر و البناء عليه ۹۷۰، أبوداؤد، الجنائز، باب في البناء على القبر : ۳۲۲۵- ترمذی، الجنائز، باب ما جاء في

مقالات ربانیہ

کراہیۃ تحصیص القبور: ۱۰۵۲]

”رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔“

اسی صحیح حدیث کے دو شواہد اور بھی ہیں:

① «عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُنْبَى عَلَى الْقُبُورِ، أَوْ يُقْعَدَ عَلَيْهَا، أَوْ يُصَلَّى عَلَيْهَا»

۱ مسند أبي يعلى: (۱۰۲۰/۲/۲۹۷)، ابن ماجه، الجناز، باب ماجاء في النهي عن البناء على القبور و تحصيصها و الكتابة عليها: (۱۵۶۴)، مجمع الروائد: (۶۱/۳)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قبروں پر عمارت بنانے، ان پر بیٹھنے اور نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔“

② «عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُنْبَى عَلَى الْقَبْرِ أَوْ يُحْصَصَ»

[مسند أحمد، ۶/۲۹۹، ح: ۲۶۶۱۲]

”ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر عمارت بنانے یا اسے پختہ کرنے سے منع کیا ہے۔“

امام نووی رحمہ اللہ حدیث جابر کے تحت فرماتے ہیں:

”وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ كَرَاهَةُ تَحْصِصِ الْقَبْرِ وَالْبِنَاءِ عَلَيْهِ وَتَحْرِيمُ الْقُعُودِ“

[شرح النووي (۳۲/۷)]

”اس حدیث میں قبر کو پختہ کرنے، اس پر عمارت بنانے کی کراہت ہے اور ان پر بیٹھنے کی حرمت ہے۔“

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

« عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ قَالَ: قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَيَّ مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدْعَ تِمَثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ »

[مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر : ۹۶۹۔ نسائی، الجنائز، باب تسوية القبور إذا رفعت : ۲۰۳۰۔ ابوداؤد، الجنائز، باب في تسوية القبر : ۳۲۱۸۔ ترمذی، الجنائز، باب ماجاء في تسوية القبور : ۱۰۴۹]

ابو الہیاج اسدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں اس کام پر مامور نہ کروں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا اور وہ یہ ہے کہ تم تصویر و مجسمہ نہ چھوڑو مگر اسے مٹا دو اور جو قبر زیادہ اونچی ہو اسے (عام قبروں کے) برابر کر دو۔“

شبہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بلاد کفار کی طرف روانہ کیا تھا نہ کہ مسلمانوں کے شہروں کی طرف، اس لیے یہاں مراد مشرکین کی قبریں ہیں نہ کہ مسلمانوں کی۔

ازالہ:

یہ اعتراض لاعلمی پر مبنی ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں دیار مشرکین کی طرف بھیجا تھا جب کہ مسند احمد اور مسند طحاوی میں حدیث ہے کہ:

« بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَأَمَرَهُ أَنْ يُسَوِّيَ الْقُبُورَ »

[مسند أحمد : ۱۱۱/۱، ح : ۸۹۲ واللفظ له۔ مسند طحاوی : ۹۶/۱۶]

”نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی طرف بھیجا اور انھیں قبروں کے برابر کرنے کا حکم دیا۔“

اس حدیث سے اس اشکال کا ابطال ہو جاتا ہے اور تصریح ہوتی ہے کہ مدینہ طیبہ میں

مقالات رہنمائی

اونچی قبروں کے برابر کرنے کا حکم نبی ﷺ نے دیا تھا۔ نیز مسند عبدالرزاق (۶۴۸۷) میں قبور المسلمین کی تصریح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابو الہیاج اسدی علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے سربراہ تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں انھیں اس بات پر مامور کر دیا تھا جب کہ مکہ، مدینہ اور دیگر شہروں میں مکمل مسلمانوں کی سلطنت تھی، نیز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایام خلافت میں اس پر مکمل عمل کیا۔ عبد اللہ بن شرحبیل بن حسنہ فرماتے ہیں:

”رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَةِ الْقُبُورِ فَقِيلَ لَهُ هَذَا قَبْرُ أُمِّ عَمْرٍو بِنْتِ عُثْمَانَ فَأَمَرَ بِهِ فَسَوَّى“

[تاریخ أبو زرعة رازی : (۲/۶۶، ۱۲۱)، بحوالہ تخذیر الساجد ص ۸۸-
ابن أبي شبيبہ، الجنائز، باب في تسوية القبر و ما جاء فيه: (۱۱۷۹۵ : ۲۸/۳)]
”میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا تو انھیں کہا گیا یہ ام عمرو بنت عثمان، یعنی آپ کی بیٹی کی قبر ہے تو انھوں نے اس کو بھی برابر کرنے کا حکم دیا تو اسے بھی برابر کر دیا گیا۔“

ان ہر دو احادیث سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو بلاد اسلامیہ، یعنی مدینہ کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں پر قبروں کی برابری والے حکم پر عمل کیا، اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی جب قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا تھا تو وہ مسلمانوں کا ہی قبرستان تھا، جس میں ان کی بیٹی ام عمرو بنت عثمان کی قبر بھی تھی جسے برابر کر دیا گیا تھا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کی قبر کو برابر کر کے سبق دے دیا کہ قبر مسلمان کی ہو یا مشرک کی، انھیں حدود شرعیہ سے بلند نہیں ہونا چاہیے۔ اس مسئلے کی توضیح درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مشہور تابعی ثمامہ بن شفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كُنَّا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ بِأَرْضِ الرُّومِ بِرُودَسَ فُتُوْفِي صَاحِبِ لَنَا فَأَمَرَ فَضَالَةَ بْنُ عُبَيْدٍ بِقَبْرِهِ فَسَوَّى ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا“

[مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر: ۹۶۸۔ بیہقی: (۳۰۲/۴)۔ النسائی، الجنائز، باب تسوية القبور إذا رفعت: ۲۰۲۹۔ أبوداؤد، الجنائز، باب في تسوية القبر: ۳۲۱۹]

”ہم فضالہ بن عبید اللہؓ کے ساتھ روم کی سرزمین میں روڈس مقام پر تھے کہ ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا۔ فضالہ بن عبید اللہؓ نے ان کی قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا تو اسے برابر کر دیا گیا۔ پھر انھوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے آپ قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیتے تھے۔“

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قبروں کی برابری کا حکم مشرکین کی قبور کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی قبور کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔

ورنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور فوج کے کمانڈر ایک مسلمان مجاہد کی قبر کے برابر کرنے کا حکم نہ کرتے اور نہ ہی اس پر رسول اللہ ﷺ کی ”تسوية القبور“ والی حدیث بطور دلیل پیش کرتے جو انھوں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اور ان کی فوج میں سے کسی ایک مسلمان نے بھی یہ نہیں کہا: ”اے فضالہ بن عبید! آپ کیا حکم دے رہے ہیں؟ قبروں کی برابری کا حکم تو مشرکین کے متعلق ہے۔ آپ مسلمانوں سے بھی یہی سلوک کر رہے ہیں؟“

قصہ مختصر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا تکلیف اس بات کو تسلیم کیا اور ثابت کر دیا کہ قبروں کی برابری کا حکم مشرکین کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ لہذا یہ اعتراض درست نہیں، نیز امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”رَأَيْتُ الْأَئِمَّةَ بِمَكَّةَ يَأْمُرُونَ بِهَذَا مَا يُبْنَى وَيُؤَيَّدُ الْهَدْمَ قَوْلُهُ: «وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتُهُ»“

[شرح مسلم للنووي: (۳۲/۷)]

مقالہ شریعتیہ

”میں نے مکہ میں ائمہ کرام کو قبروں پر عمارات کے گرانے کا حکم دیتے دیکھا ہے اور اس کی تائید نبی ﷺ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ”تو ہر اونچی قبر کو برابر کر دے۔“

معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اس دور کے مکہ مکرمہ کے ائمہ اسلام کا بھی یہی موقف و مذہب تھا۔

شبہ:

یہ حدیث سند کے لحاظ سے درست نہیں، اس کی سند میں وکیع مجروح ہیں۔ سفیان ثوری مدلس ہیں۔ اسی طرح حبیب بن ابی ثابت بھی مدلس ہیں اور وائل ناہی ہیں۔

[آئینہ وہابیت ص: (۳۶، ۳۷) استاذ جعفر سبحانی]

ازالہ: اولاً اس کی سند ملاحظہ ہو:

یہ حدیث کی مختصر تخریج ہے وگرنہ کتب احادیث میں اس کے اور طرق بھی تتبع سے جمع کیے جاسکتے ہیں۔

”آئینہ وہابیت“ کے شیعہ مؤلف کے اعتراضات پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، کیونکہ وکیع بن جراح ثقہ محدث ہیں، انھیں مجروح قرار دینا آسمان پر تھوکنے کے مترادف ہے اور حدیث کے بیان کرنے میں وکیع منفرد بھی نہیں بلکہ یحییٰ القطان، محمد بن کثیر، عبد الرحمن بن مہدی اور غلام بن یحییٰ جیسے کبار محدثین ان کے متابع موجود ہیں۔ اسی طرح سفیان ثوری جیسے ثقہ محدث کی تدلیس کا اعتراض بھی فضول ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں ان کی تصریح بالسماع موجود ہے اور ان کے علاوہ دیگر اسانید سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور ابو وائل شقیق بن سلمہ اسدی پر اعتراض بھی بے جا ہے، وہ بھی ثقہ محدث اور ائمہ اہل سنت میں سے ہیں اور اس حدیث میں ان کے بھی متابع موجود ہیں۔ اسی طرح حبیب بن ابی ثابت کی تدلیس بھی مضر نہیں، کیونکہ حبیب بن ابی ثابت کی سند کے علاوہ اس کی اور اسانید بھی موجود ہیں اور صحیح مسلم میں اس روایت کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی صحت پر امت مسلمہ کا

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

اتفاق ہے اور اسے تلقی بالقبول حاصل ہے اور کسی بھی ثقہ محدث نے اس حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا، غرض یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور ”آئینہ دہا بیت“ کے مؤلف کے اعتراضات فضول اور لاعلمی پر مبنی ہیں۔ سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَوْصَى أَبُو مُوسَى حِينَ حَضَرَهُ الْمَوْتُ فَقَالَ: إِذَا انْطَلَقْتُمْ بِجَنَازَتِي فَاسْرِعُوا الْمَشْيَ وَلَا يُتَبَعْنِي مُحِمَّرٌ وَلَا تَجْعَلُوا فِي لَحْدِي شَيْئًا يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ التُّرَابِ وَلَا تَجْعَلُوا عَلَيَّ قَبْرِي بِنَاءً، وَأَشْهَدُكُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ خَالِقَةٍ أَوْ سَالِقَةٍ أَوْ خَارِقَةٍ، قَالُوا: أَوْ سَمِعْتَ فِيهِ شَيْئًا؟ قَالَ: نَعَمْ! مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

[مسند أحمد: ۴/۳۹۷، ح: ۱۹۵۶۶]

”ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت وصیت کی کہ جب تم میرا جنازہ لے کر چلے لگو تو جلدی چلنا اور نہ ہی میرے ساتھ کوئی انگلیٹھی ہو اور نہ میری لحد میں کوئی چیز رکھنا جو میرے اور مٹی کے درمیان حائل ہو اور نہ ہی میری قبر پر کوئی عمارت بنانا اور میں تمہیں گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ میں سرمنڈانے والی، چیخ و پکار کرنے والی یا کپڑے پھاڑنے والی سے بری ہوں۔ لوگوں نے پوچھا، کیا آپ نے ان باتوں کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو انھوں نے کہا، ہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔“

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قبر پر عمارت تعمیر کرنا منع ہے۔ لہذا جملہ قبرستانوں میں جو پختہ قبریں بنائی گئی ہیں یا مختلف آستانوں اور گدیوں پر جو صوفیاء کے مزارات پر عالی شان عمارات، قبے اور گنبد بنائے گئے ہیں، یہ سب ناجائز و حرام ہیں، یاد رہے کہ سیدنا علی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما سے جو احادیث تسویۃ القبور کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں ان سے مراد یہ نہیں ہے کہ قبروں کو بالکل مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ انھیں عام قبروں کے برابر حد شرعی تک برابر کیا جائے، یعنی ایک بالشت تک اونچا

رہنے دیں جس سے معلوم ہو کہ یہ قبر ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر زمین سے ایک بالشت اونچی تھی۔

[بیہقی، باب لا یزاد فی القبر علی اکثر من ترابہ لئلا یرتفع جدًّا: ۳/۴۱۰]

امام بیہقی کی تبویب سے بھی یہ بات عیاں ہے کہ قبر کی مٹی سے زائد اس پر نہ ڈال

جائے تاکہ زیادہ بلند نہ ہو جائے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِنَّ السُّنَّةَ أَنَّ الْقَبْرَ لَا يُرْفَعُ عَلَى الْأَرْضِ رَفْعًا كَثِيرًا“

[شرح مسلم للنووي: (۳۱/۷)]

”سنت یہ ہے کہ قبر زمین سے زیادہ اونچی نہ ہو بلکہ ایک بالشت کے برابر

اونچی ہو۔“

لہذا تسویۃ القبر کا یہی مفہوم صحیح ہے کہ جو قبریں حد شرعی سے زائد اور اونچی بنائی گئی ہیں

انہیں عام قبروں کے برابر کر دیا جائے۔

۱۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا فتویٰ

”وَيُرْفَعُ الْقَبْرُ مِنَ الْأَرْضِ قَدَرِ شِبْرٍ وَيُرْسُ عَلَيْهِ الْمَاءُ وَيُوضَعُ عَلَيْهِ

الْحَصَا وَإِنْ طُيِّنَ جَازَ وَإِنْ جُصِّصَ كُرْهٌ“

[غنية الطالبين مترجم: ۶۴۰ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور]

”قبر زمین سے ایک بالشت اونچی کی جائے اور اس پر پانی چھڑکا جائے اور اس پر

سگریزہ رکھ دیں اور اگر لپ کر دیں تو جائز ہے مگر پختہ گج سے بنانا مکروہ ہے۔“

۲۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے شاگرد امام محمد فرماتے ہیں:

”وَلَا نَرَىٰ أَنْ يُزَادَ عَلَىٰ مَا خَرَجَ مِنْهُ وَنَكْرَهُ أَنْ يُجَصِّصَ أَوْ يُطَيَّنَ

أَوْ يُجْعَلَ عِنْدَهُ مَسْجِدًا أَوْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ وَيَكْرَهُ الْآجُرُّ أَنْ يُنَىٰ بِهِ أَوْ

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

يُدْخَلُ الْقَبْرَ وَلَا نَرَى بِرِشِّ الْمَاءِ عَلَيْهِ بَأْسًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ

[کتاب الآثار لمحمد بن حسن الشیبانی مترجم : (۱۲۶) باب تسنیم القبور و تجصیصها]

”اور نہیں دیکھتے ہم یہ کہ زیادہ کیا جائے اس چیز پر جو کہ اس سے نکلے، یعنی جو مٹی قبر سے نکلی اس کے سوا اور مٹی نہ اس میں ڈالی جائے اور ہم یہ مکروہ سمجھتے ہیں کہ (قبر) گچ کی جائے یا مٹی سے لپی جائے یا اس کے پاس مسجد بنائی جائے یا نشان بنایا جائے یا اس پر لکھا جائے اور مکروہ ہے پکی اینٹ کہ اس سے قبر بنائی جائے یا قبر میں داخل کی جائے اور ہمارے نزدیک قبر پر پانی چھڑکنے میں کچھ گناہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔“

۳۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا فتویٰ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۶ھ) سے ایک روایت میں ہے:

”عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُجْعَلَ عَلَى الْقَبْرِ عَلَامَةٌ وَأَنْ يُضَعَ عَلَى اللَّحْدِ آجُرٌ وَأَنْ يُحْصَصَ الْقَبْرُ“

”ابراہیم نخعی رحمہ اللہ قبر پر علامت رکھنا اور لحد میں پکی اینٹ لگانا اور قبر کو پختہ کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔“

۴۔ امام محمد رحمہ اللہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ

امام محمد رحمہ اللہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۹ھ) سے ایک روایت میں ہے:

”قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْخٌ لَنَا يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَرْبِيعِ الْقُبُورِ وَتَحْصِصِهَا قَالَ

مقالہ شریعتیہ

مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ أَبِي حَنِيفَةَ“

[کتاب الآثار لمحمد بن حسن الشیبانی : (۲۵۱/ص ۱۲۶) مترجم۔ نیز دیکھیں
امام محمد کی کتاب الاصل : (۱/۴۲۲) اور الجامع الصغیر ص (۱۱۸)]

”محمد ﷺ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے ایک استاذ نے نبی ﷺ تک روایت پہنچاتے ہوئے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے قبروں کو چوکور کرنے اور ان کو پختہ کرنے سے منع کیا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔“

یہ بھی یاد رہے کہ متقدمین علماء کے نزدیک مکروہ کا لفظ حرام پر بولا جاتا ہے۔ مفتی محمد خاں قادری بریلوی رقم طراز ہیں:

”ائمہ متقدمین حرام پر کراہت کا اطلاق کرتے ہیں، مثلاً احناف کے ہاں بچوں کے لیے ریشمی لباس اور سونے کا استعمال حرام ہے، مالکیہ کے نزدیک شطرنج کھیلنا حرام ہے، حنابلہ کے ہاں ملک یمین کی وجہ سے دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے، شوافع کے ہاں زانی کا زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ نکاح حرام ہے، مگر ان تمام پر کراہت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔“

[معارف الأحکام، ص: ۲۴۷]

نیز ص ۲۴۸ پر لکھتے ہیں کہ شیخ ابن بدران حنبلی امام مالک اور امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ان دونوں بزرگوں نے مکروہ کا اطلاق اس حرام پر بھی کیا ہے جس کی بنیاد دلیل ظنی ہو اور یہ ان کا تقویٰ اور احتیاط ہے۔“
علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

”الْمَكْرُوهُ فِي هَذَا الْبَابِ نَوْعَانِ أَحَدُهُمَا مَا يُكْرَهُ تَحْرِيمًا وَهُوَ الْمَحْمُولُ عِنْدَ إِطْلَاقِهِمْ“

[الرد المحتار : (۱/۴۲۹) مطلب فی الکراہۃ التحریمیۃ و التنزیہیۃ، نیز

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

دیکھیں: البحر الرائق: (۱۹/۲)، فتح القدیر شرح ہدایہ: (۱۱۴/۲) [”اس باب میں مکروہ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس میں کراہت تحریمی مراد ہے اور یہ اس پر محمول ہے کہ اس کا اطلاق ہی حرمت پر ہو رہا ہے۔“]

تقریح حاشیہ تلوح ص ۲۷ میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ دونوں سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ مکروہ سے کراہت تحریمی مراد ہے۔

لہذا امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے ہاں بالخصوص پختہ قبریں بنانا، ان پر گنبد قائم کرنا، قبروں کے پاس مسجد بنانا اور ان پر کتبے لگانا حرام ہے۔ اس لیے وہ حضرات جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، انھیں ائمہ کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں قبریں سنت کے مطابق ایک بالشت کے برابر بنانی چاہئیں۔

۵۔ علامہ محمود آلوسی حنفی کا فتویٰ

علامہ محمود آلوسی حنفی المتوفی (۱۲۷۰ھ) ایک جگہ پر لکھتے ہیں:

”ثُمَّ إِجْمَاعًا فَإِنَّ أَكْثَرَ الْمُحَرَّمَاتِ وَأَسْبَابِ الشِّرْكِ الصَّلَاةُ عِنْدَهَا وَاتِّخَاذُهَا مَسَاجِدَ أَوْ بِنَاءَ هَا عَلَيْهِ وَتَجِبُ الْمُبَادَرَةُ إِلَى هَدْمِهَا وَهَدْمُ الْقُبَابِ الَّتِي عَلَى الْقُبُورِ إِذْ هِيَ أَضَرُّ مِنْ مَسْجِدِ الضَّرَارِ لِأَنَّهَا أُسِّسَتْ عَلَى مَعْصِيَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجِبُ إِزَالَةُ كُلِّ قِنْدِيلٍ أَوْ سِرَاجٍ عَلَى قَبْرِ وَلَا يَجُوزُ وَقْفُهُ وَنَذْرُهُ“

[روح المعاني: (۲۳۸/۱۵) مکتبہ امدادیہ، ملتان]

”اس بات پر اجماع ہے کہ سب سے بڑی حرمت اور شرک کے اسباب کی چیزوں میں سے مزاروں کے پاس نماز پڑھنا اور ان پر مسجدیں یا عمارتیں بنانا ہے۔ ایسی اشیاء اور جو قبروں پر قبے بنائے گئے ہیں انھیں گرانا واجب ہے، کیونکہ یہ مسجد

ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں، اس لیے کہ ان کی بنیادیں نبی ﷺ کی مخالفت پر رکھی گئی ہیں اور قبروں پر ہر قدیل اور چراغ کو گل کرنا بھی واجب ہے اور اس کا وقف کرنا اور نذر ماننا قطعاً جائز نہیں۔“

بعض لوگ اصحاب کھف کے واقعہ سے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کا استدلال کرتے ہیں کہ جب وہ لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگے تو انھوں نے کہا، ان کے غار پر کوئی عمارت تعمیر کر دو، ان کا رب انھیں خوب جانتا ہے۔ جو اس مسئلہ میں غالب آگئے تو انھوں نے کہا، ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔ ان حضرات کا اتنا کہنا ہے کہ قرآن پاک نے ان کے اس مقولے کو ذکر کر کے رد نہیں کیا، لہذا قبروں پر مسجدیں بنانا جائز ہے۔ اس بات کی تردید کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَاسْتَدِلَّ بِالْآيَةِ عَلَى جَوَازِ الْبِنَاءِ عَلَى قُبُورِ الصُّلَحَاءِ وَاتِّخَاذِ مَسْجِدٍ عَلَيْهَا وَجَوَازِ الصَّلَاةِ فِي ذَلِكَ..... وَهُوَ قَوْلُ بَاطِلٍ فَاسِدٌ كَاسِدٌ فَقَدْ رَوَى أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَعَنَ اللَّهُ تَعَالَى زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّحِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالشُّرُجَ»

[روح المعاني: (۲۳۷/۱۵)]

”اس آیت کریمہ سے صالحین کی قبروں پر عمارت تعمیر کرنے اور ان پر مسجدیں بنانے اور ان میں نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ یہ قول باطل، فاسد اور کاسد ہے، اس لیے کہ امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔“

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

اس کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی کئی ایک احادیث ذکر کی ہیں، قرآن حکیم میں جن لوگوں کی بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے ان پر مسجدیں بنانے کے لیے کہا، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس طرف ہے کہ وہ مشرکین تھے۔

[ابن کثیر : (۸۷/۳)]

اگر وہ مسلمان بھی ہوں تو نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں، اس لیے کہ ہماری شریعت میں علماء کی قبروں پر مساجد تعمیر کرنا حرام اور لعنت کا موجب ہے۔

۲۔ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ کا فتویٰ

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ (المتوفی ۵۹۳ھ) فرماتے ہیں:

”وَيُكْرَهُ الْأَجْرُ وَالْخَشْبُ لِأَنَّهُمَا لِأَحْكَامِ الْبِنَاءِ وَالْقَبْرِ مَوْضِعُ الْبَلَى

[هداية مع فتح القدیر (۱۰۰/۲)]

”پختہ اینٹوں اور لکڑی کا استعمال قبر پر مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ اشیاء عمارت کی پائیداری اور پختگی کے لیے ہیں اور قبر تو بوسیدہ اور ویران مقام ہے۔“

۷۔ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ حنفی کا فتویٰ

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۲۱ھ) فرماتے ہیں:

”وَكُرِهَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْبِنَاءُ عَلَى الْقَبْرِ وَإِنْ لَمْ يُعْلَمْ بِعَلَامَةٍ وَكَرِهَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ كِتَابًا لِمَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: « لَا تَحْصِصُوا الْقَبْرَ وَلَا تُبْنُوا عَلَيْهِ وَلَا تَقْعُدُوا عَلَيْهِ وَلَا تَكْتُبُوا عَلَيْهِ »“

[فتح القدیر : (۱۰۰/۲) شرح الہدایہ]

”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبر پر عمارت تعمیر کرنا مکروہ سمجھا ہے، اگرچہ اس کی کوئی علامت معلوم نہ ہو اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کسی قسم کی کتابت کو بھی

مقالہ رمانیہ

مکروہ سمجھا ہے۔ اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہ قبر کو پختہ کرو اور نہ اس پر عمارت بناؤ اور نہ اس پر بیٹھو اور نہ اس پر کتبہ لگاؤ۔“

اسی طرح علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ (۱۰۱۲) میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قبروں کو برابر کرنے والی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

”فَهُوَ عَلَى مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ مِنْ تَعْلِيَةِ الْقُبُورِ بِالْبِنَاءِ الْحَسَنِ الْعَالِيِ“
 ”لوگ قبروں کو بلند و بالا اور خوبصورت عمارتوں کے ساتھ اونچا کرتے تھے اور اس سے قدر شرعی مراد نہیں ہے، یعنی قبر کو حد شرعی تک رکھیں باقی گرا دیں۔“

۸۔ علامہ عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفی رحمہ اللہ (التوفی ۷۱۰ھ) کا قول ہے:

”وَلَا يُرْبَعُ وَلَا يُحْصَصُ“

[کنز الدقائق مع البحر الرائق : (۱۹۴/۲)]

”قبر کو نہ مربع شکل بنایا جائے اور نہ پختہ کیا جائے۔“

۹۔ علامہ ابن نجیم حنفی المعروف ابو حنیفہ ثانی کا فتویٰ

علامہ ابن نجیم حنفی المعروف ابو حنیفہ ثانی رحمہ اللہ (التوفی ۷۹۰ھ) صاحب کنز کے قول کی شرح میں فرماتے ہیں:

”لِحَدِيثِ جَابِرٍ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحْصَصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقَعَّدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ“

”پختہ قبریں بنانا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے منع ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے، اس پر عمارت تعمیر کرنے اور اس پر کتبہ لگانے

سے منع کیا ہے۔“

۱۰۔ علامہ قاضی خاں الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ قاضی خاں الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۶ھ) کہتے ہیں:

”وَلَا يُحَصَّصُ الْقَبْرُ لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ التَّحْصِصِ وَالتَّفْضِيزِ وَعَنِ الْبِنَاءِ فَوْقَ الْقَبْرِ..... لِمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ قَالَ لَا يُحَصَّصُ الْقَبْرُ وَلَا يُطَيَّنُ وَلَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ“

[فتاویٰ قاضی خان: (۱/۹۳)]

”قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اس لیے کہ نبی ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر چاندی سے جڑاؤ کرنے اور قبر کے اوپر عمارت بنانے سے منع کیا ہے..... اور اس لیے بھی کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قبر کو نہ پختہ کیا جائے اور نہ لپ دیا جائے اور نہ ہی اس پر کوئی عمارت بنائی جائے۔“

۱۱۔ فتاویٰ عالمگیری

”وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ قَدَرِ الشَّيْبِ وَلَا يُرْبَعُ وَلَا يُحَصَّصُ وَلَا بَأْسَ بِرَشِّ الْمَاءِ عَلَيْهِ وَيُكْرَهُ أَنْ يُبْنَى عَلَى الْقَبْرِ أَوْ يُقْعَدَ أَوْ يُنَامَ عَلَيْهِ“

[فتاویٰ عالمگیری: (۱/۱۶۶)]

”قبر کو اونٹ کی کوہان کی طرح بنایا جائے اور وہ بھی ایک بالشت کی مقدار اور نہ اسے مربع شکل بنایا جائے اور نہ پختہ کیا جائے اور اس پر پانی چھڑکنے میں کوئی حرج نہیں اور قبر پر عمارت بنانا، اس پر بیٹھنا یا سونا مکروہ ہے۔“

۱۲۔ علامہ علاء الدین الحکفی الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ علاء الدین الحکفی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) کا قول ہے:

”وَلَا يُحَصَّصُ لِلنَّهْيِ عَنْهُ“

[الرد المحتار: (۱/۱۲۵)]

”قبر کو پختہ نہ کیا جائے، اس لیے کہ اس سے منع کیا گیا ہے۔“

۱۳۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) کہتے ہیں:

”وَأَمَّا الْبِنَاءُ عَلَيْهِ فَلَمْ أَرُ مِنْ اخْتَارَ جَوَازَهُ“

[الرد المحتار: (۱/۶۰۱)]

”مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے قبر پر عمارت بنانے کے جواز کو پسند کیا ہو۔“

۱۴۔ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵ھ) کا کہنا ہے:

”لَا يُطَيَّنُ بِالْحَصِّ وَلَا يُنَى عَلَيْهِ بِهِ لِأَنَّهُ لِلْأَحْكَامِ وَالزَّيْنَةِ۔“

[رمز الحقائق: (۱/۶۷)، شرح کنز۔ نیز ملاحظہ ہو، فی شرح الہدایۃ للعینی:

[۳/۳۰۲، ۳۰۳]

”چونے کے ساتھ لپ نہ کیا جائے اور نہ اس کے ساتھ قبر پر عمارت بنائی جائے،

اس لیے کہ یہ پختگی اور زینت کے لیے ہیں۔“

۱۵۔ علامہ علاء الدین الکاسانی الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ علاء الدین الکاسانی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۸۷ھ) نقل کرتے ہیں:

”رُوي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُشَبَّهَ الْقُبُورُ بِالْعُمُرَانِ“

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

وَالْآجُرُّ وَالْحَشَبُ لِلْعُمَرَانِ وَ لِأَنَّ الْآجُرَّ مِمَّا يُسْتَعْمَلُ لِلزَّيْنَةِ وَلَا حَاجَةَ إِلَيْهَا لِلْمَيِّتِ“

[بدائع الصنائع : (۱/۳۷۲)]

”نبی ﷺ نے قبروں کی آبادی کے ساتھ مشابہت سے منع کیا ہے اور پختہ اینٹیں اور لکڑی آبادی کے لیے ہیں اور اس لیے بھی کہ پکی اینٹ زینت کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور میت کو اس کی ضرورت نہیں۔“

۱۲۔ قاضی ابراہیم الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

قاضی ابراہیم الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۵۲ھ) کا موقف ہے:

”وَيُكْرَهُ تَحْصِصُ الْقَبْرِ وَ تَطْيِينُهُ وَبِهِ قَالَتِ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ لِمَا رَوَى جَابِرٌ..... وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ بِنَاءٌ مِنْ بَيْتٍ أَوْ قُبَّةٍ أَوْ نُحُورِ ذَلِكَ لِمَا مَرَّ مِنَ الْحَدِيثِ“ [حلي كبير : (۵۹۹)]

”قبر کو پختہ بنانا اور اس کی لپائی کرنا مکروہ ہے اور تینوں اماموں کا یہی قول ہے، اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے..... اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ قبر پر مکان یا قبہ یا اس کی مانند کوئی عمارت بنانا مکروہ ہے اور مذکورہ حدیث جابر اس کی دلیل ہے۔“

۱۳۔ علامہ سراج الدین حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ سراج الدین حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۳ھ) کا فتویٰ ہے:

”يُكْرَهُ الْبِنَاءُ عَلَى الْقُبُورِ“ [فتاویٰ سراجیہ : (۲۴)]

”قبروں پر عمارت تعمیر کرنا مکروہ ہے۔“

۱۸۔ علامہ ابواللیث شمر قندی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ ابواللیث شمر قندی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۷۳ھ) کہتے ہیں:

”وَيُكْرَهُ تَجْصُّصُ الْقُبُورِ وَتَطْيِينُهَا وَالْبِنَاءُ عَلَيْهَا وَالْكِتَابَةُ وَالْإِعْلَامُ

بِعَلَامَةٍ عَلَيْهَا“ [فتاویٰ النوازل: ۸۲]

”قبروں کو پختہ کرنا اور ان کی لپائی کرنا اور ان پر عمارت بنانا، کتبہ لگانا اور کوئی علامت لگانا مکروہ ہے۔“

۱۹۔ علامہ احمد بن محمد القدوری الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ احمد بن محمد القدوری الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۲۸ھ) کا کہنا ہے:

”وَيُكْرَهُ الْأَجْرُ وَالْحَشْبُ“ [قدوری: (۶۰)]

”قبر پر پختہ اینٹ اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔“

۲۰۔ علامہ ابوبکر بن علی الحداد البیہقی الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ ابوبکر بن علی الحداد البیہقی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۰ھ) فرماتے ہیں:

”وَيُكْرَهُ تَطْيِينُ الْقُبُورِ وَتَجْصِصُهَا وَالْبِنَاءُ عَلَيْهَا وَالْكِتَابَةُ عَلَيْهَا

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تُجْصِّصُوا الْقُبُورَ وَلَا تُبْنَوْا عَلَيْهَا وَلَا تَقْعُدُوا

عَلَيْهَا“ [الجوهرۃ النيرة: (۱۳۳/۱)]

”قبروں کی لپائی کرنا، انھیں پختہ بنانا، ان پر عمارت تعمیر کرنا اور کتبہ لگانا نبی ﷺ

کے فرمان کی بنا پر مکروہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”قبروں کو پختہ نہ کرو اور نہ ان

پر عمارت تعمیر کرو اور نہ ان پر بیٹھو۔“

۲۱۔ علامہ عبید اللہ بن مسعود الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ عبید اللہ بن مسعود الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷ھ) کہتے ہیں:
 ”وَيُكْرَهُ الْأَجْرُ وَالْخَشَبُ“ [شرح وقایہ (۱/۲۴۰)]
 ”قبر پر پختہ اینٹ اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔“

۲۲۔ علامہ طحاوی الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ طحاوی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۱ھ) کا قول ہے:
 ”وَلَا يُحْصَصُ بِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ لِقَوْلِ جَابِرٍ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَهْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفِيدُ أَنَّ مَا
 ذَكَرَهُ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا“ [طحاوی علی مراقی الفلاح: ۳۳۵]
 ”قبر پختہ نہ کی جائے یہی بات تینوں اماموں نے کہی، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث
 کی وجہ سے اور قبر پختہ بنانا مکروہ تحریمی ہے۔“

۲۳۔ علامہ وسید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

انھوں نے اپنی کتاب ”عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي
 حنيفة“ (۱/۱۵۳) میں ایک باب یوں منعقد کیا ہے:
 ”بَيَانُ الْخَبَرِ الدَّالِّ عَلَى كَرَاهَةِ التَّجْصِصِ“
 یعنی ایسی حدیث کا بیان جو قبر کی پختگی اور کراہت پر دلالت کرتی ہے۔ پھر امام
 ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کتاب الآثار والی روایت اور جامع ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان
 اور حاکم کے حوالے سے حدیث جابر ذکر کر کے یہ مسئلہ ثابت کر دیا کہ پختہ قبر بنانا منع ہے۔

۲۴۔ علامہ سرحدی حنفی کا فتویٰ

علامہ سرحدی حنفی (المتوفی ۱۵۷۱ھ) کہتے ہیں:

”نَهَى عَنْ تَحْصِصِ الْقُبُورِ“ [المبسوط: ۶۲/۲]

”یعنی نبی ﷺ نے پختہ قبروں سے منع کیا ہے۔“

۲۵۔ قاضی ابراہیم حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

”الْقَبَابُ الَّتِي بُنِيَتْ عَلَى الْقُبُورِ يَحِبُّ هَدْمُهَا لِأَنَّهَا أُسِّسَتْ عَلَى مَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَمُخَالَفَتِهِ وَكُلُّ بِنَاءٍ أُسِّسَ عَلَى مَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَمُخَالَفَتِهِ فَهُوَ بِالْهَدْمِ أَوْلَى مِنَ الْمَسْجِدِ الضَّرَارِ“

[مجالس الأبرار: (۱۲۹)]

”ایسے قبے جو قبروں پر بنائے جاتے ہیں ان کو گرانا واجب ہے، کیونکہ ان کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت پر ہے اور ہر وہ عمارت جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی پر ہو اسے گرانا مسجد ضرار سے بھی بہتر ہے۔“

۲۶۔ علامہ علاء الدین السمرقندی الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ علاء الدین السمرقندی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۳۹ھ) کا قول ہے:

”وَالسُّنَّةُ فِي الْقَبْرِ أَنْ يُسْتَمَّ وَلَا يُرْبَعَ وَلَا يُطَيَّنَ وَلَا يُحْصَصَ وَكَرِهَ أَبُو حَنِيفَةَ الْبِنَاءَ عَلَى الْقَبْرِ“ [تحفة الفقهاء: (۴۰۰/۱)]

”قبر کے متعلق سنت یہ ہے کہ اسے کوہان نما بنایا جائے اور مربع شکل نہ بنائی جائے اور نہ لپٹی جائے اور نہ پختہ کی جائے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قبر پر عمارت تعمیر کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔“

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

۲۷۔ علامہ حسن الشرنبلالی الحنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ حسن الشرنبلالی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) کا کہنا ہے:

”وَكُرْهُ الْأَجْرُ وَالْحَشَبُ..... وَ يُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا يُرْبَعُ وَيَحْرُمُ الْبِنَاءُ عَلَيْهِ لِلزَّيْنَةِ وَيُكْرَهُ لِلْإِحْكَامِ بَعْدَ الدَّفْنِ“

[نور الإيضاح معه ترجمة نور الإيضاح : ۱۵۳]

”اور قبر پر پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے..... اور قبر کو کوہان دار بنایا جائے، چوکور نہ بنائی جائے اور زینت کے لیے قبر پر تعمیر کرنا حرام ہے اور دفن کر دینے کے بعد مضبوطی کے لیے قبر پر تعمیر کرنا مکروہ ہے۔“

۲۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) ایک جگہ پر لکھتے ہیں:

”آنچه بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع بنائی کنند و چراغاں روشن می کنند و ازیں قبیل ہر چہ می کنند حرام است یا مکروہ۔“ [ما لا بد منه : (۶۷)]

”وہ جو کچھ اولیائے کرام کی قبروں پر کیا جاتا ہے کہ اونچی اونچی عمارتیں بناتے ہیں اور چراغ روشن کرتے ہیں اور اس قسم کی جو چیز بھی کرتے ہیں حرام ہے یا مکروہ۔“

۲۹۔ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱۳ھ) جامع ترمذی کی حدیث: «وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةً

ضَلَالَةً» کی شرح میں فرماتے ہیں:

”وَهِيَ مَا أَنْكَرَهُ أَئِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ كَالْبِنَاءِ عَلَى الْقُبُورِ وَ تَحْصِصُهَا“

[مرقاة شرح مشکوٰۃ : (۱/ ۴۱۴)]

”بدعت ضلالت وہ ہے جس کا ائمہ مسلمین نے انکار کیا ہو، جیسے قبروں پر عمارت

بنانا اور انھیں پختہ کرنا۔“

۳۰۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فتویٰ

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَلَمْ أَرِ قُبُورَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ مُحَصَّصَةً (قَالَ الرَّائِي) عَنْ طَاءٍ وَسِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُبْنَى الْقُبُورُ أَوْ تُحَصَّصَ..... وَقَدْ رَأَيْتُ مِنَ الْوَلَاةِ مَنْ يَهْدِمُ بِمَكَّةَ مَا يُبْنَى فِيهَا فَلَمْ أَرِ الْفُقَهَاءَ يَعْيُبُونَ ذَلِكَ“

[کتاب الأم : (۱/۲۷۷)، باب ما يكون بعد الدفن]

”میں نے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبروں کو پختہ تعمیر شدہ نہیں دیکھا، طاؤس نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر عمارت کی تعمیر یا پختہ کرنے سے منع کیا ہے اور میں نے ان حکمرانوں کو دیکھا ہے جو مکہ میں قبروں پر عمارت کو گراتے تھے اور میں نے اس کام پر فقہاء کو عیب لگاتے نہیں دیکھا۔“

۳۱۔ امام مزنی رحمہ اللہ کا فتویٰ

امام مزنی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۴ھ) نے نقل کیا ہے کہ:

”وَلَا تُبْنَى الْقُبُورُ وَلَا تُحَصَّصُ“ [مختصر المزني : ۳۷]

”قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور نہ پختہ کی جائے۔“

۳۲۔ امام نووی رحمہ اللہ کا فتویٰ

امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۷ھ) حدیث جابر کی شرح میں فرماتے ہیں:

» وَأَمَّا الْبِنَاءُ عَلَيْهِ فَإِنْ كَانَ فِي ذَلِكَ الْبَنَاءِ فَمَكْرُوهٌ وَإِنْ كَانَ فِي مَقْبَرَةٍ مُسَبَّلَةٍ فَحَرَامٌ نَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَالْأَصْحَابُ قَالَ الشَّافِعِيُّ

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

فِي الْأَمِّ : وَرَأَيْتُ الْأَئِمَّةَ بِمَكَّةَ يَأْمُرُونَ بِهِدْمَ مَا يُبْنَى وَ يُؤَيِّدُ الْهَدْمَ قَوْلُهُ: «وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ»

[شرح مسلم للنووي : (۳۲/۷)، درسی نسخہ : ۳۱۲/۱]

”بہر حال قبر پر عمارت بنانا اگر (وہ جگہ) عمارت بنانے والے کی ملکیت میں ہے تو مکروہ ہے اور اگر عام مقبرہ میں ہے تو حرام ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر اصحاب نے اس کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ”کتاب الام“ میں فرمایا ہے: ”میں نے مکہ میں ائمہ دین کو دیکھا کہ وہ قبروں پر عمارتوں کو گرانے کا حکم دیتے تھے اور قبروں پر تعمیر شدہ عمارت کو گرانے کی تائید نبی ﷺ کی اس حدیث یعنی ”کوئی قبر اونچی نہ دیکھو مگر اسے برابر کر دو۔“ سے بھی ہوتی ہے۔“

۳۳۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۹۷ھ) فرماتے ہیں:

”تَجِبُ الْمُبَادَرَةُ إِلَى هَدْمِهَا وَهَدْمِ الْقُبَابِ الَّتِي عَلَيْهَا۔“

[کتاب الزواجر فی اقتراب الکبائر : ۱۶۳]

”اونچی قبروں کو اور جو ان پر قبے اور گنبد بنائے گئے ہیں ان کو گرا دینا واجب ہے۔“

۳۴۔ علامہ عبد الوہاب الشعرانی رحمہ اللہ کا فتویٰ

”وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى أَنْ يُحْصَصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ“ [كشف الغمة عن جميع الأمة : ۱۴۹/۱]

”نبی ﷺ قبر پختہ بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع کیا کرتے تھے۔“

۳۵۔ علامہ محمد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ کا فتویٰ

علامہ محمد الدین فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں:

”وَكَانُوا لَا يَرْفَعُونَ الْقَبْرَ وَلَا يُنُونُ عَلَيْهِ بِأَجْرٍ..... وَكَانُوا لَا يُعْلُونَ عَلَى الْقَبْرِ عِمَارَةً وَلَا قُبَّةً وَهَذَا كُلُّهُ بِدْعَةٌ وَمَكْرُوهٌ وَمُخَالِفٌ لِلطَّرِيقَةِ النَّبَوِيَّةِ وَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَنْ لَا يَدْعَ تَمْثَالًا إِلَّا طَمَسَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّاهُ وَنَهَى أَنْ يُتَّخَذَ عَلَى الْقَبْرِ مَسْجِدٌ أَوْ يُشْعَلَ عَلَيْهِ سِرَاجٌ وَلَعَنَ فَاعِلَ ذَلِكَ“

[سفر السعادة على هامش كشف الغمة : (۱/۱۸۳)]

”سلف صالحین رحمہم اللہ قبر کو بلند نہیں کرتے تھے اور نہ اس پر پکی اینٹ سے عمارت بناتے تھے..... اور نہ ہی وہ قبر پر عمارت اور قبة بناتے تھے، یہ سارا عمل بدعت اور مکروہ ہے اور نبی ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ نے تو علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ وہ کوئی مجسمہ نہ چھوڑیں مگر اسے مٹا دیں اور اونچی قبروں کو (حد شرع کے) برابر کر دیں اور آپ ﷺ نے قبر پر مسجد بنانے سے بھی منع کیا ہے، اس پر چراغ جلانے سے روکا ہے اور ایسا کام کرنے والے پر لعنت کی ہے۔“

۳۶۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا فتویٰ

قبر کے اوپر گھر، مسجد یا کھیتی باڑی کے ذریعے تصرف کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ میت بوسیدہ ہو جائے اور ان کا موقف تھا کہ جب مکہ میں شدت حرارت کے باعث دس (۱۰) سال گزر جائیں تو آپ حسب حال وہاں پر گھر، مسجد یا کھیتی باڑی یا جو مناسب ہو کر سکتے ہیں اور بالائی بلاد (شہروں) میں بیس (۲۰) سال تک۔“

[موسوعه فقه سفیان الثوري (۶۸۱، ۶۸۲)۔ عبدالرزاق : (۳/۵۰۶)]

اسلام میں پختہ قبر کا حکم

۳۷۔ امام طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا فتویٰ

”عَنْ طَاءُوسٍ عَنْ أَبِيهِ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُنْبَى عَلَى الْقَبْرِ أَوْ يُحَصَّصَ“

[عبد الرزاق: ۵۰۶/۳، ح: ۶۴۹۳]

”امام طاؤس کے والد کیسان قبر پر عمارت تعمیر کرنے یا اسے پختہ بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔“

۳۸۔ امام طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

امام طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۶ھ) فرماتے ہیں:

”نعمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ جند میں میرے چچا فوت ہو گئے تو میں اپنے والد کے ساتھ طاؤس کے پاس آیا، میرے والد نے کہا، اے ابو عبد الرحمن! کیا میں اپنے بھائی کی قبر کو پختہ کر سکتا ہوں؟ تو امام طاؤس ہنس پڑے اور کہا، سبحان اللہ! اے ابو شیبہ! تیرے لیے بہتر ہے کہ تو اس کی قبر کی معرفت نہ رکھے مگر یہ کہ تو وہاں جا کر اس کے لیے استغفار و دعا کرے، اور فرمایا:

”أَمَّا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ قُبُورِ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يُنْبَى عَلَيْهَا أَوْ تُحَصَّصَ أَوْ تُزْرَعَ فَإِنَّ خَيْرَ قُبُورِكُمْ الَّتِي لَا تُعْرَفُ“ [عبد الرزاق: ۵۰۶/۳، ح: ۶۴۹۵]

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی قبروں پر عمارت بنانے یا انہیں پختہ کرنے یا وہاں پر کاشت کاری کرنے سے منع کیا ہے، یقیناً تمہاری سب سے بہترین وہ قبریں ہیں جو غیر معروف ہیں۔“

۳۹۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

”وَكَانَ يَكْرَهُ تَطْيِينَ الْقُبُورِ وَتَحْصِصَهَا“

[موسوعة فقه الحسن البصري: ۷۷۳/۲، ابن أبي شيبة: ۲۹/۳، المحلى:

”حسن بصری رحمہ اللہ قبروں پر لیپائی اور انھیں پختہ بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔“

۴۰، ۴۱۔ علامہ الحجاوی الحسنبی اور علامہ البھوتی الحسنبی رحمہما کا فتویٰ

”وَيُرْفَعُ الْقَبْرُ عَنِ الْأَرْضِ قَدْرَ شِبْرٍ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَفَعَ قَبْرَهُ عَنِ الْأَرْضِ قَدْرَ شِبْرٍ رَوَاهُ السَّاجِي مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ وَيُكْرَهُ فَوْقَ شِبْرٍ..... وَيُكْرَهُ تَحْصِصُهُ وَتَرْوِيْقُهُ وَتَحْلِيَّتُهُ وَهُوَ بَدْعَةٌ وَالْبِنَاءُ عَلَيْهِ لَاصِقَةٌ أَوْ لَا لِقَوْلِ جَابِرٍ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحْصَصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُنَى عَلَيْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ“

[الروض المربع بشرح زاد المستقنع: ۱/۱۰۴، ۱۰۵]

”قبر کو زمین سے ایک بالشت اونچا کیا جائے، اس لیے کہ نبی ﷺ کی قبر زمین سے ایک بالشت اونچی تھی، اسے امام ساجی نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے اور ایک بالشت سے اوپر قبر بنانا مکروہ ہے..... قبر کو پختہ کرنا، نقش و نگار کرنا اور بناؤ سنگھار کرنا مکروہ اور بدعت ہے اور قبر پر عمارت بنانا بھی خواہ اس سے متصل ہو یا نہ ہو، مکروہ ہے، اس لیے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے قبر پختہ بنانے، اس پر بیٹھنے اور عمارت تعمیر کرنے سے منع کیا ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔“

۴۲۔ علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۲۰ھ) کا فتویٰ

”وَيُكْرَهُ الْبِنَاءُ عَلَى الْقَبْرِ وَتَحْصِصُهُ وَالْكِتَابَةُ عَلَيْهِ لِمَا رَوَى مُسْلِمٌ فِي ”صَحِيحِهِ“ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحْصَصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُنَى عَلَيْهِ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ. زَادَ التِّرْمِذِيُّ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَلِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ زِينَةِ

الدُّنْيَا فَلَا حَاجَةَ بِالْمَيِّتِ إِلَيْهِ“ [المغني: (٤٣٩/٣)]

”قبر پر عمارت تعمیر کرنا اور اسے پختہ بنانا اور اس پر کتبہ لگانا مکروہ ہے، اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پختہ کرنے، اس پر عمارت کھڑی کرنے اور بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے کتبہ لگانے سے بھی منع کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ ممانعت اس لیے ہے کہ قبر کو پختہ کرنا اور عمارت بنانا وغیرہ دنیا کی زینت سے ہے اور میت کو اس کی حاجت نہیں۔“

۴۳۔ علامہ علاء الدین المرادوی رحمہ اللہ کا فتویٰ

”وَيُكْرَهُ تَحْصِيصُهُ وَالْبِنَاءُ وَالْكِتَابَةُ عَلَيْهِ أَمَّا تَحْصِيصُهُ فَمَكْرُوهٌ بِلَا خِلَافٍ نَعْلَمُهُ وَكَذَا الْكِتَابَةُ عَلَيْهِ وَكَذَا تَذْوِيقُهُ وَتَخْلِيقُهُ وَنَحْوُهُ وَهُوَ بَدْعَةٌ وَأَمَّا الْبِنَاءُ عَلَيْهِ فَمَكْرُوهٌ عَلَى الصَّحِيحِ مِنَ الْمَذْهَبِ، سِوَاءَ لَأَصِيقُ الْبِنَاءِ الْأَرْضَ أَمْ لَا“

[الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد ابن حنبل :

(٥٤٩/٢)]

”قبر کو پختہ کرنا، اس پر عمارت بنانا اور کتبہ لگانا مکروہ ہے، قبر کو پختہ کرنا بلا اختلاف مکروہ ہے۔ اسی طرح اس پر کتبہ لگانا، نقش و نگار کرنا اور بناؤ سنگھار وغیرہ کرنا یہ سب کام بدعت ہیں۔ بہر کیف قبر پر عمارت تعمیر کرنا صحیح مذہب کی رو سے مکروہ ہے، خواہ عمارت زمین سے متصل ہو یا نہ ہو۔“

۴۴۔ قاضی ابوشجاع الاصفہانی رحمہ اللہ کا فتویٰ

”وَلَا يُبْنَى عَلَيْهِ وَلَا يُحَصَّنُ“ [متن الغاية والتقريب: ١٤]

”قبر پر نہ عمارت تعمیر کی جائے اور نہ پکی بنائی جائے۔“

۳۵۔ علامہ ابن رشد القرطبی رحمہ اللہ کا فتویٰ

”وَكَرِهَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ تَحْصِصَ الْقُبُورِ“

[بداية المجتهد : ۱/ ۴۴۹]

”امام مالک اور امام شافعی رحمہما نے پختہ قبروں کو مکروہ قرار دیا ہے۔“

۳۶۔ علامہ ابوالمظفر ابن ہبیرہ رحمہ اللہ کا فتویٰ

”وَأَجْمَعُوا عَلَى اسْتِحْبَابِ اللَّبَنِ وَالْقَصَبِ فِي الْقَبْرِ وَكَرَاهَةِ الْأَجْرِ وَالْحَشَبِ“

[الافصاح عن معاني الصحاح في الفقه على المذاهب الأربعة : ۱/ ۱۵۲]

”ائمہ اربعہ کا قبر میں کچی اینٹ لگانے اور پوروں اور گرہوں والی گھاس رکھنے کے مستحب ہونے پر اور پکی اینٹ اور لکڑی کے مکروہ ہونے پر اجماع ہے۔“

۳۷۔ امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ

”أَكْرَهُ تَحْصِصَ الْقُبُورِ وَالْبِنَاءَ عَلَيْهَا“

[المدونة الكبرى : ۱/ ۱۷۰]

”میں قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر عمارت تعمیر کرنے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔“

۳۸۔ ابوالحسن موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کا فتویٰ

علی بن جعفر نے کہا کہ میں نے امام موسیٰ کاظم سے سوال کیا کہ قبر پر عمارت بنانا اور اس پر بیٹھنا کیسا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

”لَا يَصْلُحُ الْبِنَاءُ عَلَيْهِ وَلَا الْجُلُوسُ وَلَا تَحْصِصُهُ وَلَا تَطْيِينُهُ۔“

[الاستبصار، باب النهي عن تحصيل القبر و تطيينه : ۱/ ۲۱۷]، تہذیب

[الأحكام : ۱/ ۴۶۱]

”قبر پر عمارت تعمیر کرنا، اس پر بیٹھنا، اسے پختہ بنانا اور لپائی کرنا درست نہیں۔“

۴۹۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

”عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى قَبْرِ أَوْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ أَوْ يُبْنَى عَلَيْهِ“

[تہذیب الأحکام: ۱/۴۶۱، الاستبصار: ۱/۴۸۲]

”امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نماز پڑھنے یا اس پر بیٹھنے یا اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع کیا ہے۔“

قبر پر نماز پڑھنے سے مراد اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہے نہ کہ نماز جنازہ، کیونکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر جنازہ پڑھ سکے تو تدفین کے بعد اس پر جنازہ پڑھ لے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لَا تُبْنُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَوِّرُوا سُقُوفَ الْبُيُوتِ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ ذَلِكَ“ [تہذیب الأحکام: ۱/۴۶۱]

”قبروں پر عمارت تعمیر نہ کرو اور نہ ہی گھروں کی چھتوں کو مصوری سے مزین کرو، یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند کیا ہے۔“

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُزَادَ عَلَى الْقَبْرِ تُرَابٌ لَمْ يَخْرُجْ مِنْهُ“

[تہذیب الأحکام: ۱/۴۶۰، ۴۶۱۔ فروع کافی، کتاب الجنائز: ۳/۲۰۲]

”بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر ایسی مٹی زیادہ کرنے سے منع کیا ہے جو اس سے نہ نکلی ہو۔“

۵۰۔ علامہ محمد بن جمال الدین العالمی المعروف بالشہید الاول کا فتویٰ

علامہ محمد بن جمال الدین العالمی المعروف بالشہید الاول (المتوفی ۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

”وَرَفَعُ الْقَبْرِ عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ مِقْدَارَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ“
 ”قبر کو زمین سے چار انگلیوں کی مقدار بلند ہونا چاہیے۔“

۵۱۔ علامہ ابو جعفر طوسی (المتوفی ۳۲۰ھ) کا فتویٰ

”وَيُرْفَعُ مِنَ الْأَرْضِ مِقْدَارَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ وَلَا يُطْرَحُ فِيهِ مِنْ غَيْرِ تَرَابِهِ..... تَحْصِيصُ الْقُبُورِ وَالْبِنَاءُ عَلَيْهِ فِي الْمَوَاضِعِ الْمُبَاحَةِ مَكْرُوهٌ إِجْمَاعًا..... وَيُكْرَهُ تَجْدِيدُ الْقُبُورِ بَعْدَ إِندِرَاسِهَا“

[المبسوط في فقه الإمامية : ۱۸۷/۱]

”قبر کو چار انگلیوں کی مقدار زمین سے بلند کیا جائے اور قبر کی مٹی کے علاوہ اس میں مٹی نہ ڈالی جائے، قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر مباح جگہوں میں عمارت تعمیر کرنا بالاجماع مکروہ ہے..... قبروں کے مٹ جانے کے بعد ان کی تجدید کرنا بھی مکروہ ہے۔“

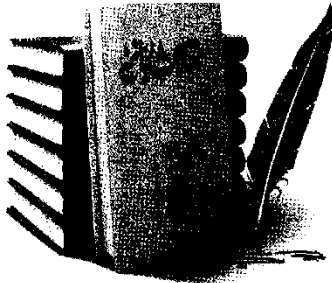
مندرجہ بالا احادیث صحیحہ و آثار صریحہ اور ائمہ محدثین مذاہب خمسہ علیہم السلام یعنی حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی اور جعفری کے فتاویٰ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام میں قبر پرستی اور پختہ قبروں اور ان پر عمارات و گنبد بنانے کا کوئی جواز نہیں اور پوری امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ کچی قبریں و گنبد بنانا حرام ہے اور جو پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں مسلمانوں پر فرض ہے کہ انھیں عام قبروں کے برابر کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو قرآن و سنت کے احکامات پر عمل کی صحیح توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین!)



عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا [المائدة: ٣]



« إِيَّاكُمْ وَ مُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلِّ

بِدْعَةٍ ضَالَّةٌ » [أبوداؤد، السنة، باب في لزوم السنة: ٤٦٠٧]

” نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچو، بے شک ہر نیا ایجاد کردہ کام بدعت ہے اور
ہر بدعت گمراہی ہے۔“

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو ہدایت کا سلسلہ اپنے پاس رکھا ہے جسے وہ وحی کی صورت میں اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام پر نازل فرماتا ہے۔ اسے ہی دین کہا جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ارض پر مبعوث کیا تو ارشاد فرمایا:

﴿قُلْنَا اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا ۚ وَلَمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْ هِيَ هُدًى فَنُوعِ هَدًى فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [البقرة: ۳۸]

”ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ، پھر اگر کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں۔“
اسی بات کو سورہ طہ میں یوں بیان فرمایا:

﴿قَالَ اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْ هِيَ هُدًى فَنُوعِ هَدًى فَلَا يَصْنُ وَلَا يَشْفَى﴾ [طہ: ۱۲۳]

”فرمایا تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بھکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا۔“

مذکورہ آیات بینات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو اللہ کی ہدایت اور اس کے دین کی پیروی کرے گا وہی کامیاب و کامران ہے۔ اللہ کی ہدایت اور اس کے دین سے ہٹ کر راستہ اختیار کرنے والے گمراہ اور بے دین ہیں۔ یہودیت و نصرانیت نے جب اپنے دین کو بدل ڈالا اور اپنے محرف شدہ دین اور راستے کی

طرف دعوت دینے اور اسے ہی کامیابی و کامرانی کی راہ تصور کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس بات کا ذکر کیا کہ اصل دین وہ ہے جس کی دعوت محمد ﷺ دے رہے ہیں، کیونکہ یہ دعوت وحی الہی پر مبنی ہے اور وہ اصل ہدایت یہی ہے۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۚ قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنْ أَتَبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن قُوَّةٍ وَلَا نَصِيرٍ﴾ [البقرة: ۱۲۰]

”اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے بعد پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔“
ایک دوسرے مقام پر یہود و نصاریٰ کی کارستانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَاجْهَ النَّهَارِ وَاسْكُفُوا أَيْدِيَكُمْ عَنْ عُقْدَتِمْ يَرْجِعُونَ ۚ وَلَا تَوْمِنُوا إِلَّا لِمَن تَبِعَ وَبَيْنَكُمْ قُلْ إِنْ الْهُدَىٰ هَدَىٰ اللَّهُ لَا أَن يُوَفَّىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُجَاجِلْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ قُلْ إِنْ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

[آل عمران: ۷۲، ۷۳]

”اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔ آپ کہہ دیجیے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے گا جیسا تم دیے گئے

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

ہو، یا یہ کہ تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے اسے دے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے مکر و فریب کا ذکر کیا کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ تم دن چڑھے اسلام کو تسلیم کرو اور پچھلے پہر کفر کر ڈالو تا کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں وہ تذبذب کا شکار ہو کر مرتد ہو جائیں اور دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور انھیں ساتھ یہ تاکید کرتے کہ دیکھو صرف ظاہراً مسلمان ہونا حقیقتاً اور واقعاً مسلمان نہ ہونا بلکہ یہود ہی رہنا اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین اور جیسی وحی و شریعت اور علم و فضل تمہیں دیا گیا ہے ویسا کسی اور کو بھی دیا جاسکتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ﴾ ”بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔“ یعنی دین صرف وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آئے۔ انسانوں کا بنایا ہوا اور نیا ایجاد کردہ طریقہ دین نہیں ہو سکتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ سابقہ انبیاء علیہم السلام پر اپنی ہدایت وحی کی صورت میں نازل کرتا رہا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ پر دین حق نازل فرما کر اس کی تکمیل کر دی اور اسے ہی دین اسلام قرار دیا، اور اس کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعْثًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾

[آل عمران: ۱۹]

”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے اللہ تعالیٰ اس کا جلد حساب لینے والا ہے۔“

اس آیت میں بتلادیا کہ اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تبلیغ ہر نبی اپنے اپنے دور میں کرتے رہے اور اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس میں عقائد و اعمال کا مکمل نمونہ موجود ہے، جن کی تفصیل قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ میں موجود ہے۔ اب اس دین کے سوا کوئی اور دین عند اللہ مقبول نہیں ہوگا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [آل عمران: ۸۵]

”جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔“
اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳]

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا۔“
اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خبر دے دی ہے کہ دین اسلام کی تکمیل محمد کریم ﷺ کی ذات گرامی پر ہو چکی ہے اور دین وحی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے اور اسے ہی پسند فرمایا۔ اب اس میں کسی قسم کے رد و بدل کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ دین کے کچھ ایسے مسائل باقی ہیں جو پورے نہیں ہوئے تو اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ العیاذ باللہ محمد ﷺ نے دین میں خیانت کی ہے اور اس کو آگے پورا بیان نہیں کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی معروف ترین کتاب الاعتصام (۳۹/۱) میں لکھا ہے کہ:

”قَالَ ابْنُ الْمَاجْشُونِ: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ مَنِ ابْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

بِدْعَةٍ يُرَاهَا فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ “
”ابن ماجہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا
کہ جس نے دین میں بدعت نکالی اور اسے حسنہ سمجھا تو اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ
محمد ﷺ نے رسالت میں خیانت کی ہے۔“

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:
« إِذَا حَدَّثْتُكُمْ حَدِيثًا فَلَا تَزِيدَنَّ عَلَيْهِ »

[مسند أحمد، ۱۱/۵، ح: ۱۹۶۱۸]

”جب میں تمہیں کوئی بات بیان کروں تو تم اس پر اضافہ ہرگز نہ کرنا۔“
اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ دین اسلام میں کسی آدمی کو اضافہ و زیادتی کرنے کی ہرگز
اجازت نہیں۔ نبی ﷺ نے جس طرح تعلیم دی اس کو من و عن اسی طرح تسلیم کرنے کا نام
اسلام ہے۔ اس بات کی تائید نبی کریم ﷺ کے ایک اور فرمان سے بھی ہوتی ہے۔
سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تو
اپنے بستر پر آنے لگے تو نماز کے وضو کی طرح وضو کر لے، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جا،
پھر کہہ:

« اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَالْحَاجَاتُ
ظَهَرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَ رَهْبَةً اِلَيْكَ وَلَا مَنَاجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ
اَمِنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اُنْزِلْتَ وَ نَبِيِّكَ الَّذِيْ اُرْسَلْتُ »

”اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیرے سپرد کیا اور اپنا معاملہ تیرے حوالے کیا اور
تجھے اپنا پشت پناہ بنایا۔ تیری طرف رغبت رکھتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے تیرے
سوا کوئی پناہ گاہ اور نجات کی جگہ نہیں۔ اے اللہ! میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا
جو تو نے نازل کی اور تیرے اس نبی پر ایمان لایا جسے تو نے بھیجا۔“

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو اس رات فوت ہو گیا تو فطرت اسلام پر ہوگا اور ان کلمات کو اپنے آخری کلمے بنا۔“

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ میں نے ان کلمات کو رسول اللہ ﷺ پر دہرایا۔ جب میں ان کلمات پر پہنچا «اللَّهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ» تو میں نے آگے پڑھا ”وَرَسُولُكَ“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! «وَنَبِيِّكَ الَّذِي أُرْسِلْتُ» کہو۔ [بخاری، الوضوء، باب فضل من بات على الوضوء: ۲۴۷]

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جس طرح آپ ﷺ نے تعلیم دی کہ ہمیں اس میں کمی بیشی کرنے کی اجازت نہیں۔ صحابی کو آپ ﷺ نے دعا سکھائی اور جب وہ دعا صحابی نے رسول اللہ ﷺ کو سنائی تو ”وَنَبِيِّكَ“ کی جگہ ”وَرَسُولُكَ“ پڑھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ”وَنَبِيِّكَ“ ہی کہو۔ حالانکہ آپ ﷺ اللہ کے نبی بھی ہیں اور رسول بھی، لیکن آپ ﷺ نے جو دعا بتلائی تھی صحابی کو اسی طرح یاد کرنے کی تعلیم دی۔ صحابی کو بھی کمی بیشی کی اجازت نہیں تو موجودہ زمانے کے بدعتی مولویوں اور صوفیاء کو کس طرح دین اسلام میں بدعات داخل کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

«عَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا عَطَسَ عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَأَنَا أَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَلَكِنْ لَيْسَ هَكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَطَسَ أَحَدُنَا أَنْ يَقُولَ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ»

[مستدرک حاکم، کتاب الأدب ۴/۲۶۶-۲۶۷، ح: ۷۶۹۱-ترمذی، الأدب، باب ما يقول العطس إذا عطس: ۲۷۳۸-اسے امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔]

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

”نافع بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی نے چھینک ماری تو کہا: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ“ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، میں بھی کہتا ہوں ”الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ“ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس طرح نہیں سکھایا۔ جب ہم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ“ کہے۔“

اس حدیث کا بھی مقتضی یہ ہے کہ چھینک کا جواب جیسے رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے اسی طرح دیا جائے نہ کہ اپنی طرف سے اضافہ کر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر سلام بھی کہہ دیا جائے۔ صحابی کی توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر سلام اور اللہ کے لیے حمد بیان کرنی چاہیے، لیکن طریقہ رسول اللہ ﷺ کا اختیار کرنا چاہیے، اپنی طرف سے اضافہ کر کے دین میں مسائل داخل نہیں کرنے چاہئیں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب دین کی تکمیل رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر کر دی ہے تو آپ ﷺ نے دین کے تمام پہلو واضح کر دیے ہیں، کوئی رخنہ ایسا نہیں چھوڑا جو دین ہو اور آپ ﷺ نے اسے بیان نہ کیا ہو۔ ہمارا یقین کامل ہے کہ آپ ﷺ صاحب وحی، صادق و مصدوق اور اللہ کی بات کے امین ہیں۔ رشد و ہدایت جو اللہ نے آپ پر نازل کی، آپ نے اسے فریضہ رسالت سمجھ کر آگے پہنچایا اور ہدایت کے مقابل احداث و بدعات کی مذمت فرمائی۔

موجودہ زمانے میں اہل بدعت نے دین کے نام پر بے شمار بدعات ایجاد کر لی ہیں اور نصوص شریعہ کو غلط معانی پہن کر اپنی ایجاد کردہ باتوں کو پھیلانے میں استعمال کر رہے ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں ان کی بدعات میں سے عید میلاد کی بدعت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی تاریخ کا ذکر کرنے سے پہلے بدعت کا لغوی و شرعی مفہوم اور اس کی تردید میں مروی چند احادیث کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ مقصود سمجھنے میں آسانی ہو۔

بدعت کی لغوی تعریف

① علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رقم طراز ہیں:

”بِدْعَةٌ بِالْكُسْرِ الْحَدُثُ فِي الدِّينِ بَعْدَ الْإِكْمَالِ أَوْ مَا اسْتُحْدِثَ
بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَهْوَاءِ وَالْأَعْمَالِ“

[القاموس المحيط : ۳/۳]

”بدعت ”باء“ کے کسرہ کے ساتھ ایسی چیز جو تکمیل دین کے بعد نکالی جائے یا وہ
چیز جو رسول اللہ ﷺ کے بعد خواہشات و اعمال کی صورت میں پیدا کی جائے۔“
② علامہ محمد بن ابی بکر الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”الْبِدْعَةُ، الْحَدُثُ فِي الدِّينِ بَعْدَ الْإِكْمَالِ“ [مختار الصحاح، ص : ۴۴]
”بدعت، تکمیل دین کے بعد کسی چیز کو دین میں نیا ایجاد کرنا ہے۔“

③ شیخ فخر الدین الطریحی ناقل ہیں :

”الْحَدُثُ فِي الدِّينِ وَمَا لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ فِي كِتَابٍ وَسُنَّةٍ وَإِنَّمَا
سُمِّيَتْ بِدْعَةٍ لِأَنَّ قَائِلَهَا ابْتَدَعَهَا هُوَ نَفْسُهُ“

[مجمع البحرين : ۴/۲۹۸، ۲۹۹]

”بدعت دین میں کسی نئی چیز کی ایجاد کا نام ہے اور جس کی کتاب و سنت میں
اصل نہ ہو، اور اس کو بدعت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے قائل نے اسے
بذات خود گھڑا ہے۔“

④ علامہ تھدلیق حسین رضوی نے لکھا ہے :

”نئی بات اور نئی رسم دین میں نکالنا جو نبی ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی۔“ [لغات کشوری ص : ۶۲]

⑤ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”هِيَ كُلُّ شَيْءٍ عَمِلَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ۔“

[شرح مسلم للنووي : ۱/۲۸۵]

”یعنی ہر وہ چیز جو کسی سابقہ نمونہ کے بغیر کی جائے۔“

⑥ امام ابواسحاق الشاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

”وَ أَصْلُ مَادَّةُ ”بِدْع“ لِإِلْخْتِرَاعِ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ وَمِنْهُ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿بِدْعِی السَّلَوتِ وَالْأَمْرِضِ﴾ [البقرہ: ۱۱۷] ”أَيُّ مُخْتَرَعَهَا مِنْ غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ مُتَقَدِّمٍ وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا قَبْلَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف: ۹] ”أَيُّ مَا كُنْتُ أَوَّلَ مَنْ جَاءَ بِالرِّسَالَةِ مِنَ اللَّهِ إِلَى الْعِبَادِ بَلْ تَقَدَّمَ نَبِيُّ كَثِيرٍ مِنَ الرُّسُلِ وَيُقَالُ ابْتَدَعَ فُلَانٌ بِدْعَةً أَيْ ابْتَدَأَ طَرِيقَةً لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهَا سَابِقٌ۔“

[الاعتصام الباب الاول: ۳۶/۱]

”اصل مادہ اس کا ”بِدْع“ ہے جس کا مفہوم کسی سابقہ نمونے کے بغیر کسی چیز کا ایجاد کرنا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بِدْعِی السَّلَوتِ وَالْأَمْرِضِ﴾ یعنی آسمانوں اور زمین کو کسی سابقہ نمونے کے بغیر بنانے والا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا قَبْلَ الرُّسُلِ﴾ [احقاف: ۹] یعنی میں اللہ کی طرف سے رسالت لے کر آنے والا پہلا آدمی نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آچکے ہیں۔ اسی طرح جب کہا جاتا ہے ”ابْتَدَعَ فُلَانٌ بِدْعَةً“ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایسا طریقہ شروع کیا ہے جس کی طرف پہلے کسی نے سبقت نہیں کی۔“

ان ائمہ لغات کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کو ایجاد کرنا جس کی مثال یا نمونہ پہلے موجود نہ ہو۔

بدعت کے اصطلاحی معنی

امام ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

﴿بِدْعِی السَّلَوتِ وَالْأَمْرِضِ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اللہ نمونے کے بغیر پیدا کرنے والا ہے اور یہی لغوی تقاضا ہے، اس لیے کہ لغت میں ہر نئی چیز کو بدعت کہا جاتا ہے۔

مقالہ رباتیہ

”وَالْبِدْعَةُ عَلَى قِسْمَيْنِ: تَارَةٌ تَكُونُ بِدْعَةً شَرْعِيَّةً كَقَوْلِهِ: فَإِنْ كُلُّ مُحَدِّثٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ تَارَةٌ تَكُونُ بِدْعَةً لُغَوِيَّةً: كَقَوْلِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ جَمْعِهِ إِيَّاهُمْ عَلَى صَلَاةِ التَّرَاوُيْحِ وَاسْتِمْرَارِهِمْ، نِعِمَّتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ“

[تفسیر ابن کثیر : ۱/ ۱۷۲]

”اور بدعت کی دو قسمیں ہیں: ① بدعت شرعی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“ ② بدعت لغوی، جیسے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع ہو کر تروایح پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔“

امام عبدالرحمن بن شہاب المعروف ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالْمُرَادُ بِالْبِدْعَةِ: مَا أُحْدِثَ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرِيعَةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ فَاَمَّا مَا كَانَ لَهُ أَصْلٌ مِنَ الشَّرْعِ يَدُلُّ عَلَيْهِ فَلَيْسَ بِبِدْعَةٍ شَرْعًا وَإِنْ كَانَ بِدْعَةً لُغَةً“ [جامع العلوم والحکم : ۲/ ۱۲۷]

”بدعت سے مراد وہ نوا ایجاد چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے۔ بہر کیف جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو جو اس پر دلالت کرے وہ شرعی بدعت نہیں، اگرچہ وہ لغت کے اعتبار سے بدعت ہو۔“

امام ابواسحاق شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”طَرِيقَةٌ فِي الدِّينِ مُحْتَرَجَةٌ تَضَاهِي الشَّرْعِيَّةَ يَقْصُدُ بِالسُّلُوكِ عَلَيْهَا الْمُبَالَغَةَ فِي التَّعَبُّدِ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ“ [الاعتصام : ۱/ ۳۷]

”دین کے اندر ایسا نوا ایجاد طریقہ جو شریعت اسلامیہ کے مشابہ ہو اور اس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ کرنا مقصود ہو۔“

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

دکتور علی بن محمد ناصر استاد بقسم الدراسات العليا مدینہ منورہ فرماتے ہیں:

”وَهَذَا التَّعْرِيفُ يَشْمُلُ كُلَّ مَا أُحْدِثَ فِي الدِّينِ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرِيعَةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ“ [البدعة ضوابطها واثرها السيء في الأمة، ص: ۱۳]

”یہ تعریف ہر اس چیز کو شامل ہے جو دین میں نئی ایجاد کی گئی، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے۔ اور جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو جو اس پر دلالت کرے اور وہ شرعی بدعت نہیں، اگرچہ اسے بدعت (لغوی) کا نام دیا جاتا ہو۔

تقریباً یہی تعریف شیخ سلیم بن عید الہلالی شاگرد العصر علامہ البانی نے اپنی کتاب ”البدعة“ ص (۶) میں درج کی ہے۔ مولوی عبد الغنی خاں حنفی اپنی کتاب ”الجنة لأهل السنة“ ص (۱۶۱) میں ”البحر الرائق“ اور ”در مختار“ فقہ حنفی کی کتب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

”الْبِدْعَةُ مَا أُحْدِثَ عَلَى خِلَافِ الْحَقِّ الْمُتَلَقَّى مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِلْمٍ أَوْ عَمَلٍ أَوْ حَالٍ بِنَوْعٍ شُبْهَةٍ أَوْ اسْتِحْسَانٍ وَجَعَلَ دِينًا قَوِيًّا وَصِرَاطًا مُسْتَقِيمًا“

”بدعت وہ چیز ہے جو ایسے حق کے خلاف ایجاد کی گئی ہو جو رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا گیا ہو۔ علم، عمل یا حال اور کسی شبہ کی بنیاد پر اسے اچھا سمجھ کر دین قویم اور صراط مستقیم بنالیا گیا ہو۔“

ان ائمہ اور حنفی اکابر کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ ہر وہ نیا کام جسے ثواب و عبادت سمجھ کر دین میں داخل کر لیا گیا ہو، وہ بدعت ہے اور شریعت اسلامیہ کی رو سے مردود ہے۔



اہل بدعت کے متعلق ارشاداتِ نبویہ ﷺ

① ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»

”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔“

[بخاری، الصلح، باب إذا اصطَلَحُوا عَلَى صَلَاحٍ جَوْرٍ فَالْصَلَحُ مُرَدُّودٌ : ۲۶۹۷۔
مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور : ۱۷۱۸،
مسند أحمد : ۷۳/۶، ۲۴۰ ح : ۲۷۰، أبو داود، السنة، باب في لزوم السنة :
۴۶۰۶۔ ابن ماجہ : ۱۴، ابن حبان : ۲۶، ۲۷]

صحیح مسلم میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں وہ مردود ہے۔“

اور امام بغوی رحمہ اللہ نے اسے یوں روایت کیا ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»

[شرح السنة، باب رد البدع والأهواء : ۱/۲۱۱، ح : ۱۰۳]

یعنی اس حدیث میں ”أَمْرُنَا“ کی تفسیر ”دِينِنَا“ سے ہے۔ ”أَمْرٌ“ سے مراد دین ہے۔

جس نے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی وہ مردود ہے۔ اس تفسیر کی رو سے دنیاوی ایجادات

بدعت شرعی کی تعریف سے خارج ہو گئیں اور اہل بدعت کے شبہات کا ازالہ ہو گیا جو کہتے

ہیں کہ گھڑی پہننا، لاوڈ سپیکر اور گاڑیاں وغیرہ بھی تو بدعت ہیں۔ حدیث مذکورہ بالا سے معلوم

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

ہوا کہ بدعت مردودہ وہ ہے جو دین میں نئی ایجاد کی گئی ہو اور اسے عبادت سمجھ کر تقرب الہی مراد ہو۔

اور یہی الفاظ امام ابن رجب حنفی رحمہ اللہ نے جامع العلوم والحکم (۱۷۶/۱۵) کے تحت ذکر کیے ہیں۔

① امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

«لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ آوَى مُحَدِّثًا»

[مسلم، الأضاحی، باب تحریم الذبیح لغير الله : ۱۹۷۸۔ مسند أحمد : ۱۱۸/۱۔ شرح السنة : ۲۲۶/۱۱۔ نسائی، الضحایا، باب من ذبح لغير الله عز وجل : ۴۴۳۴]

”اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ایسے آدمی پر جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا اور اس کی لعنت برے ایسے آدمی پر جس نے زمین کی حدود چوری کر لیں اور اللہ کی لعنت ہو ایسے آدمی پر جس نے اپنے والد کو لعنت کی اور ایسے آدمی پر بھی اللہ کی لعنت ہو جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی۔“

⑤ سیدنا انس بن مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا وَلَا يُحَدَّثُ فِيهَا حَدَّثٌ مَنْ أَحَدَثَ فِيهَا حَدَّثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»

[بخاری، فضائل المدينة : ۱۸۶۷، و کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة : ۷۳۰۶۔ مسلم، الحج، باب فضل المدينة : ۴۴۱/۱]

”مدینہ اس اس طرح حرم ہے، اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ اس میں کوئی بدعت نکالی جائے۔ جس نے اس میں بدعت نکالی اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت ہو۔“

④ سیدنا علی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے مدینہ کے متعلق اسی طرح ایک حدیث مروی ہے

جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« فَمَنْ أَحَدَثَ فِيهَا حَدَّثًا أَوْ آوَىٰ فِيهَا مُحَدِّثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ »

[بخاری، الجزية، باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة : ۳۱۷۲، ۳۱۷۹۔

مسند أحمد : ۸۱/۱، ۱۲۶۔ مسلم : ۱۳۷۰۔ ابوداؤد : ۲۰۳۴۔ مسند أبی

یعلیٰ : ۲۲۸/۱، ج : ۲۶۳]

”جس نے مدینہ میں کوئی بدعت ایجاد کی یا اس میں کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ نہ اس کی کوئی فرض عبادت قبول کی جائے گی اور نہ نفی۔“

⑤ سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

« وَعَظَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْعِظَةً وَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ وَذَرَعَتْ مِنْهَا الْعُيُوفُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَانَتْهَا مَوْعِظَةٌ مُودِعٌ فَأَوْصِنَا قَالَ : أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ وَإِنَّهُ مَنْ يَعْشُ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرِي اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْدِيْنَ عَصُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ »

[جامع العلوم والحکم : (۱۰۹/۲) واللفظ له، ابوداؤد، السنة، باب في لزوم

السنة : ۴۶۰۷۔ ترمذی : ۲۶۷۶، ابن ماجه : ۴۲، ۴۳۔ دارمی (۴۴/۱)،

مسند أحمد (۱۲۶/۴، ۱۲۷)، بیہقی (۵۴۱/۶)، حلیۃ الأولیاء (۲۲۰/۵)،

۱۱۵/۱۰، مستدرک حاکم : ۹۵/۱، ج : ۹۷۔ صحیح ابن حبان : ۵]

”آپ ﷺ نے ہمیں ایک دن وعظ و نصیحت کی جس سے دل لرز گئے اور آنکھوں

سے آنسو بہ پڑے۔ ہم نے کہا، اے اللہ کے رسول! گویا کہ یہ وعظ الوداع کہنے

والے کا ہے۔ آپ ہمیں وصیت فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں

عمید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

اللہ کے ڈر اور سمیع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تمھارے اوپر کوئی غلام امیر بن جائے اور جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کی سنت لازم ہے۔ اسے داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو اور نئے ایجاد کردہ امور سے بچو بے شک ہر بدعت گمراہی ہے۔“

«إِيَّاكُمْ وَ مُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» [أبو داؤد، السنة، باب في لزوم السنة : ٤٦٠٧]

”نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچو، بے شک ہر نیا ایجاد کردہ کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

⑤ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ»

[رواه الطبراني في الأوسط و رجاله رجال الصحيح غير هارون بن موسى الفروي وهو ثقة، مجمع الزوائد : ١٠/١٩٢ - طبراني الأوسط : ٥/١١٣]

”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعت والے آدمی سے توبہ کو روک دیا ہے۔“

اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ ہارون بن موسیٰ الفروی کے علاوہ اور وہ ثقہ ہیں۔

⑥ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا خطبہ بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ آپ ﷺ خطبے میں فرماتے:

«فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَ شَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

[مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلوة و الخطبة : ٨٦٧، ابن ماجہ : ٤٥]

”بے شک سب سے بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت و سیرت

محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور کاموں میں برے ترین کام وہ ہیں جو نئے ایجاد کیے گئے ہوں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

⑧ اور سنن نسائی کتاب العیدین، باب کیف الخطبة: ۱۵۷۹ اور صحیح ابن خزيمة،

کتاب الجمعة: ۱۷۸۵ میں اس طرح ہے:

«كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ»

”ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔“

اس حدیث مبارکہ میں ”ہدئی“ کے مقابل ”احداث“ ہے، یعنی بدعت سنت کے مقابل ہے اور ہدایت اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے ہے اور احداث و بدعت لوگوں کی طرف سے ہے۔ کامیابی و کامرانی اس راستے میں ہے جو منجانب اللہ ہے اور جو لوگوں کا ایجاد کردہ ہے اس میں ناکامی و نامرادی ہے۔ اللہ کی ہدئی کو ترک کر کے اپنی ایجاد کردہ بدعت کے پیچھے لگنے والا بہت بڑا گمراہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ يُغَيِّرْ هُدًى مِّنَ اللَّهِ﴾ [القصص: ۵۰]

”اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ کی جانب سے ہدئی کو چھوڑ کر اپنی ”ہوئی“ (خواہش) کی پیروی کی۔“

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [ص: ۲۶]

”اور خواہش کی پیروی نہ کر یہ تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔“

ان ہر دو آیات سے معلوم ہوا کہ ہدایت دین اور شریعت اللہ کی جانب سے ہے اور ہوئی یعنی اپنی خواہش و مرضی سے ایجاد کرنے والے امور گمراہی کا ذریعہ ہیں اور بدعات بھی ایسے ہی امور ہوتے ہیں جنہیں انسان اپنی مرضی سے ایجاد کر کے انہیں دین و شریعت کا نام

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

دیتا ہے اور اس پر ثواب کی امید رکھتا ہے اور جس کام کو آدمی ثواب سمجھ کر کرے تو پھر اس کام سے رجوع کی امید رکھتا ہے اور جس کام کو آدمی ثواب سمجھ کر کرے تو پھر اس کام سے رجوع کی امید نہیں کی جاسکتی، اسی لیے اسے توبہ کرنے کی توفیق نہیں ملتی جیسا کہ اوپر طبرانی اوسط کے حوالے سے حدیث گزر چکی ہے۔ اسی لیے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

”الْبِدْعَةُ أَحَبُّ إِلَى إِبْلِيسَ مِنَ الْمَعْصِيَةِ، الْمَعْصِيَةُ يُتَابُ مِنْهَا وَالْبِدْعَةُ لَا يُتَابُ مِنْهَا“ [شرح السنة: ۲۱۶/۱]

”بدعت ابلیس لعین کو معصیت سے زیادہ محبوب ہے، اس لیے کہ معصیت سے توبہ کی جاتی ہے جبکہ بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی۔“

کیونکہ لوگ بدعت کو نیکی اور ثواب سمجھ کر کرتے ہیں، حالانکہ بدعت، خواہ کتنی ہی اچھی اور بھلی معلوم ہو وہ بدعت ہی ہوتی ہے اور بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔ شیخ سلیم بن عید الہلالی رحمہ اللہ نے امام دارمی کے حوالے سے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمان ذکر کر کے سند کی تصحیح کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

”كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَإِنْ رَأَاهَا النَّاسُ حَسَنَةً“

”ہر بدعت گمراہی ہے اور اگر لوگ اسے اچھا سمجھیں۔“

[البدعة وأثرها السيئ في الأمة ص: ۱۴]

اور اسی معنی کا ایک قول امام مالک رحمہ اللہ کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

« عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ : كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَتَوَبَّ رَجُلٌ فِي الظُّهْرِ أَوْ الْعَصْرِ قَالَ : أَخْرُجْ بِنَا فَإِنَّ هَذِهِ بِدْعَةٌ »

[أبوداؤد، الصلوة، باب في الثوب: ۵۳۸، ترمذی: ۹۸، السنن الكبرى

للبیهقی: ۴۲۴/۱، اس روایت کی سند حسن ہے، دیکھیے نیل المقصود: ۸۳۵]

”مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا تو ایک آدمی نے ظہر یا عصر کی نماز میں تئویب کہی (یعنی اذان کے بعد دوبارہ الصلوة الصلوة کہہ کر

نماز کی طرف بلایا) تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمیں یہاں سے لے چلو، بلاشبہ یہ بدعت ہے۔“

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کی طرف بلانے کے لیے اذان تعلیم فرمائی ہے جس میں حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ جیسے کلمات نماز کی طرف دعوت دیتے ہیں، تو اذان کے بعد الصَّلَاة کہہ کر نماز کی دعوت دینے کا معنی یہ ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کو کافی نہیں سمجھا اور اذان کے علاوہ اپنی طرف سے کلمات کہہ کر نماز کی دعوت دیتا ہے، لہذا جو طریقہ شارع ﷺ نے نہیں بتلایا اپنی طرف سے ایجاد کر کے اسے دین میں داخل کرنا بدعت ہے۔ اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ «فَإِنَّ هَذِهِ بَدْعَةٌ» «بلاشبہ یہ بدعت ہے۔“ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعات سے کس قدر نفرت کرتے تھے۔ اس کی دلیل ایک یہ بھی ہے کہ:

”سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دن مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا جو حلقہ باندھے نماز کا انتظار کر رہے تھے اور ہر حلقے میں جس قدر افراد ہیں ان کے پاس کنکریاں ہیں اور ایک آدمی انہیں کہتا ہے کہ سو بار ”اللہ اکبر“ کہو، تو وہ ان کنکریوں پر سو بار ”اللہ اکبر“ کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ سو بار ”لا الہ الا اللہ“ کہو، وہ سو بار ”لا الہ الا اللہ“ کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے سو بار سبحان اللہ پڑھو تو وہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں۔ ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابی رسول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَيَحْكُمُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا أَسْرَعَ هَلَكْتُمْ هُوَلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُونَ وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبَلْ وَآيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ أَوْ مُفْتَحُوا بَابَ ضَلَالَةٍ»

”اے امت محمد! تم پر افسوس کہ کس قدر جلد ہی تم ہلاکت میں پڑ گئے! یہ تمہارے

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

نبی (ﷺ) کے صحابہ تم میں وافر موجود ہیں۔ آپ کے یہ کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے یہ برتن ابھی نہیں ٹوٹے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کیا تم ایسی ملت پر ہو جو ملت محمد (ﷺ) سے زیادہ ہدایت والی ہے؟ کیا تم گمراہی کے دروازے کھول رہے ہو۔“

تو انھوں نے کہا، اے ابو عبد الرحمن اللہ کی قسم! ہم نے تو صرف خیر کا ارادہ کیا تھا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو خیر کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن وہ ہرگز اسے نہیں پاسکتے۔ بے شک رسول اللہ (ﷺ) نے ہمیں بیان کیا کہ ایک قوم ایسی ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن ان کی ہنسی کی ہڈیوں سے تجاوز نہیں کرے گا۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ شاید ان جیسے اکثر لوگ تم میں سے ہی ہیں، پھر ان سے منہ موڑ کر چلے گئے۔ تو عمرو بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان حلقے والوں میں سے اکثر لوگوں کو دیکھا کہ نہروان کے دن وہ خارجیوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑتے تھے۔“ [سنن دارمی (۶۰/۱، ۶۱) رقم (۲۱۰) باب فی کراہیۃ أخذ الراي]

سیدنا عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے اس اثر سے معلوم ہوا کہ دین میں نئے امور کو ایجاد کرنے والوں سے انھیں کس قدر تکلیف پہنچی اور انھیں گمراہی کا دروازہ کھولنے والا قرار دیا ہے۔ انھی عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے بدعت کی تردید میں ایک اور قول مروی ہے:

«إِتَّبِعُوا وَلَا تَبْتَدِعُوا فَقَدْ كُفِيتُمْ»

”اتباع (سنت) اختیار کرو اور بدعت اختیار نہ کرو تم کفایت کیے گئے ہو۔“

[مجمع الزوائد: ۱/۱۸۱ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا، ”رجاله رجال الصحيح“ اس

کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ سنن دارمی: ۶۱/۱]

ان احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ کسی فرد کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی طرف سے مسائل بنا کر ان کا دین میں اضافہ کرے، اگر کوئی شخص اپنی ایجاد کردہ بدعات کو دین میں داخل کرتا ہے تو اس کی ایجاد کردہ بدعات مردود ہیں، عند اللہ کبھی بھی منظور نہیں۔

بدعت کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور بدعت کے رد میں مندرجہ بالا چند احادیث کے بعد اب ”عید میلاد النبی“ کی بدعت کا حال ملاحظہ فرمائیے۔

یہ عید جسے موجودہ زمانے کے مبتدعین بڑے دھوم دھام سے مناتے ہیں، اس کا ثبوت قرآن مجید، احادیث نبویہ اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم سے کسی بھی صحیح سند کے ساتھ نہیں ملتا۔ یہ بدعت سب سے پہلے فاطمی امراء جو رافضی العقیدہ تھے، ان کی وضع کردہ ہے، جیسا کہ آگے مذکور ہوگا۔ ان شاء اللہ!

خیر القرون میں عید میلاد النبی کا کہیں بھی وجود نہیں ملتا۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے نام کی یہ عید منائی جاتی ہے ان کے اعلان نبوت کے بعد ۲۳ مرتبہ یہ دن آیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اس کو عید قرار دے کر اس کے لیے خصوصی محافل قائم نہیں کیں اور نہ ہی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا آمر فرمایا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دو (۲) مرتبہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گیارہ (۱۱) مرتبہ یہ دن سایہ فگن ہوا۔ داماد رسول سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بارہ (۱۲) مرتبہ اور داماد رسول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں پانچ (۵) مرتبہ یہ دن آیا اور خلافت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ایام میں بیس (۲۰) دفعہ اور آخری صحابی ابو طفیل رضی اللہ عنہ کی وفات تک کئی بار یہ دن آیا۔ کسی صحابی نے بھی اسے منانے کا اہتمام نہیں کیا۔

اسی طرح امام ابو حنیفہ، امام دار الجہرہ امام مالک، امام مدینہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے ایام ہائے زندگی میں کئی بار یہ دن آیا لیکن کسی ایک امام نے بھی اسے عید میلاد قرار دے کر اس کا اہتمام نہیں فرمایا، اور کسی ایک امام کی کتاب میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ اگر اس کا دین سے کوئی تعلق ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ و محدثین رضی اللہ عنہم ضرور اس کا تذکرہ کرتے۔ جب زمانہ خیر القرون اس بدعت کے ذکر سے خالی ہے تو لامحالہ یہ أحداث فی الدین ہے اور مردود ہے۔

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

عید میلاد کے ایجاد کی تاریخ

علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقریزی نے اپنی کتاب ”المواعظ و الاعتبار بذكر الخطط والآثار“ (جلد ۱ ص: ۴۹۰) میں یہ عنوان قائم کیا ہے:

”ذكر الأيام التي كان الخلفاء الفاطميون يتخذونها أعياداً و مواسم تنسج بها أحوال الرعية وتكثر نعمهم“

”ان ایام کا تذکرہ جن میں فاطمی خلفاء عیدین اور تہوار مناتے تھے جن کے ذریعے رعایا کے حالات کشادہ ہو جاتے اور ان کی نعمتیں کثیر ہو جاتیں۔“

اسی عنوان کے تحت علامہ مقریزی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”كَانَ لِلْخُلَفَاءِ الْفَاطِمِيِّينَ فِي طُولِ السَّنَةِ أَعْيَادٌ وَمَوَاسِمٌ وَهِيَ مَوْسِمُ رَأْسِ السَّنَةِ وَ مَوْسِمُ أَوَّلِ الْعَامِ وَيَوْمُ عَاشُورَاءَ وَمَوْلِدِ النَّبِيِّ وَمَوْلِدِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَمَوْلِدِ الْخَلِيفَةِ الْحَاضِرِ“

”فاطمی خلفاء سال کے لمبے عرصے میں عیدیں اور تہوار مناتے تھے اور یہ تہوار سال کے شروع میں، عاشوراء کے دن، میلاد النبی ﷺ اور میلاد علی رضی اللہ عنہ اور میلاد حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور میلاد فاطمہ رضی اللہ عنہا اور موجود خلیفہ کا میلاد ہوتا تھا۔“

علامہ مقریزی کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ میلاد کے موجد فاطمی خلیفہ تھے اور یہ بات تقریباً ہر خاص و عام پر عیاں ہے کہ فاطمی خلیفے عقیدتاً کٹر رافضی شیعہ تھے اور یہ میلاد ان رافضی شیعوں کی ایجاد ہے اور وہ میلادِ رسول ﷺ، ساتھ علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کا بھی میلاد مناتے تھے۔

اسی بات کا ذکر علامہ ابوالعباس احمد بن علی القلندر نے ”صبح الأعشى في صناعة الانشاء“ (۳/ ۴۹۸، ۴۹۹) میں کرتے ہوئے لکھا ہے:

”الْجُلُوسُ الثَّالِثُ جُلُوسُهُ فِي مَوْلِدِ النَّبِيِّ فِي الثَّانِي عَشَرَ مِنْ شَهْرِ“

رَبِيعِ الْأَوَّلِ وَكَانَ عَادَتُهُمْ فِيهِ أَنْ يُعْمَلَ فِي دَارِ الْفِطْرَةِ عَشْرُونَ قِنْطَارًا مِنَ السَّكْرِ الْفَائِقِ حُلْوَى مِنْ طَرَائِفِ الْأَصْنَافِ وَتُعْبَأُ فِي ثَلَاثِ مِائَةِ صِنِينَةٍ نَحَاسٍ فَإِذَا كَانَ لَيْلَةُ ذَلِكَ الْمَوْلِدِ تَفَرَّقَ فِي أَرْبَابِ الرُّسُومِ كَقَاضِي الْقَضَاةِ وَدَاعِي الدُّعَاةِ وَقُرَاءِ الْحَضَرَةِ وَالْخُطَبَاءِ وَالْمُتَصَدِّرِينَ بِالْجَوَامِعِ بِالْقَاهِرَةِ وَمِصْرَ وَقَوْمَةِ الْمُشَاهِدِ وَغَيْرِهِمْ“

”فاطمی خلفاء تیسرا جلوس بارہ (۱۲) ربیع الاول کو میلاد النبی کا نکالتے تھے اور اس جلوس کے بارے میں ان کی عادت تھی کہ دار الفطرہ میں بیس (۲۰) قطار عمدہ شکر کا مختلف اقسام کا حلہ تیار کیا جاتا اور اسے بیتل کے تین سو (۳۰۰) برتنوں میں بانٹ کر رکھا جاتا، جب میلاد کی رات ہوتی تو مختلف ارباب رسوم جیسے قاضی القضاۃ، دعاۃ، شہر کے قراء، واعظین اور قاہرہ و مصر کی یونیورسٹیوں کے صدور اور مزاروں کے نگران وغیرہ میں بانٹ دیا جاتا۔“

علامہ محمد نجیب الحق مفتی مصر اپنی کتاب ”أحسن الكلام فيما يتعلق بالسنة والبدعة من الأحكام“ کے ص (۳۴، ۳۵) پر لکھتے ہیں:

”إِنَّ أَوَّلَ مَنْ أَحَدَّثَهَا بِالْقَاهِرَةِ الْخُلَفَاءُ الْفَاطِمِيُّونَ وَأَوَّلُهُمُ الْمُعِزُّ لِذِي اللَّهِ تَوَجَّهَ مِنَ الْمَغْرِبِ إِلَى مِصْرَ فِي شَوَّالِ سَنَةِ ۳۶۱ هـ إِحْدَى وَ سِتِّينَ وَ ثَلَاثَ مِائَةِ هِجْرِيَّةٍ فَوَصَلَ إِلَى نَعْرِ اسْكَنْدَرِيَّةِ فِي شَعْبَانَ سَنَةِ اَثْنَتَيْنِ وَ سِتِّينَ وَ ثَلَاثِمِائَةٍ وَ دَخَلَ الْقَاهِرَةَ لِسَبْعِ حُلُوفٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي تِلْكَ السَّنَةِ فَأَبْتَدَعُوا سِتَّةَ مَوَالِدِ الْمَوْلِدِ النَّبَوِيِّ وَ مَوْلِدِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَ مَوْلِدِ السَّيِّدَةِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَ مَوْلِدِ الْحَسَنِ وَ مَوْلِدِ الْحُسَيْنِ وَ مَوْلِدِ الْخَلِيفَةِ الْحَاضِرِ وَ

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

بَقِيَتْ هَذِهِ الْمَوَالِدُ عَلَى رَسُولِهَا إِلَى أَنْ أَبْطَلَهَا الْأَفْضَلُ بْنُ أَمِيرِ الْجُيُوشِ

”سب سے پہلے عید میلاد قاہرہ میں فاطمی خلیفوں نے ایجاد کی اور ان میں سب سے پہلے المعز لدین اللہ ہے جو دیا ر مغرب سے مصر کی طرف شوال ۳۶۱ ھ میں متوجہ ہوا اور شعبان ۳۶۲ ھ میں اسکندریہ کی سرحد تک پہنچ گیا اور قاہرہ میں اسی سال ۷ رمضان المبارک کو داخل ہوا تو ان لوگوں نے ۶ مولید ایجاد کیں۔

① میلاد النبی ② میلاد علی ③ میلاد حسن ④ میلاد حسین ⑤ میلاد فاطمہ رضی اللہ عنہا ⑥ موجودہ خلیفہ کا میلاد۔ یہ چھ موالد اپنے رسوم و رواج کے ساتھ جاری رہے حتیٰ کہ افضل بن امیر الجیوش نے آکر انھیں ختم کیا۔“

یہ بات شیخ علی محفوظ نے اپنی کتاب ”الابداع فی مضار الابتداع“ ص (۱۲۶) میں اور سید علی فکری نے ”المحاضرات الفکریہ“ ص (۸۴) میں ”البدع فی الموالد“ کے عنوان کے تحت اور دکتور علی بن محمد ناصر استاد قسم الدراسات العليا مدینہ منورہ نے اپنی کتاب ”البدعة ضوابطها و أثرها السیعی فی الأمة“ ص ۲۱، ۱۶ میں لکھی ہے۔

یہ تمام تفصیل ملاحظہ ہو شیخ اسماعیل بن محمد الانصاری کی کتاب ”القول الفصل فی حکم الاحتفال بمولد خیر الرسل“ ص (۷۲، ۷۳)۔

ان تاریخی حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں فاطمی خلیفوں نے جن چھ میلادوں کو ایجاد کیا تھا، ان میں سے ایک ایجاد میلاد النبی بھی تھی۔ اس سے پہلے زمانہ خیر القرون میں اس کا کہیں بھی وجود نہیں ملتا۔ یہ شیعہ رافضیوں کی ایجاد ہے جن کی گمراہی میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے اور ہمارے نام نہاد مسلمانوں نے روافض کی ۵ میلادوں کو ترک کر دیا اور ایک میلاد کو اختیار کر کے اسے محبت رسول ﷺ کے نام سے جاری رکھا، اور جو بعض کتب تواریخ میں عید میلاد کے موجود

مقالہ رباتیہ

مظفر الدین کو کبوری کو بتلایا جاتا ہے تو ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ اول موجد اس کے رافضی تھے، پھر ایک وقت میں خلیفہ الافضل بن امیر الجیوش نے اسے بند کر دیا تھا، پھر اربل شہر میں دوبارہ اس کا اجراء مظفر الدین کو کبوری کے ایام میں ہوا۔

اربل میں میلاد کی ابتداء

امام ابو محمد عبد الرحمن بن اسماعیل المعروف بابی شامہ التوفیٰ (۶۶۵ھ) رقم طراز ہیں:

”وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ بِالْمَوْصِلِ الشَّيْخُ عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَلَّاحُ أَحَدُ الصَّالِحِينَ الْمُشْهُورِينَ وَبِهِ اقْتَدَى فِي ذَلِكَ صَاحِبُ أَرْبِلَ وَغَيْرُهُ“

[الباعث علی انکار البدع والحوادث، ص: (۲۱)]

”موصل شہر میں سب سے پہلے عمر بن محمد الملاح جو مشہور صوفیاء میں سے تھا اس نے اسے ایجاد کیا اور اربل کے بادشاہ وغیرہ نے بھی اس کی اس مسئلہ میں اقتدا کی۔“

علامہ ابو شامہ رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ عمر بن محمد نے اسے موصل میں ایجاد کیا اور اربل کے بادشاہ نے اس مسئلہ میں اس کی پیروی کی ہے۔

صاحب اربل کا تعارف

اس کا نام ابوسعید کو کبوری بن ابی الحسن علی بن بکتکین بن محمد اور لقب الملک المعظم مظفر الدین صاحب اربل ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

”وَ أَوَّلُ مَنْ أَحْدَثَ فِعْلَ ذَلِكَ صَاحِبُ أَرْبِلَ الْمَلِكُ الْمُظَفَّرُ أَبُو سَعِيدٍ كَوْكَبَرِي“ [الحاوی للفتاوی: (۱۸۹/۱)]

”سب سے پہلے (اربل میں) جس نے میلاد کی بدعت ایجاد کی وہ اربل کا بادشاہ الملک المعظم ابوسعید کو کبوری ہے۔“

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

علامہ یاقوت الحموی رحمہ اللہ معجم البلدان (۱۳۸/۱) میں رقم طراز ہیں:

”فَإِنَّهُ كَثِيرُ الظُّلْمِ، عُسُوفٌ بِالرَّعِيَّةِ، رَاغِبٌ فِي اخْتِذِ الْأَمْوَالِ مِنْ غَيْرِ وَجْهِهَا وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ مُفْضَلٌ عَلَى الْفُقَرَاءِ كَثِيرُ الصَّدَقَاتِ عَلَى الْغُرَبَاءِ يُسِيرُ الْأَمْوَالَ الْجُمْلَةَ الْوَافِرَةَ يَسْتَفِئُ بِهَا الْأَسَارَى مِنْ أَيْدِي الْكُفَّارِ“

”یہ بادشاہ بہت بڑا ظالم، رعایا پر بہت زیادہ ظلم و ستم کرنے والا اور لوگوں کے اموال کو بلا وجہ غصب کرنے میں رغبت رکھنے والا تھا اور اس کے ساتھ فقراء پر خرچ کرنے اور غرباء پر بہت زیادہ صدقہ کرنے والا تھا اور کفار کے ہاتھوں قیدیوں کو چھڑانے پر بہت زیادہ مال لگنے والا تھا۔ اس کے بارے میں کسی شاعر کا شعر ہے:۔

كَسَاعِيَةٍ لِلْخَيْرِ مِنْ كَسْبِ فَرْجِهَا
لَكَ الْوَيْلُ! لَا تَزْنِيْ وَلَا تَتَصَدَّقِيْ

”اس عورت کی مانند جو اپنی شرم گاہ کی کمائی کے ساتھ خیرات کرنے والی ہے۔

اے عورت! تیرے لیے ہلاکت ہو، نہ تو زنا کر اور نہ صدقہ کر۔“

علامہ یاقوت حموی کی اس صراحت سے واضح ہوا کہ یہ بادشاہ نوؤں کے اموال غصب کر کے اور رعایا پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر فقراء پر خرچ کرتا، قیدی چھڑاتا اور شاعر نے مذکورہ بالا شعر کا مکمل مصداق تھا۔

اور علامہ ابن خلکان نے اپنی معروف ترین کتاب ”وفیات الأعيان وانباء ابناء الزمان“ (۱۱۷۳) میں اس کی قائم کردہ محفل میلاد کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے تمام حالات کا ذکر کرنا تو مشکل ہے، لیکن ہم اس میں سے کچھ حصہ ذکر کرتے ہیں۔ اس کے ملک والے محفل میلاد کے ساتھ اس کے حسن اعتقاد سے خوب واقف تھے اور اربل کے قریبی شہروں، مثلاً: بغداد، موصل، جزیرہ سنجا، نصیبین، ملک عجم اور اطراف سے ہر سال لوگ اس کے پاس آتے تھے۔ ان میں فقہاء، صوفیاء، واعظین، قراء اور شعراء ہر طرح کے لوگ ہوتے

مقالہ ثانیہ

تھے۔ محرم سے لے کر ربیع الاول کے ابتدائی ایام تک لوگ مسلسل آتے رہتے تھے اور ملک مظفر الدین کو کبوری لکڑی کے قتبے بنواتا تھا۔

ہر قتبے کے چار یا پانچ طبقے ہوتے تھے۔ وہ بیس یا اس سے زیادہ قتبے بنواتا تھا۔ جن میں سے ایک قبا اس کے لیے ہوتا اور باقی امراء اور دیگر ارکانِ حکومت کے لیے ہوتے تھے اور صفر کی ابتدا میں وہ ان قبوں کو سجا دیتے تھے اور ہر قبا میں موسیقی اور طبلے، سارنگیاں اور آلاتِ رقص و سرود رکھے جاتے تھے۔ ان ایام میں لوگوں کے کاروبار زندگی معطل ہو جاتے اور لوگ سیر و تفریح کے لیے وہاں پہنچتے۔ یہ قبا شاہی قلعے سے لے کر خانقاہ کے دروازے تک جو میدان کے قریب تھا کھڑے کر دیے جاتے اور سلطان روزانہ بعد از نماز عصر یہاں آتا اور ہر ایک قبا کا مشاہدہ کرتا اور ان کے گانے سنتا اور جو وہ قبوں میں کرتے انہیں ملاحظہ کرتا، خانقاہ میں رات گزارتا اور محفلِ سماع منعقد کرتا اور نمازِ صبح کے بعد شکار پر نکل جاتا، ظہر سے پہلے قلعے کی طرف واپس پلٹ آتا اور میلاد کی رات تک روزانہ اس کا یہی معمول ہوتا تھا اور مجلسِ میلاد وہ ایک سال ۸ ربیع الاول کو اور دوسرے سال ۱۲ ربیع الاول کو منعقد کرتا تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ کی تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے اور ولادت کی رات سے دو دن پہلے وہ اونٹ، گائیں اور بکریوں کی کافی تعداد اور دیگر طبلے، سارنگیاں اور گانے بجانے کے آلات کے ساتھ میدان کی طرف نکلتا تھا۔ پھر وہ میدان میں انہیں ذبح کرتے اور دیکھیں چڑھاتے اور رنگا رنگ کھانے پکاتے تھے اور میلاد کی رات نمازِ مغرب کے بعد قلعہ میں مجلسِ میلاد منعقد کرواتا تھا اور پھر قلعہ سے اس شان کے ساتھ اترتا کہ اس کے آگے بہت سی شمعیں جلائی جاتی تھیں اور ان شمعوں میں سے دو چار بڑی شمعیں جلوس کے لیے خاص ہوتی تھیں، ان میں سے ہر شمع ایک خچر پر رکھی ہوتی تھی اور اس کے پیچھے ٹیک لگانے کے لیے ایک آدمی ہوتا اور وہ شمع خچر کی پشت پر بندھی ہوتی تھی، یہاں تک کہ وہ خانقاہ تک پہنچتا۔

سبط ابن الجوزی نے مرآة الزمان (۶۸۱/۸) میں لکھا ہے:

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

”حَكَى بَعْضُ مَنْ حَضَرَ سَمَاطَ الْمُظْفَرِ فِي بَعْضِ الْمَوَالِدِ أَنَّهُ عَدَّ فِي ذَلِكَ السَّمَاطِ خَمْسَةَ آلَافِ رَأْسٍ غَنِمٍ مَشُورٍ وَعَشْرَةَ آلَافِ دَجَاجَةٍ وَمِائَةَ فَرَسٍ وَمِائَةَ أَلْفٍ زَبْدِيَّةٍ وَثَلَاثِينَ أَلْفَ صَحْنٍ حَلْوَى قَالَ وَكَانَ يَحْضُرُ عِنْدَهُ فِي الْمَوْلِدِ أَعْيَانُ الْعُلَمَاءِ وَالصُّوفِيَّةِ فَيُخْلَعُ عَلَيْهِمْ وَيَطْلُقُ لَهُمْ وَيَعْمَلُ لِلصُّوفِيَّةِ سَمَاعًا مِنَ الظُّهْرِ إِلَى الْفَجْرِ وَ يَرْقُصُ بِنَفْسِهِ مَعَهُمْ وَكَانَ يُصَرِّفُ عَلَى الْمَوْلِدِ كُلِّ سَنَةٍ ثَلَاثَ مِائَةِ أَلْفٍ دِينَارًا“

[الحاوي للفتاوى للسيوطي (۱/ ۱۸۹) ۱۹۰، البداية والنهاية (۱۲/ ۱۲۴)، سبل الہندی والرشاد (۱/ ۳۶۲)]

”ملک مظفر کوکبوری کے منعقد کردہ میلاد کے دسترخوان پر حاضر ہونے والے افراد میں سے ایک نے بیان کیا کہ اس نے دسترخوان پر ۵ ہزار بجنی ہوئی بکریاں اور دس ہزار مرغیاں، ۱۰۰ گھوڑے اور ایک لاکھ مٹی کے پیالے اور ۳۰ حلوے کی پلیٹیں شمار کیں اور اس کے پاس محفل میلاد میں بڑے بڑے مولوی اور صوفی حاضر ہوتے تھے اور انھیں خلعت فاخرہ پہناتا اور ان کے لیے خیرات کے دروازے کھول دیتا اور صوفیہ کے لیے ظہر سے فجر تک محفل سماع منعقد کرتا اور بذات خود ان کے ساتھ مل کر ڈانس کرتا اور ہر سال محفل میلاد پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔“

مندرجہ بالا توضیحات سے ملک مظفر کوکبوری کی منعقد کردہ محفل میلاد کی ہیئت واضح ہوگئی کہ اہل شہر میں جو اس نے مجلس میلاد منعقد کی اس میں خلاف شرع امور، مثلاً: موسیقی سنتا، محفل سماع منعقد کر کے رقص کرتا، حالانکہ یہ تمام امور رسول اللہ ﷺ کی شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں، جن کی وضاحت کے لیے راقم کی کتاب ”ٹی وی معاشرے کا کینسر“ کا مطالعہ کریں۔ اس فضول خرچ ظالم بادشاہ کو اس وقت محفل میلاد کے لیے قرآن و سنت کی نصوص کو مختلف تاویلاتِ باطلہ کا لبادہ اوڑھا کر مواد فراہم کرنے والا ایک مولوی مل گیا جس نے اس

موضوع پر ایک کتاب بنام ”التنوير في مولد البشير النذير“ مرتب کر کے اس سے ایک ہزار دینار انعام حاصل کیا۔

ملاحظہ ہو: البداية والنهاية (۱۳/۱۲۴)، وفیات الأعيان (۴/۱۱۹، ۳/۴۴۹)، الحاوی للفتاویٰ (۱/۱۸۹)۔

اس کا مکمل نام عمر بن الحسن ابو الخطاب بن دحیہ الاندلسی ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”متهم في نقله“ یہ اپنی نقل میں متہم ہے۔ (میزان: ۳/۱۸۶) حافظ ضیاء المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَمْ يُعْجِبْنِي حَالُهُ كَانَ كَثِيرُ الْوَقِيعَةِ فِي الْأَيْمَةِ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ السَّنْهَوْرِيُّ أَنَّ مَشَايخَ الْمَغْرِبِ كَتَبُوا لَهُ جَرَحَهُ وَتَضَعِيفَهُ“
”مجھے اس کی حالت اچھی نہیں لگی کہ وہ ائمہ محدثین کی شان میں گستاخی کرتا تھا، پھر کہا کہ مجھے ابراہیم سنہوری نے خبر دی ہے کہ مغرب کے شیوخ نے اس پر جرح اور ضعف کا حکم لکھا ہے۔“ (میزان: ۳/۱۸۶)

امام ابن نجار رحمہ اللہ نے فرمایا:

”رَأَيْتُ النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ عَلَى كَذِبِهِ وَضَعْفِهِ وَإِعْائِهِ سِمَاعَ مَا لَمْ يَسْمَعُهُ وَلِقَاءَ مَنْ لَمْ يَلْقَاهُ“ [لسان الميزان: ۴/۲۹۵]

”میں نے اس کے جھوٹ اور ضعف پر اور ایسی باتوں کے سماع کا دعویٰ کرنے جو اس نے نہیں سنیں اور ایسے لوگوں کی ملاقات کا دعویٰ کرنے جن سے ملاقات نہیں ہوئی، پر ائمہ محدثین کو مجتمع پایا ہے۔“

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَكَانَ ظَاهِرِي الْمَذْهَبِ كَثِيرُ الْوَقِيعَةِ فِي الْأَيْمَةِ وَفِي السَّلَفِ مِنَ الْعُلَمَاءِ حَبِثُ اللِّسَانِ أَحْمَقُ شَدِيدُ الْكِبَرِ قَلِيلُ النَّظَرِ فِي أُمُورِ

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

[لسان المیزان : ۲۹۶/۴]

”یہ ظاہری مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور ائمہ محدثین اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ خبیث اللسان، احمق اور بہت زیادہ متکبر اور دینی امور میں تہی دامن اور ست تھا۔“

امام سیوطی نے ”طبقات الحفاظ“ (ص ۴۹۸) پر اس کے بارے میں لکھا ہے:

”وَكَانَ مَعَ مَعْرِفَتِهِ وَحِفْظِهِ مُحَازِفًا فِي النَّقْلِ مَعَ الدَّعَاوِي الْعَرِیْضَةِ وَیَسْتَعْمِلُ (حَدَّثَنَا) فِي الْأَجَازَةِ“

”یہ اپنی معرفت اور قوت حفظ رکھنے کے ساتھ نقل میں اٹکل بچو سے کام لیتا تھا اور لمبے چوڑے اور بلند بانگ دعوے کرتا تھا اور روایت کی اجازت میں ”حدثنا“ کا لفظ استعمال کر لیتا تھا، یعنی تدلیس سے کام لیتا تھا۔“

ائمہ دین رضی اللہ عنہم کی توضیح سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد کے لیے کتاب لکھنے والا کوئی ثقہ عالم نہ تھا، بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق خبیث اللسان، متکبر اور گستاخ آدمی تھا۔

چند ایک ائمہ دین رضی اللہ عنہم کے فتاوے

① امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد العبدری المعروف بابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَمِنْ جُمْلَةِ مَا أَحَدُوهُ مِنَ الْبِدْعِ مَعَ اِعْتِقَادِهِمْ أَنَّ ذَالِكَ مِنْ أَكْبَرِ الْعِبَادَاتِ وَإِظْهَارِ الشَّعَائِرِ مَا يَفْعَلُونَهُ فِي شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ مِنَ الْمَوْلِدِ وَقَدْ اِحتَوَى عَلَى بِدْعٍ وَمُحَرَّمَاتٍ“

[المدخل : ۲۲۹ جزء ثانی]

”لوگوں کی نو ایجاد باتوں اور بدعات میں سے جسے وہ سب سے بڑی عبادت اور شعائر اسلامیہ کے اظہار کا اعتقاد کرتے ہیں، ایک ماہ ربیع الاول میں مجلس میلاد کا قیام ہے اور یہ بہت سی بدعات اور محرمات کو شامل ہے۔“

اور میلاد کے کچھ مفاسد ذکر کرتے ہوئے ص (۲۳۳) پر رقم طراز ہیں:

”وَهَذِهِ الْمَفَاسِدُ مُرَكَّبَةٌ عَلَى فِعْلِ الْمَوْلِدِ إِذَا عَمِلَ بِالسَّمَاعِ فَإِنْ خَلَا مِنْهُ وَ عَمِلَ طَعَامًا فَقَطُّ وَ نَوَى بِهِ الْمَوْلِدَ وَ دَعَا إِلَيْهِ الْأَخْوَانُ وَ سَلِمَ مِنْ كُلِّ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ فَهُوَ بِدْعَةٌ بِنَفْسٍ نَبَتْهُ فَقَطُّ أَذَانُ ذَلِكَ زِيَادَةٌ فِي الدِّينِ وَ لَيْسَ مِنْ عَمَلِ السَّلَفِ الْمَاضِينَ وَ اتِّبَاعُ السَّلَفِ أَوْلَى“

”اور یہ مفاسد مجلس میلاد پر اس صورت میں اکٹھے ہوتے ہیں جب اس میں محفل سماع ہو، اگر یہ مجلس سماع سے مبرا ہو اور صرف میلاد کی نیت سے کھانا تیار کیا جائے اور اس کی طرف بھائیوں (لوگوں) کو دعوت دی جائے اور ہر قسم کے مفاسد سے مبرا ہو جن کا ذکر پہلے ہو چکا، تب بھی یہ صرف میلاد کی نیت کی وجہ سے بدعت ہو گا اور دین میں ایک نئے کام کا اضافہ ہو گا جو کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے عمل میں نہ تھا، حالانکہ اسلاف کے نقش قدم پر چلنا زیادہ بہتر ہے۔“

② شیخ تاج الدین عمر بن علی الفا کہانی رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

”لَا أَعْلَمُ لِهَذَا الْمَوْلِدِ أَصْلًا فِي كِتَابٍ وَلَا سُنَّةٍ وَلَا يُنْقَلُ عَمَلُهُ عَنِ أَحَدٍ مِنْ عُلَمَاءِ الْأُمَّةِ الَّذِينَ هُمْ الْقُدْوَةُ فِي الدِّينِ الْمُتَمَسِّكُونَ بِآثَارِ الْمُتَقَدِّمِينَ بَلْ هُوَ بِدْعَةٌ أَحَدَتْهَا الْبَطَالُونَ وَ شَهْوَةُ نَفْسٍ اعْتَنَى بِهَا الْأَكْثَالُونَ“

[الحاوی للفتاویٰ : ۱/ ۱۹۰، ۱۹۱]

”میں کتاب و سنت میں اس میلاد کا کوئی اصل نہیں جانتا اور علمائے امت جو کہ دین میں نمونہ اور متقدمین کے آثار کو تھامنے والے تھے، ان میں سے کسی ایک سے بھی اس کا عمل منقول نہیں، بلکہ یہ بدعت ہے، جسے باطل پرست، نفسانی

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

خواہشات کے خوگر اور پیٹ پرستوں نے گھڑا ہے۔“
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَمْ يَفْعَلْهُ السَّلَفُ الصَّالِحُ مَعَ قِيَامِ الْمُقْتَضَى لَهُ وَ عَدَمِ الْمَانِعِ مِنْهُ وَ لَوْ كَانَ هَذَا خَيْرًا مَحْضًا أَوْ رَاجِحًا لَكَانَ السَّلَفُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَحَقُّ بِهِ مِنَّا فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَشَدَّ مَحَبَّةً لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ تَعْظِيمًا لَهُ مِنَّا وَهُمْ عَلَى الْخَيْرِ أَحْرَصُ وَ إِنَّمَا كَمَالُ مَحَبَّتِهِ وَ تَعْظِيمِهِ فِي مَتَابَعَتِهِ وَ طَاعَتِهِ وَ اتِّبَاعِ أَمْرِهِ وَ إِحْيَاءِ سُنَّتِهِ بَاطِنًا وَ ظَاهِرًا وَ نَشْرَ مَا بُعِثَ بِهِ وَ الْجِهَادُ عَلَى ذَلِكَ بِالْقَلْبِ وَ الْيَدِ وَ اللَّسَانِ فَإِنَّ هَذِهِ طَرِيقَةُ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ وَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ“

[اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم : ۲۹۵]

”سلف صالحین نے محفل میلاد کا انعقاد، اس کے تقاضے کا قیام اور رکاوٹ و مانع کے نہ ہونے کے باوجود نہیں کیا اور اگر یہ محض خیر و بھلائی یا رائج بات ہوتی تو سلف صالحین ہماری نسبت اس کے زیادہ حق دار تھے، وہ ہماری نسبت رسول اللہ ﷺ کی محبت اور تعظیم میں زیادہ سخت اور نیکی کے کاموں میں زیادہ حریص تھے۔ آپ ﷺ کی محبت اور تعظیم کا کمال، آپ کی ظاہر و باطن اطاعت کرنے، آپ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے، آپ کی سنت کو زندہ کرنے اور جو احکامات دے کر آپ ﷺ کو بھیجا گیا، اسے پھیلانے اور ان امور پر دل، ہاتھ اور زبان کے ساتھ جہاد کرنے میں ہے اور یہی طریقہ انصار و مہاجرین جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور ان کی اچھے طریقے کے ساتھ پیروی کرنے والوں کا تھا۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد کا انعقاد سلف صالحین نے

مقالہ رسانیہ

نہیں کیا، اگر یہ نیکی کا کام ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ اس سے کبھی بھی پیچھے نہ رہتے، کیونکہ وہ اطاعت و اتباع اور امور خیر میں ہم سے زیادہ حریص تھے۔ اصل معاملہ رسول اللہ ﷺ کے اوامر و نواہی کو ماننے اور زندگی کے ہر مسئلہ میں آپ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کے ساتھ معلق ہے، کیونکہ قرآن حکیم نے بے شمار مقامات پر آپ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن و سنت اور ائمہ محدثین اور اکابرین امت رحمہم اللہ کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ عید میلاد کا تصور شریعت اسلامیہ میں کہیں بھی موجود نہیں اور زمانہ خیر القرون اس سے بالکل نا آشنا ہے۔ اسے چوتھی صدی ہجری میں فاطمی خلیفوں نے جو کہ رافضی العقیدہ تھے، وضع کیا تھا، پھر اس کے بعد کچھ عرصہ اس میں تعطل رہا، پھر ساتویں صدی کی ابتدا میں اربل کے بادشاہ ملک مظفر کوکبوری نے اس کو دوبارہ بڑی دھوم دھام کے ساتھ شروع کیا جس کی تفصیل اوپر ذکر کر دی گئی ہے، لہذا اس کے بدعت ہونے میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔ (آمین)



میلاد منانے والوں کے دلائل کا جائزہ

میلاد منانے والوں کے دلائل کا جائزہ

صحیح بخاری (۵۱۰۱) میں آتا ہے کہ:

« قَالَ عُرْوَةُ وَ ثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ وَكَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حَيَّةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيتَ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلَقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سَقِيتُ فِي هَذِهِ بَعْتَاغَتِي ثُوَيْبَةَ »

”عروہ نے کہا کہ ثویبہ ابولہب کی باندی تھی اور ابولہب نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ پس اس نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا، جب ابولہب مر گیا تو اس کے خاندان میں کسی نے اسے خواب میں بری حالت میں دیکھا تو اس نے کہا، تو نے کیا پایا؟ ابولہب نے کہا، تمہارے بعد میں نے سکون نہیں پایا سوائے اس بات کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ذرا سا پانی اس میں پلا دیا جاتا ہوں (اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان گڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا)۔“

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کافر رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں لونڈی آزاد کرے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو مسلمان کی کیا شان ہے؟

ج: اولاً: یہ عروہ کی مرسل روایت ہے جیسا کہ سیاق بخاری سے ظاہر ہے اور عروہ نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ اسے یہ خواب کس نے بیان کیا ہے اور مرسل روایت محدثین کے ہاں ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔

ثانیاً: اگر یہ بالفرض موصولاً ثابت بھی ہو جائے تو قابلِ حجت نہیں، کیونکہ یہ خواب ہے اور خواب بھی عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے۔ اور خواب دین میں حجت شرعی نہیں ہوتے۔

اگر میلاد منانے والوں کے نزدیک خواب حجت شرعی ہیں تو پھر میں دو خواب ذکر کرتا ہوں، کیا علمائے مجوزین انھیں تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں؟

(المس: علامہ محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البراز الکردی الحنفی صاحب فتاویٰ البرازیہ نے اپنی کتاب ”مناقب الامام الاعظم“ (۳۳۱) میں لکھا ہے:

”أَنَّ الْإِمَامَ رَأَى فِي الْمَنَامِ كَأَنَّهُ نَبَشَ قَبْرَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ يَجْمَعُ عِظَامَهُ إِلَى صَدْرِهِ“

”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خواب میں دیکھا کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی قبر کو کھودا اور آپ ﷺ کی ہڈیوں کو سینے تک اکٹھا کر لیا۔“

یہی خواب اسی طرح ”مناقب أبي حنيفة“ للموفق ابن احمد المکی (۱۶۱) میں موجود ہے۔ مندرجہ بالا خواب اگر حجت شرعی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا وجود مبارک بھی قبر میں صحیح سلامت نہیں ہے بلکہ ہڈیاں ہو چکا ہے۔ کیا مجوزین میلاد اپنے امام کے اس خواب کو حجت شرعی سمجھ کر یہ تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک صحیح سلامت نہیں ہے۔

ب: محمد بن حماد فرماتے ہیں:

”رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا تَقُولُ فِي النَّظَرِ فِي كَلَامِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِ أَنْظُرُ فِيهَا وَأَعْمَلُ عَلَيْهَا؟ قَالَ لَا، لَا، لَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قُلْتُ فَمَا تَقُولُ فِي النَّظَرِ فِي حَدِيثِكَ وَحَدِيثِ أَصْحَابِكَ وَأَعْمَلُ عَلَيْهَا قَالَ نَعَمْ، نَعَمْ، نَعَمْ“

میلاد منانے والوں کے دلائل کا جائزہ

ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلِّمْنِي دُعَاءَ أَدْعُو بِهِ فَعَلَّمَنِي دُعَاءَ وَقَالَ لِي ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا اسْتَيْقَظْتُ نَسِيتُهُ“

[تاریخ بغداد : ۴۲۵ / ۱۳]

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے کلام میں دیکھنے کے متعلق کیا فرماتے ہیں، ان کے کلام کو دیکھوں اور اس پر عمل کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، نہیں، نہیں“ تین مرتبہ کہا، پھر میں نے کہا، میں آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی حدیث میں دیکھوں اور اس پر عمل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، ہاں، ہاں۔“ تین دفعہ کہا، پھر میں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ مجھے کوئی دعا سکھائیں تاکہ میں اس کے ذریعے دعا کروں۔ آپ ﷺ نے مجھے دعا سکھائی اور اسے تین مرتبہ دہرایا، جب میں بیدار ہوا تو وہ دعا بھول گیا۔“

تو کیا اس خواب کو حجت شرعی مان کر مجوزین میلاد فقہ حنفی سے تابع ہو کر قرآن و سنت کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونے کے لیے تیار ہیں۔

ثالثاً : عروہ کی اس مرسل روایت میں یہ ہے کہ ثویبہ کو ابولہب نے اس وقت آزاد کیا تھا کہ اس نے ابھی رسول اللہ ﷺ کو دودھ نہیں پلایا تھا۔

تو یہ بات اہل سیر کی نقل کے خلاف ہے کیونکہ اکثر اہل سیر نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ابولہب نے اپنی لونڈی ثویبہ کو رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانے کے کافی عرصہ بعد آزاد کیا تھا۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں :

”وَكَانَتْ ثَوَيْبَةُ تَدْخُلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ خَدِيجَةَ فَيُكْرِمُهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُكْرِمُهَا خَدِيجَةُ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ أَمَةٌ ثُمَّ اعْتَقَهَا أَبُو لَهَبٍ“

[الوفا بأحوال المصطفى (۱/۱۰۷) ط مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد]

”توبہ نبی ﷺ کے پاس اس وقت بھی آتی تھی جب آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تھی تو رسول اللہ ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کی تکریم کرتے تھے اور یہ ان دنوں لوٹتی تھی، پھر اسے ابولہب نے آزاد کر دیا۔“

یہی بات فتح الباری شرح صحیح بخاری، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (۲۵۰/۴) طبقات ابن سعد (۱۰۸/۱) اور الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبد البر (۱۲/۱) میں ملاحظہ کریں۔

رابعاً: یہ خواب قرآن حکیم کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کو بھی قیامت والے دن اچھے اعمال نفع دیں گے، جب کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَبُذِّلُوا فِيهِ الْمَالُ وَالْأَنْفُسُ وَالأَمْوَالُ لِمَا يُحْيِيهِمْ وَيُقِيمُهُمْ وَيُؤْتِيَهُم مِمَّا رِزْقُهُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَمِنْ حَيْثُ يَنْصُرُونَهُ يَنْصُرُهُمْ وَاللَّهُ مَنَّانٌ﴾ [الفرقان: ۲۳]

”اور انھوں نے جو جو اعمال کیے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر انھیں بکھرے ہوئے ذروں کی طرح کر دیں گے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کافر کو اس کا عمل نفع نہیں دے گا۔

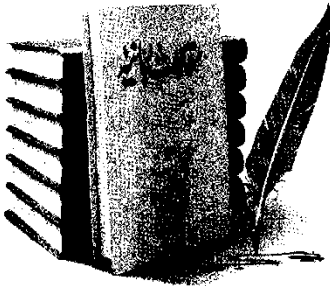
مجازین میلاد پر حیرت ہے کہ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو ہم اسے رد کر دیں گے جیسا کہ کتب اصول فقہ حنفیہ میں کئی مقامات پر یہ بحث موجود ہے، لیکن یہاں ایک خواب جو صراحۃً قرآن کے خلاف ہے اسے حجت سمجھتے ہوئے عید میلاد کے جواز کی دلیل بنا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر قسم کی گمراہی و ضلالت اور رسومات و بدعات سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے اور قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین



حدیث ”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ
[التین : ۴]



« إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ الْوَجْهَ فَلْيَحْتَبِ الْوَجْهَ وَلَا يَقُلْ قَبَحَ اللَّهُ
وَجْهَكَ وَ وَجْهَ مَنْ أَشْبَهَ وَجْهَكَ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ آدَمَ
عَلَى صُورَتِهِ » [مسند أحمد: ۲/۲۵۱، ۴۳۴، ح: ۷۴۱۴، ۲/۹۶۰]

”جب تم میں سے کوئی ایک (کسی کو) مارے تو چہرے سے بچے اور یوں نہ
کہے کہ اللہ تیرے چہرے اور اس کے چہرے کا برا کرے جسے تیرے
چہرے کے مشابہ بنایا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر
پیدا کیا ہے۔“

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

”شرح کتاب الجامع من بلوغ المرام (ص: ۱۷۵)“ میں لکھا ہے: ”جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو چہرے سے بچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔“ اس حدیث میں مارنے سے ممانعت کی علت انسانی چہرے کی تکریم قرار دی گئی ہے، بعض لوگ اس حدیث کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس (آدم) کی صورت پر پیدا فرمایا، مگر ابن ابی عاصم نے ”کتاب السنۃ“ میں ابو یونس عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے یہ روایت ان الفاظ میں بیان کی ہے: «مَنْ قَاتَلَ فَلْيَحْتَنِبِ الْوُجْهَ فَإِنَّ صُورَةَ وَجْهِ الْإِنْسَانِ عَلَى صُورَةِ وَجْهِ الرَّحْمَانِ» ”جو شخص لڑے وہ چہرے سے بچے، کیونکہ انسان کے چہرے کی صورت رحمان کے چہرے کی صورت پر ہے۔“ فتح الباری میں اس مفہوم کی اور روایات بھی موجود ہیں۔“ شارح نے پھر اسحاق بن راہویہ اور امام احمد رحمہما سے اس کی تصحیح بھی نقل کی ہے۔ ہم نے اپنے اس مقالے میں مذکورہ بالا حدیث پر ائمہ حدیث کا نقطہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سلف صالحین کے منہج پر قائم رہنے کی توفیق عنایت کرے۔ آمین

”شرح کتاب الجامع (ص: ۱۷۵)“ میں ابن ابی عاصم کی ”کتاب السنۃ“ کے حوالے سے جو ابو یونس عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے: «مَنْ قَاتَلَ فَلْيَحْتَنِبِ الْوُجْهَ فَإِنَّ صُورَةَ وَجْهِ الْإِنْسَانِ عَلَى صُورَةِ وَجْهِ الرَّحْمَانِ» وہ سنداً ضعیف ہے اور اس سلسلے میں ”فتح الباری (جلد: ۵)“ میں اس مفہوم کی جن دیگر حسن روایات کی طرف راہنمائی کی گئی ہے وہ بھی صحیح نہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ امام ابن

مقالہ ریاضیہ

ابی عاصم نے ”کتاب السنۃ (۵۲۱)“ میں اس روایت کی سند یوں بیان کی ہے: ”حَدَّثَنَا عُمَرُ ابْنُ حَطَّابٍ، ثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، ثَنَا ابْنُ لَهْيَعَةَ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ جُبَيْرٍ أَبِي يُؤْنُسَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“ یہ سند چند وجوہ کی بنا پر ضعیف ہے، جو حسب ذیل ہیں:

① اس کی سند میں عبد اللہ بن لہیعہ ہے، جس کا احتراق کتب کے بعد حافظہ بگڑ گیا تھا، تاہم عبادہ اربعہ، یعنی عبد اللہ بن مبارک، عبد اللہ بن مسلمہ القعنی، عبد اللہ بن یزید المقری اور عبد اللہ بن وہب کی روایت اس سے صحیح ہوتی ہے، لیکن مذکورہ روایت اس سے عبادہ اربعہ میں سے کسی کی نہیں، بلکہ سعید بن ابی مریم اس سے روایت کر رہا ہے۔

[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تہذیب الکمال: (۲۵۲/۴، ۲۵۴)، تہذیب التہذیب:

(۲۴۱/۳، ۲۴۴)، التاریخ الکبیر: (۸۳/۵)، الضعفاء الصغیر: (ص ۶۹)،

الجرح والتعدیل (۱۴۶/۵، ۱۴۸)، میزان الاعتدال: (۴۷۵/۲، ۴۸۳)]

② امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”كَانَ يُدْلِسُ عَنِ الضُّعْفَاءِ قَبْلَ احْتِرَاقِ كُتُبِهِ“

[کتاب المجروحین: (۱۱/۲)، نہایۃ الاغتیاب: (۱۹۵، ۱۹۷)] ”یہ اپنی کتابیں جلنے

سے پہلے ضعیف راویوں سے تدلیس کرتا ہے۔“ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اسے مدلسین

میں شمار کیا ہے۔ [جز اسماء المدلسین] اور اس روایت کی تصریح بالسماع بھی موجود

نہیں۔

③ شارح نے ”شرح کتاب الجامع (ص: ۳۱۳)“ میں »الدُّعَاءُ مُخَّ الْعِبَادَةِ« ”دعا نماز کا

مغز ہے۔“ کے متعلق تخریج میں لکھا ہے: ”[ضعیف] ترمذی (۳۳۷۱) اس میں ابن

لہیعہ راوی سیء الحفظ ہے۔“ جب یہ روایت ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے تو زیر بحث

روایت ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف کیوں نہیں؟

روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الزِّيَادَةُ أَخْرَجَهَا ابْنُ أَبِي عَاصِمٍ فِي ”السُّنَّةِ“

وَالطَّبْرَانِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ بِإِسْنَادٍ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ“ [فتح الباری: (۱۸۳/۵)]

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

”صورة الرحمان کی زیادت کو ابن ابی عاصم نے ”كتاب السنة“ میں اور طبرانی نے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ ہیں۔“

یہ روایت کتاب السنة لابن أبي عاصم: (۵۱۷، ص: ۲۴۰)، المعجم الكبير للطبراني: (۳۲۹/۱۲-۱۳۵۸)، الشريعة للأجري: (۳۹۶-۱۰۷/۲)، الأسماء و الصفات للبيهقي: (۶۴۲-۶۴۰) اور كتاب السنة لعبد الله بن أحمد: (۲۶۸/۱-۴۹۸، ۴۷۲/۲-۱۰۷۶) میں کئی سندوں سے جریر بن عبد الحمید عن الأعمش عن حبيب بن ابی ثابت عن عطاء عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا تُقَبِّحُوا الْوُجْهَ فَإِنَّ ابْنَ آدَمَ خُلِقَ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَانِ عَزَّ وَجَلَّ »

”چہرے کو برا نہ کہو، اس لیے کہ ابن آدم رحمن عزوجل کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے۔“

یہ روایت کئی علل کی بنا پر ضعیف ہے:

- ① امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند میں امام اعمش کی مخالفت کی ہے۔ اعمش رحمہ اللہ نے اسے موصول اور ثوری رحمہ اللہ نے مرسل بیان کیا ہے۔ سفیان ثوری کی مرسل روایت کتاب التوحید لابن خزيمة (ص: ۳۸) میں موجود ہے۔
- ② اعمش مدلس ہیں اور ضعفاء و مجاہیل سے تدلیس کر جاتے ہیں اور اس روایت میں انھوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ اعمش کو جن ائمہ حدیث نے مدلس قرار دیا ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ابو حاتم رازی (علل الحديث: ۲۱۰/۲) ۲۔ یحییٰ بن سعید القطان (مقدمة الجرح و التعديل، ص: ۲۴۱) ۳۔ شعبہ بن الحجاج (علوم الحديث للحاکم، ص: ۱۰۴) ۴۔ ابن خزيمة (كتاب التوحيد، ص: ۳۸) ۵۔ ابن حبان (كتاب المجروحين: ۹۲/۱) وغیرہ۔
- امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَقَالُوا لَا يُقْبَلُ تَدْلِيسُ الْأَعْمَشِ لِأَنَّهُ إِذَا وَقَفَ أَحَالَ عَلَى غَيْرِ مَلِيٍّ يَعْنُونَ عَلَى غَيْرِ ثِقَةٍ إِذَا سَأَلْتَهُ عَمَّنْ هَذَا؟ قَالَ عَنْ مُوسَى بْنِ

طَرِيفٌ، وَعَبَايَةُ بْنُ رَبِيعٍ وَالْحَسَنُ بْنُ ذَكْوَانَ [التمهيد (۳۰/۱) جامع

التحصيل (ص: ۱۱۵)]

”محمد شین عظام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اعمش کی تدلیس قبول نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ جب اسے پوچھا جاتا ہے تو غیر ثقہ کا حوالہ دیتا ہے۔ جب تم اس سے سوال کرو کہ یہ روایت کس سے ہے؟ تو کہتا ہے موسیٰ بن طریف، عبایہ بن ربیع اور حسن بن ذکوان سے ہے۔“

یہ ضعیف راوی ہیں۔ ملاحظہ ہو: موسیٰ بن طریف (المغنی فی الضعفاء: ۴۳۹/۲ - میزان: ۲۰۸/۴)، عبایہ بن ربیع (المغنی: ۵۲۳/۱ - لسان المیزان: ۷۰۰/۳، ۷۰۲) اور حسن بن ذکوان مدلس راوی ہے (میزان: ۴۸۹/۱ - المغنی: ۲۴۷/۱)۔

③ اعمش کی طرح اس کے شیخ حبیب بن ابی ثابت بھی مدلس ہیں اور حبیب نے اپنے استاذ عطاء سے بیان کرنے میں سماع کی تصریح نہیں کی۔ حبیب کو امام ابن خزیمہ (کتاب التوحید: ص: ۳۸)، امام بیہقی (سنن کبریٰ: ۳۲۷/۳) اور امام ابن حبان (الثقات: ۱۳۷/۴) وغیرہ نے مدلس قرار دیا ہے۔ مدلسین کے بارے میں یہ قاعدہ معروف ہے کہ تصریح بالسماع کے بغیر ان کی روایات قبول نہیں کی جاتیں۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے ”کتاب التوحید (ص: ۳۸)“ میں ثوری کی اعمش سے مخالفت اور اعمش اور حبیب کی تدلیس کی وجہ سے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا الْمُدَلِّسُونَ الَّذِينَ هُمْ ثَقَاتٌ وَعُدُولٌ فَإِنَّا لَا نَحْتَجُّ بِأَخْبَارِهِمْ إِلَّا مَا يَبْنُوْنَ السَّمَاعَ فِيمَا رَوَوْا مِثْلَ الثَّوْرِيِّ وَالْأَعْمَشِ وَأَبِي إِسْحَاقٍ وَأَضْرَابِهِمْ مِنَ الْأَيْمَةِ الْمُتَّقِينَ وَأَهْلِ الْوَرَعِ فِي الدِّينِ“

[مقدمہ صحیح ابن حبان (۱/۱۶۱) بتحقیق شعیب الأرناؤوط]

”بہر کیف ثقہ و عادل تدلیس کرنے والے راویوں کی روایات سے ہم حجت نہیں

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

پکڑتے، سوائے اس صورت کے کہ وہ اپنی روایات میں سماع کی تصریح کر دیں، جیسے ثوری، اعمش، ابواسحاق اور ان جیسے ائمہ متقین اور دین میں پرہیزگار لوگ۔“

اعمش کی تدلیس کو معروف مولوی عباس رضوی بھی اب اپنے موقف کے خلاف پا کر رد کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے: ”اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں، جو اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔“ [واللہ آپ زندہ ہیں (ص: ۳۵۱)، طبع اخروی (ص: ۳۱۹)] پھر اس کے علاوہ اس کتاب کے دیگر صفحات پر بھی اعمش کی تدلیس کا ذکر ہے۔

علاوہ ازیں تدلیس کی بنا پر احمد رضا خان بریلوی نے فتاویٰ رضویہ (۵/۲۴۵، مطبوعہ نظامیہ) میں ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: ”عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب قرار دے معتمد میں مردود و نامستند ہے۔“ اسی طرح (صفحہ: ۲۶۶) پر لکھا:

”عنعنہ مدلس اصول محدثین پر نامقبول ہے۔“ نیز دیکھیں کتب بریلویہ میں سے فقہ الفقیہ (ص: ۱۳۰) اور دلائل المسائل (ص: ۳۳۸، ۳۳۹)۔

لہذا تدلیس کرنے والے کی معصن روایت سب کے ہاں ضعیف و مردود اور ناقابل قبول ہے، جب تک مدلس سماع کی تصریح نہ کرے۔ مذکورہ روایت میں اعمش کی تصریح بالسماع موجود نہیں۔ معروف مناظر ماسٹر محمد امین اوکاڑوی بھی اس اصول کا انکار نہیں کر سکا، بلکہ اس نے لکھا: ”اس کی سند میں محمد بن اسحاق کا عنعنہ ہے جو بالاتفاق ضعف کی دلیل ہے؟“ [جزء القراءة مترجم (ص: ۷۶)، تجلیات صفدر (۳/۹۳) مطبوعہ جمیعۃ اشاعت العلام الحنفیہ، فیصل آباد] آگے لکھا ہے: ”اس سند میں تین راوی مدلس ہیں، اس لیے ضعیف ہے۔“ [حوالہ مذکورہ]

① حبیب بن ابی ثابت کی عطاء سے خاص طور پر روایات محفوظ نہیں ہیں۔ امام یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: ”حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ عَطَاءٍ لَيْسَتْ مَحْفُوظَةً“ [شرح علل الترمذی (۲/۸۰۱)] ”حبیب بن ابی ثابت کی عطاء سے عن کے ساتھ روایت

ثابت نہیں۔“ یہی بات ابن رجب رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے اور امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَهُ عَنْ عَطَاءٍ غَيْرِ حَدِيثٍ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ“ [الضعفاء الكبير: ۱/۲۶۳] ”حبیب کی عطاء سے کئی روایات ایسی ہیں جن پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔“ امام یحییٰ رحمہ اللہ کا قول امام احمد کی ”العلل ومعرفة الرجال“ (۲/۲۱۸) میں بھی موجود ہے۔

⑥ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ لَفْظُ الْخَبَرِ فِي الْأَصْلِ كَمَا رَوَيْنَا فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ فَأَدَّاهُ بَعْضُ الرُّوَاةِ عَلَى مَا وَقَعَ فِي قَلْبِهِ مِنْ مَعْنَاهُ“ [الاسماء والصفات: (۲/۱۸)] ”اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ حدیث کے لفظ اصل میں اس طرح ہوں جیسے ہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کیے ہیں (يَعْنِي عَلَى صُورَتِهِ) تو بعض راویوں نے حسب منشا ادا کر دیے ہوں۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”كَأَنَّ مَنْ رَوَاهُ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَانِ أُرِدُّهُ بِالْمَعْنَى مَتَمَسِّكًا بِمَا تَوَهَّمَهُ فَعَلَطَ فِي ذَلِكَ“ [إرشاد الساري: (۱۳/۲۶۷)]، فتح الباری: (۵/۱۸۳) ”گویا جس راوی نے علی صورتہ الرحمان کے الفاظ بیان کیے ہیں اس نے اپنے خیالی معنی کو لیتے ہوئے بیان کیے اور اس میں غلطی کر دی ہے۔“ یعنی احتمال ہے کہ حدیث کے بعض راویوں نے روایت بالمعنی کر دی ہو اور اصل الفاظ ”علی صورتہ“ والے ہی ہیں، جیسا کہ ثقات محدثین نے بیان کیا ہے۔

شعبہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۵/۱۸۳) میں اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے اور جب اس کے راوی ثقہ ہیں تو یہ روایت درست ہوئی۔

ازالہ: کسی روایت کے راوی ثقہ ہونے سے اس کی صحت لازم نہیں آتی، کیونکہ بعض اوقات راوی ثقہ ہونے کے باوجود روایت میں انقطاع، شدوذ اور علل ہو سکتی ہیں۔ محترم شارح ”شرح کتاب الجامع (ص: ۲۵)“ میں ایک روایت کے ضمن میں رقم طراز ہیں: ”حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا، اس کے رجال ثقات ہیں اور اس جیسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی، اس لیے یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔“ (فتح الباری) مگر شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”یہ ضعیف ہے، کیونکہ یہ

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

ابو اسحاق سمیعی کی روایت سے ہے اور انھیں اختلاط ہو گیا تھا، اس لیے حافظ نے بھی اسے صحیح نہیں کہا۔ [ضعیف الأدب المفرد: (۹۲۶/۱۴۸)]

اسی طرح یہ بھی یاد رکھیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اگرچہ اس کے رجال ثقہ قرار دیے ہیں مگر شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو ”سلسلة الأحادیث الضعيفة“ (۳۱۷/۳، ح ۱۱۷۶) ”کیونکہ اس میں اعمش و صیب کی تالیس اور دیگر علل قادمہ ہیں۔ نیز خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ”التلخیص“ میں فرماتے ہیں: ”وَعِنْدِي أَنْ إِسْنَادَ الْحَدِيثِ الَّذِي صَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ مَعْلُولٌ لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ رِجَالِهِ ثِقَاتٍ أَنْ يَكُونَ صَحِيحًا لِأَنَّ الْأَعْمَشَ مُدَلِّسٌ“ [التلخیص الحبير: (۱۹/۳، رقم ۹۱۱۸)] ”وہ حدیث جسے ابن القطان نے صحیح کہا ہے میرے نزدیک معلول ہے، اس لیے کہ اس کے رجال ثقہ ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کہ اس میں اعمش مدلس ہے۔“

شبہ: اسحاق بن راہویہ اور احمد ابن حنبل رحمہما نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جس میں ہے کہ اللہ نے آدم کو رحمان کی صورت میں پیدا فرمایا۔ (فتح الباری، حوالہ مذکورہ) [شرح کتاب الجامع (ص: ۱۷۵)]

ازالہ: یاد رہے کہ علم حدیث میں علل کا علم انتہائی اہمیت کا حامل ہے، بعض علل تو بادی النظر میں معلوم ہو جاتی ہیں جبکہ بعض علل مخفی ہوتی ہیں اور سرسری نظر سے معلوم نہیں ہوتیں، یہ بعید نہیں کہ اسحاق بن راہویہ پر بھی مخفی رہ گئی ہوں، چنانچہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ ان علل پر مطلع ہوئے اور انھوں نے اس روایت کو معلول قرار دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ حرب بن اسماعیل الکرمانی کو وہم ہوا ہو، اس لیے کہ اسحاق بن منصور الکونجی سے ابو محمد عبد اللہ بن عباس الطیالیسی نے روایت کیا ہے کہ اسحاق نے کہا:

”قُلْتُ لِأَحْمَدَ يَعْنِي ابْنَ حَنْبَلٍ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَخِيرِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا، أَلَيْسَ تَقُولُ بِهَذِهِ

الْأَحَادِيثُ؟ وَيَرَاهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ، يَعْنِي رَبَّهُمْ عَزَّ وَجَلَّ؟ "وَلَا تُقْبَحُوا
الْوَجْهَ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ" "وَأَشْتَكَيْتَ النَّارَ
إِلَى رَبِّهَا عَزَّ وَجَلَّ حَتَّى وَضَعَ فِيهَا قَدَمَهُ" "وَإِنَّ مُوسَى لَطَمَ مَلَكَ
الْمَوْتِ" قَالَ أَحْمَدُ كُلُّ هَذَا صَحِيحٌ، قَالَ إِسْحَاقُ هَذَا صَحِيحٌ،
وَلَا يَدْفَعُهُ إِلَّا مُبْتَدِعٌ أَوْ ضَعِيفُ الرَّأْيِ"

[الشریعة لللاجری: ۹۴/۲، رقم الاثر: ۳۷۱]

نیز ابن عبد البر رحمہ اللہ نے التہمید (۱۳۸، ۱۳۷/۷) میں بھی یہ بات نقل کی ہے۔

اسی طرح امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ سحون بن منصور نے کہا: "قُلْتُ
لِأَحْمَدَ ابْنِ حَنْبَلٍ يَنْزِلُ رَبَّنَا" سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ
کے ہر رات نزول، اہل جنت کے لیے رویت باری تعالیٰ، آگ میں قدم رکھنا، موسیٰ علیہ السلام کا
ملک الموت کو تھپڑ مارنا اور "إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ" والی روایات کو صحیح کہا ہے۔
اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابوبکر الروزی رحمہ اللہ نے امام احمد سے سوال کیا: "كَيْفَ
تَقُولُ فِي حَدِيثِ، إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ؟ قَالَ أَمَّا الْأَعْمَشُ فَيَقُولُ عَنْ
حَبِيبِ ابْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عُمرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ
اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَانِ فَنَقُولُ كَمَا جَاءَ الْحَدِيثُ" [المختار من الإبانة
لابن بطه ص: ۲۰۱ بحوالہ حاشیہ الشریعة (۱۱۱/۲)] تم "إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ"
کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: "أَعْمَشُ حَبِيبُ زَوْجِ ابْنِ عَمْرٍاءِ
كَرِيمٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَانِ" بیان کرتا ہے، ہم اسی طرح کہتے
ہیں جیسے حدیث آئی ہے۔"

معلوم ہوا کہ امام احمد نے "عَلَى صُورَتِهِ" والی روایت کو صحیح کہا ہے، "عَلَى صُورَةِ
الرَّحْمَانِ" والی روایت کو صحیح نہیں کہا۔ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ امام احمد نے اسے صحیح کہا
ہے تو بیان کردہ علل قاذبہ امام احمد کی تصحیح پر بہر حال مقدم ہیں۔ مذکورہ بالا بحث سے یہ

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ”عَلَى صُورَةِ وَجْهِ الرَّحْمَانِ“ والی روایت نہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور نہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے۔ اول الذکر ابن لہیعہ کی وجہ سے اور ثانی الذکر مرسل و موصول مروی ہونے، تدلیس اعمش و حبیب، اعمش کے حبیب سے کثیر الوہم ہونے، جریر کے آخری عمر میں سوء حفظ ہو جانے اور حبیب کی عطاء سے روایات غیر محفوظ ہونے کی بنا پر انتہائی ضعیف اور ناقابل حجت ہیں۔ ان روایات کی بنیاد پر آدم علیہ السلام کے اللہ کی صورت پر پیدا ہونے کی توجیہ درست نہیں۔ کئی ایک ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے ”فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ“ میں ضمیر مضروب کی طرف لوٹائی ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”يُرِيدُ بِهِ صُورَةَ الْمَضْرُوبِ لِأَنَّ الضَّارِبَ إِذَا ضَرَبَ وَجْهَ أَحَدِهِ الْمُسْلِمِ ضَرَبَ وَجْهًا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ“

[صحیح ابن حبان: ۱۲ / ۴۲۰، ۴۲۱، ح: ۵۶۰۵]

”اس حدیث میں ضمیر سے مراد مضروب کی صورت ہے، اس لیے کہ ضرب لگانے والا جب اپنے مسلمان بھائی کے چہرے پر مارے گا تو اس نے ایسے چہرے کو ضرب لگائی جس کی صورت پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔“

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”تَوَهَّمُ بَعْضُ مَنْ لَمْ يَتَحَرَّ الْعِلْمُ أَنَّ قَوْلَهُ ”عَلَى صُورَتِهِ“ يُرِيدُ صُورَةَ الرَّحْمَانِ عَزَّ رُبُّنَا وَجَلَّ عَنْ أَنْ يَكُونَ هَذَا مَعْنَى الْخَبَرِ بَلْ مَعْنَى قَوْلِهِ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ، أَلْهَاءُ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ كِنَايَةٌ عَنْ اسْمِ الْمَضْرُوبِ وَالْمَشْتُومِ، أَرَادَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَةِ هَذَا الْمَضْرُوبِ الَّذِي أَمَرَ الضَّارِبَ بِاجْتِنَابِ وَجْهِهِ بِالضَّرْبِ وَالَّذِي قَبَّحَ وَجْهَهُ فَزَجَرَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُولَ وَجْهَهُ مَنْ أَشْبَهَ وَجْهَكَ لِأَنَّ وَجْهَ آدَمَ شَبِيهُ وَجْهِ بَنِيهِ فَإِذَا قَالَ الشَّائِمُ لِبَعْضِ بَنِي آدَمَ قَبَّحَ اللَّهُ وَجْهَكَ وَ وَجْهَ مَنْ أَشْبَهَ وَجْهَكَ“

كَانَ مُقْبِحًا وَجْهَ آدَمَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ الَّذِي وَجُوهُ بَنِيهِ
شَبِيهَةٌ بِوَجْهِ أَبِيهِمْ فَتَفْهَمُوا رَحِمَكُمُ اللَّهُ مَعْنَى الْخَبَرِ لَا تَغْلَطُوا وَلَا
تَغَالُطُوا فَتَضِلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَتَحْمِلُوا عَلَى الْقَوْلِ بِالشَّبِيهِ
الَّذِي هُوَ ضَلَالٌ

[کتاب التوحید : ص ۳۷، ۳۸۔ نسخہ آخری : ۸۴/۱، ۸۵]

”علی صورتہ“ سے صورت رحمان مراد لینے میں بعض ایسے افراد کو وہم ہو گیا ہے جنہوں نے علم کو (صحیح طور پر) تلاش نہیں کیا، اس حدیث میں تو ضمیر مضروب و مشتموم (جس آدمی کو مارا گیا اور گالی دی گئی) کی طرف کنایہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس مضروب کی صورت پر پیدا کیا ہے جس کے بارے مارنے والے کو چہرے پر ضرب لگانے سے اجتناب کا حکم دیا ہے اور جس نے اس کے چہرے کو برا بھلا کہا۔ نبی اکرم ﷺ نے ڈانٹا ہے کہ کوئی آدمی ایسے نہ کہے کہ اللہ تیرے چہرے کا برا کرے اور اس کے چہرے کا برا کرے جو تیرے چہرے سے مشابہ ہے، اس لیے کہ اولاد آدم کا چہرہ اپنے باپ آدم کے مشابہ ہے۔ جب گالی دینے والا کسی آدم کے بیٹے کو کہے گا کہ اللہ تیرے چہرے کا برا کرے اور اس کے چہرے کا جسے اس نے تیرے چہرے کے مشابہ بنایا تو وہ آدم علیہ السلام کو برا کہنے والا ہوگا، آدم کے بیٹوں کے چہرے اپنے باپ کے چہرے کی شبیہ ہیں۔ اللہ تم پر رحم کرے، حدیث کا معنی اچھی طرح سمجھ لو، نہ مغالطہ کھاؤ اور نہ مغالطہ دو، وگرنہ تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے اور حدیث کو تشبیہ پر محمول کر دو گے جو گمراہی ہے۔“

حدیث کا یہی مفہوم امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”الاسماء والصفات : (۱۷/۲)“ میں اور علامہ سندھی نے ”حاشیہ مسند أحمد : (۳۸۳/۱۲)“ میں بیان کیا ہے۔ مذکورہ بالا محدثین نے حدیث کا جو مفہوم ذکر کیا ہے اس کی بنیاد صحیح حدیث پر ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

﴿إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَحْتَنِبِ الْوَجْهَ وَلَا يَقُلْ قَبَحَ اللَّهُ وَجْهَكَ وَ
وَجْهَ مَنْ أَشْبَهَ وَجْهَكَ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ﴾

[مسند أحمد: ۲/۲۵۱، ۴۳۴، ح: ۷۴۱۴، ۹۶۰۲۔ کتاب التوحید لابن خزيمة: (ص ۳۶، ۳۷)، قال ابن حجر وهو ظاهر عود الضمير على المقول له ذلك، فتح الباري: (۵/۱۸۳)، کتاب السنة لابن أبي عاصم: (۵۱۹، ۵۲۰)، الأسماء والصفات لليهقي: (۲/۱۷)، صحيح ابن حبان: (۵۷۱۰) (۱۸/۱۳)]

”جب تم میں سے کوئی ایک (کسی کو) مارے تو چہرے سے بچے اور یوں نہ کہے کہ اللہ تیرے چہرے اور اس کے چہرے کا برا کرے جسے تیرے چہرے کے مشابہ بنایا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔“

ابن عجلان نے احمد اور ابن خزيمة کے ہاں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ عبد الرزاق کے ہاں یہ روایت ابن عجلان کے ایک اور طریق سے مروی ہے۔ [مسند عبد الرزاق: (۹/۴۴۵) (۱۷۹۵۲)] امام ابن مندہ فرماتے ہیں:

”هَذَا إِسْنَادٌ مَشْهُورٌ مُتَّصِلٌ وَابْنُ عَجَلَانَ أَخْرَجَ عَنْهُ مُسْلِمٌ
وَالنَّسَائِيُّ وَالْحَمَّاعَةُ إِلَّا الْبُخَارِيُّ وَمَعْنَاهُ صَحِيحٌ وَإِنَّمَا أَرَادَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْكَلَامِ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ بَنِي آدَمَ
عَلَى صُورَةِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا شَتَمَ أَحَدٌ مِّنْ وَلَدِهِ وَمَنْ يُشَبِّهُ
وَجْهَهُ فَقَدْ شَتَمَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَنَهَى عَنْ ذَلِكَ“

[کتاب التوحید: (۱/۲۲۴)]

”یہ سند مشہور و متصل ہے، ابن عجلان سے امام مسلم، امام نسائی اور ایک جماعت نے روایت بیان کی ہے، سوائے امام بخاری کے اور اس کا معنی صحیح ہے۔ اس روایت سے رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو آدم علیہ السلام کی صورت پر پیدا کیا ہے۔ لہذا جب کوئی شخص اپنی اولاد کو گالی دیتا ہے اور اسے جس کا چہرہ اس کے چہرے کے مشابہ ہے تو اس نے آدم علیہ السلام کو گالی دی اور اسی سے رسول اللہ ﷺ نے

منع فرمایا ہے۔“

لہذا یہ صحیح حدیث مذکورہ بالا معنی کو ترجیح دیتی ہے۔

تنبیہات:

① ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ (۵۱۶) میں بطریق سعید بن ابی عروبہ از قتادہ از ابی رافع از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یوں روایت کی ہے: «إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَةِ وَجْهِهِ» یعنی اس روایت میں ”علی صورتہ“ کے بجائے ”علی صورتہ وجہہ“ کے الفاظ ہیں۔ یہ روایت قتادہ سے سعید بن ابی عروبہ نے بیان کی ہے، جبکہ ثنی بن سعید نے قتادہ سے ”علی صورتہ“ کے الفاظ بیان کیے ہیں، جیسا کہ مسلم، کتاب البر والصلة (۱۱۵/۲۶۱)، مسند أحمد (۵۱۹/۲)، کتاب التوحید از ابن خزیمہ (ص ۳۷) اور الأسماء والصفات از بیہقی میں ہے۔ ثنی کی متابعت ہام نے کی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم (۲۶۱۲/۱۱۶)، مسند احمد (۴۶۳/۲) میں موجود ہے اور قتادہ سے ”علی صورتہ“ الفاظ ہی محفوظ ہیں اور سفیان عن ابی الزناد عن الاعمش عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے یہ روایت مسند أحمد (۲۴۴/۲)، ح: (۷۳۱۹)، الشریعة للاجری (۱۰۶/۲) اور الأسماء والصفات از بیہقی وغیرہ میں ”علی صورتہ“ کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ (۸۶۲)]

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری حدیث بھی ہمارے موقف کی مؤید ہے، جس میں ہے: «خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ طُولُهُ سِتُونَ ذِرَاعًا.....» ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر پیدا کیا اس کا طول ساٹھ ہاتھ تھا۔“ [بخاری، الاستئذان، باب بدء السلام: (۶۲۲۷)۔ مسلم، الجنة و نعيمها، باب يدخل الجنة اقوام.....

(۲۸۴۱)۔ سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ: ۴۴۹]

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

”قَالَ أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ فِي قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ، الْهَاءُ مَرْجِعُهَا إِلَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَالْمَعْنَى أَنَّ ذُرِّيَّةَ آدَمَ خُلِقُوا أَطْوَارًا كَانُوا فِي مَبْدِئِ الْخَلْقِ نُطْفَةً ثُمَّ عَلَقَةً، ثُمَّ مُضْغَةً ثُمَّ صَارُوا صُورًا أَجَنَّةً إِلَى أَنْ تَتِمَّ مَدَّةَ الْحَمْلِ فَيُولَدُونَ أَطْفَالًا وَيَنْشَأُونَ صِبْغَارًا إِلَى أَنْ يَكْبُرُوا فَيَتِمَّ طَوْلُ أَجْسَادِهِمْ يَقُولُ إِنَّ آدَمَ لَمْ يَكُنْ خَلْقُهُ عَلَى هَذِهِ الصِّفَةِ وَلَكِنَّهُ أَوَّلُ مَا تَنَاوَلَتْهُ الْخِلْقَةُ وَجَدَ خَلْقًا تَامًا طَوْلُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا۔“

[شرح السنة : (۲۵۵/۱۲)، الأسماء والصفات : (۱۶/۲)]

”ابوسلیمان خطابی آپ ﷺ کے فرمان کے متعلق کہتے ہیں: ”خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ“ میں ”ہا“ ضمیر کا مرجع آدم علیہ السلام ہیں، پس معنی یہ ہوا کہ یقیناً آدم کی اولاد لمبے قدوں والی پیدا کی گئی ہے۔ جو ابتدائے خلقت میں نطفہ تھے، پھر جما ہوا خون بنے، پھر گوشت کا ٹکڑا اور پھر انھوں نے جنین کی شکل اختیار کر لی، یہاں تک کہ مدت حمل مکمل ہو گئی۔ وہ بچے کی صورت پیدا ہوتے ہیں اور حالت صغر میں نشوونما پاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ بڑے ہو جاتے ہیں، پس ان کے جسم لمبے ہو جاتے ہیں۔“ مزید کہتے ہیں: ”یقیناً آدم کی خلقت اس صورت پر نہیں تھی بلکہ ابتدا ہی سے جب وہ پیدا کیے گئے تو وہ مکمل ساٹھ ہاتھ لمبے قد والے پیدا کیے گئے۔“

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”تَاوِيلُ أَبِي سُلَيْمَانَ لِلْحَدِيثِ فِي هَذَا الْمَقَامِ سَدِيدٌ يَحِبُّ الْمَصِيرُ إِلَيْهِ لِأَنَّ قَوْلَهُ ”طَوْلُهُ“ بَيَانٌ لِقَوْلِهِ ”عَلَى صُورَتِهِ“ كَأَنَّهُ قِيلَ خُلِقَ آدَمُ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ صُورَتِهِ الْحَسَنَةِ وَشَكْلِهِ وَهَيْئَتِهِ مِنَ الْجَمَالِ وَالْكَمَالِ وَطَوْلِ الْقَامَةِ“

[شرح الطيبي على المشكوة : (۳۰۳۵/۱۰)، (۳۰۳۶)]

”ابو سلیمان کی تاویل اس حدیث کے لیے اس مقام میں سیدھی سادی ہے جس کی طرف لوٹنا ضروری ہے، کیونکہ آپ کا قول ”طَوْلُهُ“ (اس کی لمبائی) آپ ﷺ کے قول ”عَلَى صُورَتِهِ“ کا بیان ہے، یعنی اس کی صورت پر، گویا کہ کہا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام اپنی معروف اچھی شکل و صورت، حسن و جمال اور طویل قد پر پیدا کیے گئے۔“

امام ابن مندہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اِخْتَلَفَ أَهْلُ التَّأْوِيلِ فِي مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ وَتَكَلَّمُوا عَلَى ضُرُوبٍ شَتَّى وَالْأَحْسَنُ مِنْهَا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى صُورَتِهِ مَعْنَاهُ لَمْ يَخْلُقْهُ طِفْلاً ثُمَّ صَبِيّاً ثُمَّ شَابّاً ثُمَّ كَهْلاً ثُمَّ شَيْخاً هُوَ الْأَصَحُّ مِنْهَا مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِسْنَادٍ الثَّابِتِ“

[کتاب التوحید (۱/۲۲۲، ۲۲۳)]

”مفسرین کا اس حدیث کے معانی متعین کرنے میں اختلاف ہے اور انھوں نے اس کے متعلق مختلف قسم کی باتیں کی ہیں، ان سب میں سے احسن یہ ہے کہ ”یقیناً اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا۔“ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو طفل پیدا نہیں کیا کہ پھر وہ بچے ہو گئے، پھر جوان ہوئے، پھر ادھیڑ عمر اور حتیٰ کہ بوڑھے ہو گئے، اس میں صحیح بات یہی ہے جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت اسناد کے ساتھ آتی ہے۔“

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالضَّمِيرُ لآدَمَ إِلَى أَنَّ اللَّهَ أَوْجَدَهُ عَلَى الْهَيْئَةِ الَّتِي خَلَقَهُ اللَّهُ عَلَيْهَا لَمْ يَنْتَقِلْ فِي النِّسَاءِ أَحْوَلاً وَلَا تَرَدَّدَ فِي الْأَرْحَامِ أَطْوَاراً بَلْ خَلَقَهُ كَامِلاً سَوِيّاً“ [إرشاد الساري: (۷/۲۶۴)]

”اور ضمیر آدم کی طرف لوٹی ہے، یعنی یقیناً اللہ نے انھیں اسی حالت پر وجود بخشا ہے جس پر ان کو پیدا کیا، نہ کہ وہ کئی حالات سے گزرتے ہوئے عورت میں منتقل ہوئے

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

اور نہ انھوں نے رحم میں مختلف شکلیں اختیار کیں، بلکہ اس نے ان کو مکمل و برابر پیدا فرمایا۔
علامہ ابن بطال رحمہ اللہ اس حدیث میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات قرار دینے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَهَذَا أَضْعَفُ الْوُجُوهِ لِأَنَّ حُكْمَ الْهَاءِ أَنْ تَرْجَعَ إِلَى أَقْرَبِ الْمَذْكُورِ“

[شرح البخاري: (۷/۹)، تأویل مشکل الحديث لابن فواك]

”اور یہ سب سے کمزور توجیہ ہے، کیونکہ ”ہاء“ کا حکم یہ ہے کہ اسے قریب ترکی طرف لوٹایا جائے۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَهَذِهِ الرَّوَايَةُ تُؤَيِّدُ قَوْلَ مَنْ قَالَ إِنَّ الضَّمِيرَ لِآدَمَ، وَالْمَعْنَى أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَوْجَدَهُ عَلَى الْهَيْئَةِ الَّتِي خَلَقَهُ عَلَيْهَا لَمْ يَنْتَقِلْ فِي النِّشَاءَةِ أَحْوَالًا، وَلَا تَرَدَّدَ فِي الْأَرْحَامِ أَطْوَارًا كَذَرَّتِيهِ بَلْ خَلَقَهُ اللَّهُ رَجُلًا كَامِلًا سَوِيًّا مِنْ أَوَّلِ مَا نُفِخَ فِيهِ الرُّوحُ ثُمَّ عَقَّبَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ وَطُولُهُ سِتُونَ ذِرَاعًا“ فَعَادَ الضَّمِيرُ أَيْضًا عَلَى آدَمَ“

[فتح الباري: (۳۶۶/۶)]

”اور یہ روایت اس آدمی کے قول کی مؤید ہے جس کا کہنا ہے کہ ضمیر آدم علیہ السلام کے لیے ہے اور معنی یہ ہوگا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی طرح وجود بخشا جس پر ان کو پیدا کیا، انھوں نے نشوونما پانے کے لیے مختلف حالتیں نہیں بدلیں اور نہ اپنی اولاد کی طرح انھوں نے رحم میں کئی شکلیں اختیار کیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مکمل و برابر آدمی پیدا کیا، پہلے ہی سے کہ جب ان میں روح پھونکی گئی، پھر اس کے بعد آپ کا یہ فرمان ذکر کیا ہے: ﴿وَطُولُهُ سِتُونَ ذِرَاعًا﴾ ”اور ان کی قامت (قد کی لمبائی) ساٹھ ہاتھ تھی“ پس ضمیر آدم پر لوٹی۔“

آخر میں محترم شارح کے مدوح و معتمد محدث الشام علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا زیر بحث حدیث پر مرقوم فائدہ ذکر کرتا ہوں، علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”يَرْجِعُ الضَّمِيرُ فِي قَوْلِهِ ”عَلَى صُورَتِهِ“ إِلَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ مَذْكُورٍ، وَلِأَنَّهُ مُصَرَّحٌ بِهِ فِي رِوَايَةِ آخَرَ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا بِلَفْظٍ: « خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا » وَقَدْ مَضَى تَحْرِيجُهُ بِرَقْمٍ (٤٤٩) وَأَمَّا حَدِيثُ: «..... عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَانِ» كَمَا حَقَّقْتُهُ فِي الْكِتَابِ الْآخِرِ (١١٧٦) مَعَ الرَّدِّ عَلَى مَنْ صَحَّحَهُ مِنَ الْمُعَاَصِرِينَ كَالشَّيْخِ التَّوَيْجَرِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَغَيْرِهِ“

[سلسلہ الأحادیث الصحیحة: (٥١٩/٢)، تحت رقم (٨٦٢)]

”آپ کے فرمان ”عَلَى صُورَتِهِ“ میں ضمیر آدم کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ وہ قریب میں مذکور ہے، اور کیونکہ صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر پیدا کیا اور اس کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔“ اس کی تخریج گزر چکی ہے، برقم (۴۴۹) اور »عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَنِ« یہ حدیث منکر ہے، جیسا کہ میں نے دوسری جگہ (رقم: ۱۱۷۶) اس کی وضاحت کی ہے اور ساتھ معاصرین میں سے ان لوگوں کا رد بھی کیا ہے جنہوں نے اسے صحیح کہا ہے، جیسے شیخ تویجری رحمہ اللہ وغیرہ۔“

اور »خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا« کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا قول درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وَقَدْ فَصَّلَ الْقَوْلُ فِي ذَلِكَ ابْنُ حَبَّانَ عَقَبَ الْحَدِيثِ، فَرَأَجَعَهُ فَإِنَّهُ مُفِيدٌ، وَأَمَّا حَدِيثُ ”خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَانِ“ فَهُوَ مُنْكَرٌ، كَمَا بَيَّنْتُ بِتَفْصِيلٍ فِي ”الضَّعِيفَةِ“ بِرَقْمٍ (١١٧٥، ١١٧٦) وَلَمْ يُؤْفَقْ فِي تَصْحِيحِهِ مُؤَلِّفُ كِتَابِ ”عَقِيدَةُ أَهْلِ الْإِيمَانِ فِي خَلْقِ“

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا“ کی وضاحت

آدَمَ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَنِ“ وَقَدْ كَتَبْتُ عَلَيْهِ كَثِيرًا مِنَ التَّعْلِيلَاتِ وَأَخَذْتُ عَلَيْهِ بَعْضَ الْمُوَاحِدَاتِ، رَاجِعًا مِنَ اللَّهِ التَّمَامَ“
 ”اس کے متعلق ابن حبان نے حدیث نقل کرنے کے بعد تفصیل ذکر کی ہے، جس کی طرف رجوع کرنا مفید ثابت ہوگا۔ رہی حدیث ”اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمان کی صورت پر پیدا فرمایا“ تو یہ حدیث منکر ہے، جیسا کہ میں نے سلسلہ ضیفہ (رقم ۱۱۷۵، ۱۱۷۶) میں تفصیلاً بیان کیا ہے اور اس کی تصحیح میں ”عقیدۃ اهل الإیمان فی خلق آدم علی صورة الرحمان“ کے مؤلف نے موافقت نہیں کی، یقیناً میں نے اس پر کافی تعلیقات ذکر کی ہیں اور بعض جگہ مؤلف کا مواخذہ بھی کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے اس کی تکمیل کی امید کی جاتی ہے۔“

امام ابن حبان رحمہ اللہ صحیح ابن حبان (تحت المحدث: ۶۱۶۲) میں فرماتے ہیں: ”یہ حدیث اس شخص سے متعلق ہے جو علم میں رسوخ نہیں رکھتا اور وہ ان اہل الحدیث کو برا کہتا ہے جنہوں نے سنن ہی کو دین سمجھا ہے اور وہ سنن کو آلودگی سے محفوظ کرتے ہیں اور جو ان کی مخالفت کرے اس کا قلع قمع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں حدیث میں مذکور ضمیر ”ہاء“ کی نسبت یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی، یا آدم علیہ السلام کی طرف، اگر تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو یہ کفر ہے، کیونکہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ ”اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔“ اور اگر ضمیر کی نسبت آدم علیہ السلام کی طرف کی جائے تو حدیث اس فائدہ سے خالی ہوگی کہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ بے شک ہر چیز اپنی صورت پر پیدا کی گئی ہے، نہ کہ کسی اور کی صورت پر، ہاں اگر اس بات کا قائل خلوت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کو لازم پکڑے اور حق کو پانے اور نبی اکرم ﷺ کی سنن کو لازم پکڑنے کے لیے سیدھے راستے کی ہدایت کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو یہ کام ایسی سنن کو دین ماننے والے پر قدح سے بہتر ہوگا جن کے معنی سے وہ ناواقف ہے، نیز اسی طرح انسان کا کسی چیز سے ناواقف رہنا حق کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یقیناً نبی اکرم ﷺ کی احادیث جب لکھنے کے اعتبار سے صحیح ثابت ہو جائیں تو وہ باہم مخالف نہیں ہوتیں، نہ ایک دوسرے کو جھڑپاتی ہیں اور

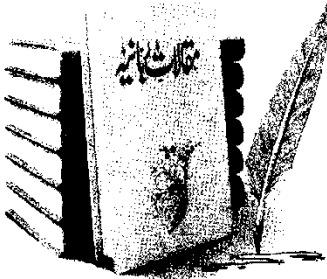
نہ قرآن کو منسوخ کرتی ہیں، بلکہ ہر حدیث کا علمی معنی معلوم ہوتا ہے اور عقل میں سما جانے والا درست فیصلہ بھی ہوتا ہے، جسے صاحب علم سمجھ جاتے ہیں۔

لہذا نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ: «خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ» کا معنی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس میں آدم علیہ السلام کی تمام مخلوقات پر برتری واضح ہے اور ”ہاء“ ضمیر آدم علیہ السلام کی طرف لوثی ہے اور اس ضمیر کا اللہ جل جلالہ کے علاوہ آدم علیہ السلام کی طرف لوٹنا اس بات کا بھی فائدہ دیتا ہے کہ ہمارا رب تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں ہے۔ یقیناً وہ بزرگ اور بلند وبالا ہے، جس نے سب کے ذریعے اس متحرک نمونے والی مخلوق کو بنایا، جس کی بڑھوتری مذکر و مؤنث کے ملاپ سے شروع ہوئی، مذکر کا نطفہ مؤنث کے رحم میں آیا، پھر وہ خون میں تبدیل ہوا، پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بنا، پھر شکل و صورت بنی، پھر وقت مقررہ تک رحم مادر میں ٹھہرا رہا، پھر پیدائش کے بعد رضاعت کا مرحلہ شروع ہوا، پھر رضاعت کا تہہ اور پھر موت کی طرف اگلے مرحلے میں منتقلی۔ یہ تمام اوصاف اس متحرک نمونے والی مخلوق کے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، جبکہ آدم علیہ السلام کو جس حالت پر وہ تھے، اسی پر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اور وہ ان مندرجہ بالا مراحل سے نہیں گزرے کہ پہلے مذکر و مؤنث کا ملاپ ہوتا، پھر پانی اپنے مقام سے اتر کر رحم مادر میں قرار پکڑتا اور اس کا خون بنتا، پھر لوتھڑا، پھر اس کے بعد جسم بنتا، وہ ان مراحل سے نہیں گزرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی دوسرے لوگوں پر فضیلت ظاہر کی ہے کہ وہ نطفہ نہ تھے کہ پھر خون کی شکل اختیار کرتے، پھر اس کے بعد گوشت کا لوتھڑا بنتے، پھر دودھ پینے اور چھڑانے کے مراحل طے کرتے، پھر جوانی کی حدود طے کرتے، جس طرح کہ آدم علیہ السلام کے علاوہ دیگر مخلوقات کا معاملہ ہے۔ یہ اس شخص کی بات کے مخالف ہے جس نے یہ گمان کیا کہ اہل الحدیث بے دین ہیں، جو ایسی روایات بیان کرتے ہیں جنہیں وہ خود نہیں سمجھتے اور ان روایات سے دلیل اخذ کرتے ہیں جن کو وہ خود بھی نہیں جانتے۔“



مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

وَالشُّقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ [التوبة: ١٠٠]



انس ﷺ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

« آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَ آيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ »

[بخاری، کتاب الایمان، باب علامة الایمان حب الانصار: ۱۷]

”ایمان کی علامت انصار کی محبت ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض ہے۔“

مقام صحابہ (رضی اللہ عنہم)

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین اسلام کا پہلا دستہ تھے، جنہوں نے دین اسلام کو دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچایا اور اپنی لذتوں اور گھر بار کو خیر باد کہہ کر علم جہاد کو بلند کیا اور نبی کریم ﷺ کے فرمودات عالیہ پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ان کا ادب و احترام اور عزت و وقار امت پر فرض لازم ہے۔ ان کی عزتوں کا دفاع، فضائل و مناقب اور اوصاف و محامد ہر مسلم پر واجب ہیں۔ ان کی تعظیم و تکریم اور عزت و توقیر کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس سے بے اعتنائی برتی جائے اور اسے کوئی اہمیت نہ دی جائے بلکہ یہ امت مسلمہ کے اصولی مسائل اعتقادیہ پر جو کتب تحریر کیں ان میں اس مسئلہ کو باقاعدہ جگہ دی۔ امام اہل السنۃ ص: ۸۵۔ ط دار السلام قاہرہ۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی کی ”اصول السنۃ: ۳۵۹/۲“ ط دمشق جو مندرجہ ذیل کے آخر میں مطبوع ہے۔ السنۃ لعبد اللہ بن أحمد بن حنبل ص: ۳۰، ۳۱، السنۃ لللالکائی (۲۴۰)، السنۃ للخلال: ۴۹۸/۳ (ص: ۷۹۲)، شرح أصول اعتقاد و اهل السنۃ والجماعۃ ۱/۱۹۶، ۲۰۳۔ الصارم المسلول (ص: ۵۶۷-۵۸۷)، السنۃ لابن أبي عاصم: ص: ۲۱۷ تا ۶۴۸ ط۔ المکتب الاسلامی صریح السنۃ لأبی جہر محمد بن جریر الطبری مع اتحاف الأمة للدكتور أحمد عبد الرحمن النقیب ص: ۶۶ تا ۷۶، ایشار الحق علی الخلق: ص: ۴۶۱ لأبی عبد اللہ محمد بن المرتضیٰ الیمانی۔ لوائح الأنوار السنیۃ ولوائح الأفكار السنیۃ ۱/۳۶۹ للعلامة: محمد بن أحمد السفارینی ط۔ مکتبہ الرشد۔ الاعتقاد للبيهقي ص: ۴۳۷ ط دار ابن حزم، کتاب الشریعة لأبی بکر محمد بن الحسن الآجری ۴/۱۶۳ تا آخر ط۔ دار الوطن الرياض۔ الحجۃ فی بیان المحجۃ ۳۱۹/۲-۳۷۸۔ دار الراية الرياض، أصول الدین ص: ۲۹۸-۳۰۴ لابی منصور التمیمی۔

مقالہ رمانیہ

معارج القبول بشرح سلم الوصول: ۲/ ۴۳۹، ۵۰۲۔ للشيخ حافظ بن أحمد حكيم.
ط دار المنار، شره المقاصد لسعد الدين التفتازاني: ۳/ ۵۱۸ ط۔ دار الكتب العلمية، شرح
المواقف للسيد الشريف علي بن محمد الحرجاني: ۸/ ۳۸۵ ط دار الكتب العلمية
مختصر كتاب الموافقه بين أهل البيت والصحابه لأبي القاسم جابر الله الزمخشري، شرح
بدء الامالي لأبي بكر الرازي ص ۲۹۲۔ ص ۳۰۱۔ عقيدة السلف و أصحاب الحديث
للصابعوني، لمعة الاعتقاد لابن قدامه المقدسي۔

الغرض! ائمہ محدثین رحمہم اللہ، متقدمین و متأخرین کی عقائد پر مشتمل کتب میں باقاعدہ
ابواب و فصول کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و ایمان اور ان پر کلام کرنے والے ضال
و مضل لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، امیر المومنین فی الحدیث، رأس الفقہاء و المحدثین امام محمد بن
اسماعیل البخاری نے صحیح بخاری کتاب الایمان میں باقاعدہ باب قائم کیا ”علامة الإيمان
حب الأنصار“ یعنی انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ کی
حدیث لائے کہ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

« آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَ آيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ »

[بخاری، کتاب الایمان، باب علامة الایمان حب الانصار : ۱۷]

”ایمان کی علامت انصار کی محبت ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض ہے۔“

اسی لیے اہل السنہ و الحدیث کے اصول میں سے ہے کہ دل اور زبان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کے بارے میں سالم رکھا جائے۔ یعنی دل کو بغض، خیانت، کینہ، کراہت اور عداوت صحابہ
سے پاک رکھا جائے اور زبان کو سب و شتم، تفسیق و تھلیل اور تکفیر سے بچایا جائے اور صحابہ کرام
کے متعلق ایسے کلمات کہے جائیں جو ان کی علوشان کے لائق ہوں اور اگر کوئی شخص اپنے دل
اور زبان کو ان امور قبیحہ سے پاک و صاف نہیں رکھتا وہ اہل البدع میں سے ہے۔ ملاحظہ ہو
(اتحاف الأمة بشرح صریحه السنة ص: ۶۷ ط دار الدعوة الاسلامیہ) لہذا دل و دماغ
کی طہارت اور زبان کی پاکیزگی کے ساتھ ان کا ذکر کیا جائے، اس لیے کہ وہ ایک ایسی قوم
تھے جنہوں نے آپ کی صحابیت کا شرف حاصل کیا اور آپ کی اور دین اسلام کی نصرت و

مقام صحابہ (رضی اللہ عنہم)

حمایت، حفاظت و صیانت کی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھائی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی دعوت اور جہاد کو اقطار عالم میں زندہ و جاوید رکھا اور وہ لوگ اپنے علاقوں میں کم ہی فوت ہوئے بلکہ خطہ ارضی پر دور دراز علاقوں میں جہاد کرتے ہوئے اکثر جام شہادت نوش کر گئے اور آپ کی حیات طیبہ کے بعد ان کی سیرت و کردار ہمارے لیے بہت بڑی راہنمائی ہے اور نبوت کے بعد دیگر لوگوں میں سب سے پاکیزہ اور طہارت سے لبریز دلوں والے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے:

«إِنَّ اللَّهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ فَابْتَعَتْهُ بِرِسَالَتِهِ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَجَعَلَهُمْ وَرَرَاءَ نَبِيِّهِ يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ»

[مسند أحمد: ۱/۳۷۹، ح: ۳۵۹۹، المعجم الكبير (۸۵۹۳، ۸۵۸۲)، كشف الأستار: (۱۳۰)، مسند طيالسي: (۲۴۶)، حلية الأولياء: (۱/۳۷۵، ۳۷۶) الفقيه والمتفقه (۱/۱۶۶، ۱۶۷)، فضائل صحابة للإمام أحمد بن حنبل رحمه الله، الاعتقاد للبيهقي: ص ۴۴۸]

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر محمد ﷺ کا دل پایا، انھیں اپنے لیے چن لیا، پھر اپنی رسالت کے ساتھ انھیں مبعوث کیا، پھر محمد ﷺ کے دل کے بعد بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو اصحاب محمد کے دلوں کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا انھیں اپنے نبی کے مددگار بنا دیا، وہ اللہ کے نبی کے دین پر قتال کرتے رہے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب قرآن و سنت میں بے شمار موجود ہیں۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

﴿وَالشُّقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبة: ۱۰۰]

”اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جنہوں نے اچھے طریقے سے ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبة: ۱۱۱]

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے اس کے بدلے کہ یقیناً ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے تو اپنے اس سودے پر خوب خوش ہو جاؤ جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَعْرَةَ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [الحشر: ۹]

مقام صحابہ (جنت)

”اور (ان کے لیے) جنہوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنا لی ہے، وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچالیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔“

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالُهُمْ يُبْتَغُونَ أَفْضَلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾

[الحشر: ۸]

”(یہ مال) ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [البقرة: ۲۱۸]

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“

﴿قَالَتِئِنَّ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُودُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَاتِلُوا لَكُفْرَانَ عَنْهُمْ سَيَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَ لَهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَوْ أَنَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَنَبْذُلَهُمْ خَيْرًا حَسَنًا﴾ [آل عمران: ۲۱۸]

”تو وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انھیں میرے راستے میں ایذا دی گئی اور وہ لڑے اور قتل کیے گئے، یقیناً میں ان سے ان کی برائیاں ضرور دور کروں گا اور ہر صورت انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا

جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، اللہ کے ہاں سے بدلے کے لیے، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اچھا بدلہ ہے۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِعَهْدِهِمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾

[الانفال: ۷۲ تا ۷۵]

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ! ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمھارے لیے ان کی دوستی میں سے کچھ بھی نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے، مگر اس قوم کے خلاف کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور اللہ اسے جو تم کر رہے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں،

مقام صحابہ (رضی اللہ عنہم)

انہی کے لیے بڑی بخشش اور باعزت رزق ہے۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم ہی سے ہیں، اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَلَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خُلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [التوبة : ۲۰ تا ۲۲]

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ کے ہاں درجے میں زیادہ بڑے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی طرف سے بڑی رحمت اور عظیم رضامندی اور ایسے باغوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمت ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ بے شک اللہ ہی ہے جس کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَنْبُوْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۚ وَلَا جَزَاءَ لَاجِرٍ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ [النحل : ۴۱، ۴۲]

”اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر وطن چھوڑا، اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا، بلاشبہ ہم انہیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور یقیناً آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے۔ کاش! وہ جانتے ہوتے۔ وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَهُمْ جَاہِدُوا وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ رَبَّكَ

مَنْ بَعْدَهَا لَعَفُوزٌ تَرَجِيمٌ ﴿ [النحل : ۱۱۰]

”پھر بے شک تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے وطن چھوڑا، اس کے بعد کہ فتنے میں ڈالے گئے، پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، یقیناً تیرا رب اس کے بعد ضرور بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لِكُرْبَتِهِمْ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۵۸﴾﴾
[الحج : ۵۸]

”اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں وطن چھوڑا، پھر قتل کر دیے گئے، یا مر گئے یقیناً اللہ انہیں ضرور رزق دے گا اچھا رزق اور بے شک اللہ ہی یقیناً سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔“

﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿۵۹﴾﴾ قَالُوا لَيْسَ اللَّهُ بِهِ أَشْيَءٌ فَأَعْقَبُوا عَنْهُمْ ﴿۶۰﴾﴾ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا ذَكِيًّا ﴿۶۱﴾﴾ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ فَهُوَ جَارٌ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولُهُ ثُمَّ يَذَرُكَ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ﴿۶۲﴾﴾ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا رَحِيمًا ﴿ [النساء : ۹۸ تا ۱۰۰]

”مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔ تو یہ لوگ، قریب ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔ اور وہ شخص جو اللہ کے راستے میں ہجرت کرے، وہ زمین میں پناہ کی بہت سی جگہ اور بڑی وسعت پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، پھر اسے موت پالے تو بے شک اس کا اجر اللہ پر ثابت ہو گیا اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“

﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا فِي سَاعَةِ

مقام صحابہ (رحمۃ اللہ علیہم)

الْعُسْرَةَ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فِرْعَوْنَ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ
رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ﴿التوبة: ١١٧﴾

”بلاشبہ یقیناً اللہ نے نبی پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی اور مہاجرین و انصار پر بھی، جو تنگ دستی کی گھڑی میں اس کے ساتھ رہے، اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر وہ ان پر دوبارہ مہربان ہو گیا۔ یقیناً وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ أَوْفَاءً سَمِعًا يُبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا نَسِبًا لَهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مَنْ أَكْرَمَ الشُّجُودَ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي الشُّرُورِ﴾ وَكَأَنَّهُمْ فِي الْإِنجِيلِ ﴿كَرَزِمَ أَخْرَجَ شَطَاةَ قَائِرَتِهِ فَاسْتَفْظَلَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغْفِظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح: ٢٩]

”محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کوئیل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدی کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔“

﴿فَلْيَصْحُقْهُوا قَلِيلًا وَلَا يَبْكُوا كَيْدًا جَزَاءَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

[التوبة: ٨٢]

”پس وہ بہت کم ہمیں اور بہت زیادہ روئیں، اس کے بدلے جو وہ کمائی کرتے رہے ہیں۔“

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو جنتی قرار دیا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضَّرَمِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ دَرَجَتٌ فِيهِ وَمَغْفِرَةٌ وَرَحْمَةٌ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

[النساء: ۹۵، ۹۶]

”ایمان والوں میں سے بیٹھ رہنے والے، جو کسی تکلیف والے نہیں اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اپنی طرف سے بہت سے درجوں کی اور بخشش اور رحمت کی۔ اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾

[الحديد: ۱۰]

”تم میں سے جس نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی وہ (یہ عمل بعد میں کرنے والوں کے) برابر نہیں۔ یہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جنگ کی اور ان سب سے اللہ نے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، خوب باخبر ہے۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا يُبْعَدُونَ ۖ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خُلَدُونَ ۖ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾

[الانبیاء: ۱۰۱ تا ۱۰۳]

”بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے بھلائی طے ہو چکی، وہ اس سے دور رکھے گئے ہوں گے۔ وہ اس کی آہٹ نہیں سنیں گے اور وہ اس میں جسے ان کے دل چاہیں گے، ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ انھیں سب سے بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی اور انھیں (آگے سے) لینے کے لیے فرشتے آئیں گے۔ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔“

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۖ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَ وَهِيَ لَوْ كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ [الفتح: ۱۸، ۱۹]

”بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہو گیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔ اور بہت سی غنیمتیں، جنہیں وہ حاصل کریں گے اور اللہ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“

﴿وَاصْبِرْ لِنَفْسِكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۚ وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلَ قَلْبُهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ [الكهف: ۲۸]

”اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھ جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے

پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں اور تیری آنکھیں ان سے آگے نہ بڑھیں کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت چاہتا ہو اور اس شخص کا کہنا مت مان جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام ہمیشہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔“

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَكَتُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ [الأنعام: ۵۲]

”اور ان لوگوں کو دور نہ ہٹا جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں، تجھ پر ان کے حساب میں سے کچھ نہیں اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر کچھ ہے کہ تو انھیں دور ہٹا دے، پس تو ظالموں میں سے ہو جائے۔“

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحِهِمْ فَمِنْهُ يُؤَيِّدُ خُلُوفَهُمْ جَلَّتِ تَجَرِبِي مِنْهُمَا إِلَّا نَجَرُ خُلْدِيَيْنَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [المجادلة: ۲۲]

”تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی

مقام صحابہ (رضی اللہ عنہم)

ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، یاد رکھو! یقیناً اللہ کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔“

قرآن حکیم میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اپنی رضا اور رضوان کی خبر دی ہے اور انھیں ہمیشہ کے لیے جنتی قرار دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا کہ یہ لوگ بعد میں دین سے ارتداد اختیار کریں گے اور ان کے ایمان و عمل میں کوتاہی ہوگی اور یہ میری ناراضگی والے امور سرانجام دیں گے تو وہ اللہ کی رضا کے اہل نہ قرار پاتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو دیکھ کر لوگوں کے لیے ایک مثال اور نمونہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا﴾ [البقرة: ۱۳۷]

”پھر اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یقیناً ہدایت پا چکے۔“

صحابہ کرام کے ایمان کو محض نمونہ اور مثال ہی قرار نہیں دیا بلکہ ان کے ایمان پر اپنی زبانوں کی گرہ کھولنے والوں پر سفاہت و منافقت اور بے وقوفی کی مہر ثبت کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمْ كَمَا آمَنَ الشُّقَّاءُ الْأَوَّلُهُمْ هُمُ الشُّقَّاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: ۱۳]

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف ایمان لائے۔ خبردار یقیناً وہ خود ہی بے وقوف ہیں لیکن وہ جانتے نہیں ہیں۔“

ان منافقین کے ایک بڑے نے صحابہ کرام کے متعلق اپنی زبان کو حرکت میں لاتے ہوئے گستاخانہ جملہ کہا کہ ﴿لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ [منافقون: ۸] ”اگر ہم مدینہ لوٹ گئے تو اس سے ذلیلوں کو باہر نکال دیں گے۔“ اللہ نے ان کی اس گستاخی کا جواب دیا: ﴿وَاللَّهُ الْعَزِيزُ الْوَسِيلُ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [منافقون: ۸] ”حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے

مقالہ ثانیہ

لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔“ اللہ تعالیٰ نے کتب ساویہ میں جس طرح اپنے آخری نبی محمد ﷺ کا ذکر کیا اسی طرح آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تذکرہ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيئَانَهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاكًا فَانْزَرَاهُ فَانْتَفَخَتْ فَاكُتُومُوا عَلَى سَوَاقٍ يُعْجِبُ الرُّسُلَ لِمُعِظَتِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح: ۲۹]

”محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کوئیل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھنا اور ان کی ذوات مقدسہ پر سب و شتم اور لعن طعن کرنا حرام ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُسُبُّوا أَصْحَابِي»

”میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو۔“

[بخاری: ۳۶۷۳- مسلم: ۲۵۴۱- أبو داؤد: ۴۶۵۸- ترمذی: ۳۸۶۱- ابن ماجہ: ۱۶۱- السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۳۰۸- ابن أبی شیبہ: ۵۴۸/۷- مسند طبرانی: ۲۱۸۳- ابن حبان: ۴۹۹۴، ۷۲۵۳، ۷۲۵۵]

امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں رقم طراز ہیں:

”وَأَعْلَمُ أَنَّ سَبَّ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ حَرَامٌ مِنْ فَوَاحِشِ الْمُحَرَّمَاتِ سِوَاءَ مَنْ لَا بَسَ الْفِتْنِ مِنْهُمْ وَغَيْرُهُ لِأَنَّهُمْ مُحْتَدُونَ فِي تِلْكَ الْحُرُوبِ مُتَاَوِّلُونَ..... وَمَذْهَبُنَا وَ مَذْهَبُ الْجُمْهُورِ أَنَّهُ يُعَزَّرُ وَلَا يُقْتَلُ“

[شرح صحیح مسلم (۱۶۶/۷) ط مکتبۃ البشری کراچی]

”یقین کر لو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینا حرام قابل نفرت محرمات میں سے ہے، خواہ ان صحابہ میں سے وہ لوگ ہوں جو فتن (لڑائیوں) وغیرہ میں ملوث ہوئے، اس لیے کہ وہ ان لڑائیوں میں اجتہاد و تاویل کرنے والے تھے۔ (مجتہد کی خطا عند الاحناف معاف ہے)..... جبکہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے کہ اسے تعزیری سزا دی جائے گی قتل نہیں کیا جائے گا۔“

ان کے اس قول کی دلیل یہ حدیث بھی بنتی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں تھا، وہ ایک شخص پر بہت زیادہ ناراض اور غصے میں تھے۔ میں نے کہا، اے خلیفۃ الرسول! مجھے اجازت دیں میں اس کا سر قلم کر دوں۔ میری اس بات نے ان کا غصہ ختم کر دیا۔ پھر وہ اٹھے اور اندر چلے گئے، کچھ دیر بعد میری طرف پیغام بھیجا اور کہا ابھی تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا، مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں! ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر میں تمہیں حکم دیتا تو کیا تم یہ کام کر گزرتے؟“ میں نے کہا، ہاں۔ تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«لَا وَاللَّهِ! مَا كَانَتْ لِيَشْرِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»
 ”نہیں اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے بعد کسی بشر کے لیے جائز نہیں کہ اسے قتل کیا جائے۔“

[أبو داؤد، الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي صلى الله عليه وسلم : ٤٣٦٣ - نسائي: ٤٠٨٢ - ذخيرة العقبى: ٢٧/٣٢]
 امام احمد ابن حنبل نے کہا: ”سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے جائز نہ تھا کہ وہ کسی شخص کو قتل کر دیتے سوائے ان تین صورتوں میں سے ایک کے کہ جو اللہ کے رسول ﷺ نے کہی ہیں:
 ① ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنا، یعنی مرتد ہو جانا۔ ② شادی کے بعد زنا کرنا۔
 ③ قصاص اور نبی کریم ﷺ کی خاطر جو قتل کیا جاتا ہے۔“ (یعنی گستاخ رسول)
 مولانا خلیل احمد سہارن پوری رقم طراز ہیں:

”وَهَذَا الْحَدِيثُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ غَضَبَ الصَّحَابِيِّ عَلَى أَحَدٍ وَكَذَا غَضَبَ أَحَدٍ عَلَيْهِ وَ سَبَّهُ لَيْسَ بِمُسْتَوْجِبٍ لِكُفْرِهِ وَ قَتْلِهِ“
 [بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد (١٢/٤٢٨)، ط دار البشائر الاسلاميه]
 ”اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابی کا کسی شخص پر غضب ناک ہونا، یا کسی آدمی کا صحابی پر غضب ناک ہونا، یا گالی دینا اس کے کفر اور قتل کا مستوجب نہیں۔“ امام حسن بن علی البرہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَأَعْلَمُ أَنَّهُ مَنْ تَنَاوَلَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْلَمُ أَنَّهُ إِنَّمَا أَرَادَ مُحَمَّدًا قَدْ آذَاهُ فِي قَبْرِهِ“
 ”جان لو! جس شخص نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی کردار کشی کی تو اس نے محمد ﷺ کو ان کی قبر میں اذیت دی۔“

[شرح السنة ص (١١٤) رقم الفقرة: (١٤٨)، طبقات الحنابلة لأبي يعلى القاضي (٣٧/٢)]

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مقام صحابہ (ﷺ)

”مَنْ نَطَقَ فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَلِمَةٍ فَهُوَ صَاحِبٌ هَوَىٰ“ [شرح السنة ص: ۷۵، ۷۴]
 ”جس شخص نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے ایک کلمہ بھی بولا وہ بدعتی ہے۔“

امام ابو زرہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ زَنْدِيقٌ وَذَلِكَ أَنَّ الرَّسُولَ عِنْدَنَا حَقٌّ وَالْقُرْآنَ حَقٌّ وَإِنَّمَا أَذَى إِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ وَإِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يُجَرِّحُوا شُهُودَنَا لِيُبْطِلُوا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَالْجَرِّحُ بِهِمْ أَوْلَىٰ وَهُمْ الزَّانِقَةُ“

[الكفاية في علم الرواية للخطيب ص: ۴۹]

”جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی تنقیص کرتا ہے تو جان لو وہ زندیق ہے، یہ اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں اور قرآن حق ہے۔ قرآن اور سنن رسول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہم تک پہنچائی ہیں، وہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ کتاب و سنت کو باطل قرار دیں۔ یہ زنادقہ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان (دشمن دین لوگوں) پر جرح ہو۔“

نواب محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ راقم ہیں:

”وَصَحَّحَ أَبُو شَكُورٍ السَّالِمِيُّ فِي التَّمْهِيدِ وَعَلِيُّ الْقَارِي وَآخَرُونَ أَنَّ سَبَّهُمَا لَيْسَ بِكُفْرٍ وَخَالَفَ الْمُتَأَخِّرُونَ فَقَالُوا: كُفْرٌ لِإِدْلَةِ قَاطِعَةٍ وَوُجُوهٍ نَاطِقَةٍ تَثْبُتُ فِي ذَالِكَ عِنْدَهُمْ وَهُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ

إِمْعَانِ النَّظَرِ فِي هَذَا الْبَابِ“

[الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح ص: (۱۷۱) ط دار ابن حزم]
 ”ابوشکور السالمی نے ائمہ میں اور ملا علی قاری اور دیگر علماء نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینا کفر نہیں (یعنی ایسا کفر جس سے بندہ اسلام سے خارج ہو کر کافر ہو جاتا ہے) اور متاخرین علماء نے ان سے اختلاف کیا اور کہا ہے کہ یقینی دلائل اور براہین قاطعہ کی بنا پر کافر ہو جائے گا، یہ دلائل ان کے ہاں پایہ ثبوت کو پہنچتے ہیں۔ اس مسئلہ میں بنظر غائر دیکھا جائے تو یہی درست ہے۔“

فقہائے اربعہ میں سے احناف و مالکیہ کی اکثریت صحابہ کو گالیاں دینے والے کی تکفیر کرتی ہے اور فقہائے شافعیہ اور حنبلیہ ان کی تکفیر نہیں کرتے، جیسا کہ: فتح القدیر شرح الہدایۃ (۳۰۴/۱) حاشیہ الشبلی علی تبیین الحقائق (۱۳۵/۱) ط مکتبہ امدادیہ ملتان، غنیۃ المستملی (۴۸) البحر الرائق (۱۲۶/۵) فتاویٰ بزازیۃ علی ہامش الہندیۃ (۳۱۸/۶) فتاویٰ ہندیۃ (۲۶۴/۱) حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص (۱۸۱) مجمع الأنہار (۱۰۸/۱) شرح صحیح مسلم (۱۶۶/۷) ط مکتبہ البشری۔ المغنی لابن قدامۃ (۲۲/۹) ط۔ دار الفکر بیروت وغیرہم کتب فقہ میں مذکور ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے سورۃ الفتح کی آیت ﴿لِيُعْظِیْہُمُ الْکُفَّارُ﴾ سے بغض صحابہ رکھنے والے کی تکفیر کا مسئلہ اخذ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: اللباب فی علوم الکتاب (۵۱۸/۷) ط دار الکتب العلمیۃ، رموز الكنوز فی تفسیر الکتاب العزیز (۳۲۵/۷) للحافظ عبد الرزاق الرسعنی المتوفی (۵۶۶ھ)، تفسیر بغوی (۲۰۷/۴)، أیسر التفسیر ص (۱۴۹۹)، تفسیر قرطبی (۱۹۵/۱۶)، تفسیر ابن کثیر (۶۴۲/۵)۔

راقم کے نزدیک روافض کی تکفیر محض سب صحابہ کی بنا پر ہی نہیں بلکہ قرآن حکیم کی تحریف کا عقیدہ جیسا کہ ان کی معتبر کتب سے ظاہر و باہر ہے اور میری کتاب ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں اس کی کچھ تفصیل موجود ہے اور اماموں کو انبیاء سے اعلیٰ اور برتر ماننا وغیرہ

مقام صحابہ (رضی اللہ عنہم)

جیسے کفریہ عقائد کی بنا پر ہے اور جو لوگ تحریف قرآن کا عقیدہ نہیں رکھتے اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا اعتقاد رکھتے ہیں اور صریح کفر و شرک کے مرتکب نہیں وہ کافر نہیں ہیں، بلکہ فاسق و فاجر ہیں اور واجب التعزیر ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی وجہ سے اسلام اپنی اصل صورت میں محفوظ و مصون ہے، ان پر طعن کرنے کی وجہ سے اسلام داغ دار ہوتا ہے اور اکثر جہلاء و سفہاء محرم الحرام کے بابرکت مہینے میں عاقبت نااندیش، فسادِ قصیدہ خوانوں اور نوحہ گروں کے پیچھے لگ کر امت کے اس عظیم گروہ کو سب و شتم کرتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ انہیں پابند سلاسل کرے اور تعزیری سزا دے، تا وقتیکہ وہ اپنی زبانوں کو لگام دیں اور توبہ و استغفار کر کے راہِ راست پر آجائیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو ضد و ہٹ دھرمی، تعصب مذہبی اور تجمد تقلیدی سے نجات عطا کر کے جادۂ مستقیم پر فائز رکھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم، ائمہ محدثین اور فقہاء کا ادب کرنے والا اور منہج سلف صالحین پر قائم و دائم رکھے اور زندیقیوں و فساد یوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین!

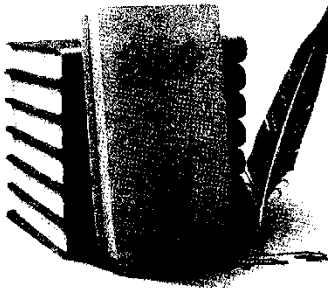


﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِبِشْرِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ﴾ [البقرة: ۱۳۷]

”پھر اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یقیناً ہدایت
پا چکے۔“

ترغیبُ الجہاد

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَلَى أَنْ تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ وَهُوَ
عُذْرٌ لَكُمْ وَعَلَى أَنْ تُجَاهِدُوا أَنْفُسَكُمْ وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُونَ [البقرة: ۲۱۶]



« مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ »

[مسلم، الامارۃ، باب ثبوت الجنة للشہید : ۱۹۰۲]

”جس کے دونوں قدم اللہ کی راہ میں گر دے تو اس پر

اللہ نے دوزخ حرام کر دی۔“

مقدمۃ الجہاد

دین اسلام سراپا سلامتی سے عبارت ہے اور اس کی پانچ بنیادیں ہیں:

① کلمہ شہادت ② نماز ③ روزہ ④ زکوٰۃ ⑤ حج۔

جہاد دین اسلام کی چوٹی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ جبر و ستم، قہر و ظلمت اور بربریت و فساد کے خاتمے کا موثر ترین ہتھیار ہے۔ مظلوموں اور مقہوروں کو عدل و انصاف فراہم کرنے کا سب سے عمدہ اور بہترین ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نیک اور سچا مجاہد بندہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر پختہ ایمان اور شرک کی مکمل نفی کر کے دین اسلام کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ مجاہد ذاتی دشمنی و عداوت کی خاطر نہیں لڑتا اور نہ ہی کسی طاغوت و شیطان کی خاطر جان دیتا ہے، بلکہ خالص اللہ کے دین کی خاطر دین کے دشمنوں سے لڑتا ہے اور دین اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر کفر کے امام کی سرکوبی کرتا ہے، دین اسلام کی خاطر بڑی بڑی فوجوں سے ٹکرا جاتا ہے۔ اس کا اعتماد و توکل اور بھروسہ مادی اسباب پر نہیں ہوتا، بلکہ یہ اپنے معبود برحق، رب العالمین پر توکل و بھروسہ کرتا ہے اور تمام طاقتوں کا سرچشمہ اللہ وحدہ لا شریک کو سمجھتا ہے۔

ہمارے آخری نبی امام اعظم، قائد المجاہدین، محمد رسول اللہ ﷺ نے میدان کارزار میں نکل کر بذاتِ خود کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور بڑے بڑے طواغیت و شیاطین کے ساتھ میدانِ جہاد میں لڑ کر اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے کا عملی سبق دیا اور آپ کی اطاعت و

اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی حیاتِ مستعار کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف (Donate) کر رکھا تھا اور ان کی زبانوں پر یہ ترانہ جاری تھا:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

ہمارے سلف صالحین رضی اللہ عنہم نے جس طرح تلوار ہاتھ میں تھام کر عملاً جہاد میں حصہ لیا اسی طرح انھوں نے جہاد کے احکام و انواع اور مختلف مسائل کو کتاب و سنت کی رُو سے قلم بند بھی کیا۔ جہاد کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب کی مختصر فہرست کچھ یوں ہے:

- ❁ کتاب الجہاد امام عبداللہ بن مبارک ف ۱۸۱ھ
- ❁ کتاب الجہاد امام سعید بن منصور ف ۲۲۷ھ
- ❁ کتاب الجہاد امام ابو سلیمان داؤد بن علی الأصبہانی ف ۲۷۰ھ
- ❁ کتاب الجہاد ابن أبی عاصم ف ۲۸۷ھ
- ❁ کتاب الجہاد امام علامہ ثابت بن نذیر المالکی ف ۳۱۸ھ
- ❁ کتاب الجہاد امام أبو اسحق ابراہیم بن حماد ف ۳۲۳ھ
- ❁ کتاب الجہاد علامہ أبو سلیمان حمد بن محمد الخطابی ف ۳۸۸ھ
- ❁ کتاب الجہاد علامہ أبو بکر محمد بن الطیب الباقلائی ف ۴۰۳ھ
- ❁ کتاب الجہاد علامہ أبو الحسن علی بن طاہر السلمی ف ۵۰۰ھ
- المشتمل علی الحث علیہ والترغیب فیہ
- ❁ کتاب الجہاد امام أبو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر ف ۵۷۱ھ
- ❁ الأربعون فی الحث علی الجہاد
- ❁ فضائل الجہاد علامہ طاہر بن نصر اللہ الحلبي ف ۵۹۱ھ
- ❁ فضل الجہاد حافظ عبد الغنی: المقدسی ف ۶۰۰ھ
- ❁ الجہاد قاسم ابن عساکر ف ۶۰۰ھ
- ❁ أربعون حدیثا فی فضل الجہاد والمجاہدین ف ۶۱۸ھ

ترغیب الجہاد

- أبو الفرج محمد بن عبدالرحمن بن أبي العز الواسطي
- ✽ الانجاد في الجهاد محمد بن عيسى بن محمد الأزدي ف ٦٢٠ هـ
- ✽ فضل الجهاد والمجاهدين أبو العباس أحمد بن عبدالرحمن المقدسي ف ٦٢٣ هـ
- ✽ الجهاد علي بن محمد ابن آثير الجزري ف ٦٣٠ هـ
- ✽ فضائل الجهاد يوسف بن رافع الحلبي ف ٦٣٢ هـ
- ✽ بغية المرتاد في التعريف بسنة الجهاد
- أبو القاسم ابن طيلسان ف ٦٤٢ هـ
- ✽ أحكام الجهاد وفضائله علامه عز بن عبد السلام ف ٦٦٠ هـ
- ✽ مستند الاجناد في آلات الجهاد، بدر الدين ابن جماعة ف ٧٣٣ هـ
- ✽ مختصر في فضل الجهاد، بدر الدين ابن جماعة
- ✽ مختصر كتاب الجهاد امام ذهبي ف ٧٤٨ هـ كتاب قاسم بن علي ابن عساكر في "الجهاد" كاختصاره۔
- ✽ الاجتهاد في طلب الجهاد، حافظ ابن كثير ف ٧٧٤ هـ
- ✽ مشارع الاشواق إلى مصارع العشاق
- أحمد بن ابراهيم المعروف بابن النحاس ف ٨١٤ هـ
- ✽ فضائل الجهاد محي الدين محمد بن عمر ف ٩٣٨ هـ
- ✽ فضائل الجهاد حسام الدين البرسوى ف ١٠٤٢ هـ
- ✽ فضائل الجهاد علي بن مصطفى البوسنوي
- ✽ رسالة الإرشاد إلى أحمد بن يحيى النجمي
- بيان الحق في حكم الجهاد
- ✽ الجهاد والقتال في السياسة الشرعية دكتور محمد خير هيكل

✽ رسول اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ

✽ کتاب الجہاد محمد اقبال کیلانی

ہماری زیر تحقیق کتاب ”ترغیب الجہاد“ مؤلف مولانا خرم علی بلہوری رحمہ اللہ، بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مولانا خرم علی بلہوری رحمہ اللہ پہلے مقلد تھے، پھر اللہ کے فضل و کرم سے تقلید کی طغیانوں سے نکل کر کتاب و سنت کی شاہ راہ عظیم پر گامزن ہوئے اور انھوں نے علمی طور پر جہاد میں حصہ لینے کے لیے سید احمد کی تحریک میں شمولیت اختیار کی اور ایک سوجاہدین کا فوجی دستہ لے کر سرحد پہنچے۔ پھر معرکہ بالا کوٹ اور سید احمد کی شہادت کے بعد ہندوستان واپس پہنچے اور یہاں آکر دعوت و تبلیغ کا کام کیا۔ ۱۲۷۲ھ یا ۱۲۷۱ھ کو آسیون میں وفات پائی۔ انھوں نے درسی کتب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی اولاد سے پڑھی تھیں۔ ان کی علمی کتب میں سے ”غایۃ الأوطار“ ترجمہ در مختار ہے، جس کی وہ تکمیل نہ کر سکے۔ اولاً انھوں نے کتاب النکاح کا ترجمہ کیا، پھر کتاب الحج، پھر ابتدائے کتاب سے ترجمہ و شرح شروع کیا، باب الاذان تک پہنچے تھے کہ داعی اجل کا پیغام آگیا۔ آپ کی وفات کے بعد اس کی تکمیل مولوی محمد احسن صدیقی نانوتوی نے کی۔ اسی طرح ”مشارك الأنوار للصنعانی“ اور ”القول الجمیل“ کا ترجمہ ”شفاء العلیل“ کے نام سے کیا اور توحید و سنت کی نصرت پر مبنی شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی طرز پر ”نصيحة المسلمين“ لکھی۔ ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر: (۷ / ۱۷۸) وغیرہ۔

زیر تحقیق رسالہ ”ترغیب الجہاد“ بھی مولانا خرم علی رحمہ اللہ کے علمی جواہر پاروں میں سے ایک ہے، جو انھوں نے تحریک جہاد کے آغاز میں عوام الناس کو جہاد کی طرف توجہ دلانے کے لیے سپردِ قلم کیا تھا۔ یہ رسالہ اس موضوع پر بڑی اہمیت رکھتا ہے اور جہادی تحریک کے ساتھ اسے تاریخی طور پر خصوصی مناسبت ہے۔

ان کے رسالے کا ذکر مولوی ایوب قادری کی کتاب ”اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ“ اور مشفق خواجہ کی کتاب ”جائزہ مخطوطات“ میں موجود ہے۔ یہ رسالہ چھ ابواب اور

ترغیب الجہاد

ایک خاتے پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں جہاد کی فرضیت، دوسرے باب میں جہاد کے لیے نہ جانے کا وبال، تیسرے باب میں جہاد کی خوبی اور ثواب، چوتھے باب میں شہادت کا ثواب اور شہیدوں کا مرتبہ، پانچویں باب میں جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب اور چھٹے باب میں غازیوں کی مدد اور خدمت گزاری کا ذکر قرآن و سنت کی رو سے کیا گیا ہے، جبکہ خاتے میں جہاد کی رغبت دلانے کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔

یہ رسالہ ان عنوانات پر مختصر اور جامع ہے۔ اس کی اہمیت اور تحریک جہاد سے خصوصی تاریخی حیثیت کے پیش نظر راقم نے اس کی روایات کی مختصر تحقیق و تخریج اور بعض مقامات پر تصحیح بھی کر دی ہے۔ بعض روایات کی تخریج میں نہیں کر سکا کیونکہ رسالہ میں درج ایک کتاب ”شفاء الصدور“ جو شاید ابھی تک طبع نہیں ہوئی، اس کے حوالے بھی موجود ہیں جن کی چھان بھٹک تبھی ممکن ہو سکتی ہے جب اُس تک رسائی ہو، جس بھائی کو یہ روایات مل جائیں وہ خیر خواہی کرتے ہوئے مجھے ضرور آگاہ کرے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کتاب سے اُن لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں اہل حدیث کا کردار جہاد کے حوالے سے صفر (Nil) ہے۔ یہ بات تعصب، ضد، عناد اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے جو کہ جہادِ ہند اور جہادِ کشمیر میں اہل حدیث کی خدمات کا ایک سنہری باب تاریخ میں مذکور ہے۔ جہادِ کشمیر کے روح رواں مولانا فضل الہی وزیر آبادی رحمہ اللہ کی کتاب ”مسئلہ جہادِ کشمیر“ اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ ہمارے اکابرین نے جہادِ ہند و کشمیر میں بھرپور حصہ بھی لیا اور اس پر ابھارنے اور اس کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے لیے انھوں نے کتب بھی تالیف کیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں جہاد کے لیے جو فتویٰ اہل علم سے لیا گیا اس میں سرفہرست اہل حدیث کے سرخیل شیخ الکل المحدث الفقیہ المفسر الاصولی سید میاں نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے دستخط ثبت ہیں۔ آئیے! ہم اس کا ثبوت مخالفین کی کتب سے درج کرتے ہیں:

سید محمد میاں صاحب کی کتاب ”علمائے ہند کا شان دار ماضی“ ص: ۱۷۹، ج، چہارم مطبوعہ

مکتبہ رشیدیہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ”کتاب سوتنزدلی“ یہ ڈاکٹر اظہر عباس صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کی لکھی ہوئی ہندی زبان کی کتاب ہے جس کو حکومت یو۔ پی نے ۱۸۵۷ء کی یادگار میں شائع کیا ہے۔ اس کے آخر میں بہت اہم کاغذات کے عکس بھی چھاپے گئے ہیں، ان کے من جملہ صادق اخبار دہلی مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کا فوٹو بھی ہے۔ اس کے ایک صفحہ پر فتویٰ جہاد بھی موجود ہے۔ مدیر اخبار نے اس فتویٰ کی سرخی یہ دی ہے کہ نقل استفتاء از اخبار الظفر دہلی، اردو۔ اسی طرح یہ فتویٰ جہاد ”نوائے آزادی“ مرتب و شائع کردہ دہلی پبلیشر شعبہ اشاعت انجمن اسلام بمبئی ضمیمہ، ص: ۸ بھی شائع ہوا۔ اس فتویٰ کی عبارت یہ تھی:

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دہلی پر چڑھ آئے اور اللہ اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں، اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ دیگر شہروں اور بستیوں والے ہیں ان کو بھی جہاد میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں؟ بیان کرو اللہ تم کو جزائے خیر دے؟

(جواب) در صورت مرقومہ جہاد فرض عین ہے، اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے، اور استطاعت ضروری ہے اس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اب اس شہر والوں نے طاقت، مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع، افواج کے مہیا اور آلات حرب موجود ہونے کے۔ تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف و احوال کے لوگوں پر جو دُور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں! اگر اس شہر کے لوگ مقابلے سے باہر ہو جائیں یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں اُن پر بھی فرض ہو جائے گا اور اسی طریقہ اور اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہوگا اور جو عدو (دشمن) ان بستیوں پر ہجوم اور قتل و غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض عین ہو جائے گا، بشرط ان کی طاقت کے۔ [العبد المجیب احقر: نور جمال عفی عنہ]

ترغیب الجہاد

اس فتوے پر تینتیس (۳۳) علماء کے دستخط ثبت ہیں، جن میں سرفہرست سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، دیکھیں: ① علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج چہارم، ص: (۱۷۸)، ② علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی ص: (۲۲۱، ۲۲۰)، مؤلف محمد سعید الرحمن علوی ③ انگریز کے باغی مسلمان، ص: (۲۹۳، ۲۹۲) مؤلف جانباز مرزا ④ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، مؤلف ایوب قادری۔

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہو گیا کہ جہاد ہند میں انگریز کے خلاف برسرِ پیکار ہونے والے اور فتویٰ جہاد پر سب سے پہلے دستخط کرنے والے اہل حدیث بزرگ تھے اور آج بھی اہل حدیث کا جہاد میں کردار نمایاں اور واضح ہے۔

جہاد دین اسلام کا حصہ ہے بلکہ اسلام کی چوٹی ہے تو قرآن وحدیث کے متوالے اور داعیانِ توحید وسنت اس سے پیچھے کیسے رہ سکتے ہیں؟

مولانا خرم علی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب بھی اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ جہاد پر ابھارنے اور قتال میں شریک ہونے کے لیے اہل حدیث پیش پیش ہیں، لہذا معاندین و متعصبین کو عدل وانصاف سے کام لینا چاہیے اور صحیح حقائق کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب، میرے والدین، اہل وعیال، اساتذہ کرام اور دیگر تمام بھائیوں کو جو اس کارِ خیر میں حصہ لیتے ہیں، اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

ابوالحسن مبشر احمد ربانی



ترغیب الجہاد

اس قادر مطلق کے لیے بے شمار حمد جو پڑ بت کورائی کرے اور رائی کو پڑ بت کرے۔ جو مجھ سے نمرود کو مروا ڈالے اور جس کی مدد سے موسیٰ علیہ السلام فرعون جیسے ظالم بادشاہ کو ملک مصر سے نکالے، جس قوم کو چاہے ملک کا مالک بنا دے اور پھر جب چاہے تو ایک پل میں مٹا دے۔ اور تحفہ درود اس کے رسول کریم ﷺ پر جنھوں نے پہلے کافروں کو نرمی سے سمجھایا، جب نہ سمجھے تب جہاد کیا اور ان کی آل اور اصحاب پر، جنھوں نے جہاد کے ذریعے عرب سے عجم تک کو اسلام سے آباد کیا۔

اب ہندوستان میں کفر کا بہت غلبہ ہو گیا ہے۔ سکھ قوم لاہور وغیرہ میں مدت سے حاکم ہے اور بہت ظلم کرتی ہے۔ ہزاروں مسلمانوں کا ناحق خون کیا، ہزاروں کو بے عزت کیا اور اذان کہنا اور گائے ذبح کرنا بالکل موقوف کر دیا۔ جب ان کا ظلم حد سے گزرا تو سید احمد رضاؒ صرف اسلام کی حمایت کے واسطے نہ کہ ملک اور مال کی طمع سے، اللہ پر بھروسہ کر کے چند مسلمانوں کے ہمراہ کابل، قندھار اور پشاور کی طرف گئے اور اس طرف مسلمانوں کو غفلت سے جگایا اور ہمت دلائی۔ ہزاروں مسلمان اللہ کی راہ میں مستعد ہوئے، اور ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) سے سکھ کفار سے جہاد شروع کیا۔

سید احمد رضاؒ کی نیک نیتی سے حق تعالیٰ نے چار بار لشکر اسلام کو پے در پے فتح دی اور کافروں کو شکست فاش ہوئی۔ لیکن پھر بھی مسلمان تھوڑے ہیں، نہ ان کے پاس ملک، نہ مال اور کافر صاحب ملک و مال، جس کی فوج ہی تین لاکھ سوار اور پیادہ ہے۔ اب مسلمانوں

ترغیب الجہاد

پرفرض ہے کہ جلد لشکرِ اسلام میں شریک ہوں، لیکن ہندوستان کے اکثر مسلمان جہاد کے مضمون سے واقف نہیں کہ جہاد کسے کہتے ہیں اور یہ ہم پرفرض ہے یا نہیں؟ جہاد کا کتنا ثواب ہے اور اس میں نہ جانا کتنا عذاب؟ تو اس بنا پر اس خیر خواہ اسلام کے دل میں آیا کہ قرآن مجید اور حدیث مبارکہ سے کچھ جہاد کا حال لکھوں اور اس کا ترجمہ ہندی زبان میں کروں تاکہ سب مسلمان اسے سمجھیں اور جہاد کے لیے مستعد ہو جائیں۔

الحمد للہ! میرا ارادہ پورا ہوا اور یہ رسالہ ”ترغیب الجہاد“ چند روز میں تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس رسالے کو اپنی رحمت سے مقبول کرے اور مسلمان اسے پڑھ کر گھر بار کی محبت کو چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ آمین یا رب العالمین!



جہاد کی فرضیت

کافروں کو مستعد ہو کر دین اسلام سکھانا، جب نہ مانیں تو ان سے جان و مال سے لڑنے کو شریعت میں ”جہاد“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَلَىٰ أَنْ تَذْكُرُوا شَيْئًا وَهُوَ حَيْثُ لَكُمْ
وَعَلَىٰ أَنْ تُجَاهِدُوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

[البقرة: ۲۱۶]

”تم پر لڑنا لکھ دیا گیا ہے، حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

یعنی جہاد کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے کہ سب دوسرے دین والوں پر غلبہ ہو، لیکن تمہارے نفس کو بہ سبب تکلیف جان و مال برا لگتا ہے، جیسے بیمار کو کڑوے علاج برے لگتے ہیں، مگر جب کڑوی دوا کھالی جائے تو اچھا ہو جاتا ہے اور اللہ کی راہ میں نہ جانا تم کو اچھا لگتا ہے، جیسے ہیضہ کے مریض کو کھانا پینا اچھا لگتا ہے، مگر اس کے حق میں کھانا پینا برا ہے۔ آخر کار اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے، تم کیا جانو؟ جب نبی ﷺ کے دور میں جہاد فرض ہوا تو رب تعالیٰ نے جہاد کا ثواب بیان فرمایا اور جنت کا وعدہ کیا، سب اہل ایمان دنیا سے بے رغبت ہو گئے اور جان و مال سے جہاد کے لیے مستعد ہو گئے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض ہے، مشقت کے خیال سے اس میں سستی کرنا بہتر نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ترغیب الجہاد

«الْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ»

[أبو داؤد] ①

”تم پر ہر مسلمان سردار کے ساتھ جہاد واجب ہے وہ نیک ہو یا بدکار اور نماز ہر مسلمان نیک و بد کے پیچھے (پڑھنا) تم پر واجب ہے، اگرچہ (وہ امام) کبیرہ گناہ کا مرتکب کیوں نہ ہو۔“

یعنی جیسے ہر مسلمان کا نماز پڑھنا درست ہے، خواہ امام متقی ہو، خواہ فاسق، اسی طرح امیر کے ساتھ مل کر جہاد کرنا فرض ہے، البتہ مسلمان امیر کے ساتھ ضروری ہے۔ امیر کا معصوم ہونا کوئی شرط نہیں، جیسے شیعہ کہتے ہیں۔ ایسے سبب مدام دولت جہاں سے محروم ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سردار کے بغیر بلوائی اور بظلم کی طرح جہاد درست نہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ مسلمانوں میں سے اولاً ایک شخص کو اپنا امام اور امیر بنا لینا چاہیے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«الْجِهَادُ مِنْذُ بَعَثَنِي اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى أَنْ يُقَاتَلَ آخِرُ أُمَّتِي الدَّجَالِ»

[أبو داؤد، الجہاد، باب في الغزو مع أئمة الجور : ٢٥٣٣ - يهقي : ٢١/٣]

یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند متصل نہیں ہے۔ مکحول رحمہ اللہ کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”مَكْهُوْلٌ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَمَنْ دُونَهُ ثِقَاتٌ“ دارقطنی (۱۷۵۰)۔ مکحول نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا اور اس سے نیچے راوی ثقہ ہیں۔ امام ابو داؤد نے خود اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ نصب الرأیۃ (۲/۲۷)۔

اس روایت کے اور شواہد بھی ہیں، لیکن سب ضعیف اور ناقابل حجت ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: العلل المتناہیۃ (۱/۴۲۱ تا ۴۲۸)، التحقیق فی اختلاف الحدیث (۴۷۵)

دارقطنی (۱۷۴۱ تا ۱۷۵۱) نصب الرأیۃ (۱/۲۷۲۶) تحقیق الألبانی علی المشکاۃ (۳۵۱/۱)۔

”جہاد ہمیشہ جاری رہے گا جب سے مجھے اللہ نے پیغمبر بنایا ہے یہاں تک کہ میری پچھلی امت دجال سے لڑے گی۔“ [سنن أبوداؤد، الجہاد] ①

① [أبوداؤد، الجہاد، باب فی الغزو مع أئمة الجور: (۲۵۳۲)، بیہقی: (۱۵۶/۹)، مسند أبی یعلیٰ: (۴۳۱۱، ۴۳۱۲) سنن سعید بن منصور: (۲۳۶۷) یہ روایت بھی ضعیف ہے اس کی سند میں یزید بن ابی عیشہ مجہول راوی ہے، ملاحظہ ہو: الکاشف للذہبی: (۳۹۰/۲)، تہذیب رقم الترجمة: (۸۹۷۳) ۶/۲۲۹، تقریب ص (۳۸۵) وغیرہا] یہ روایت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں چیزیں ایمان کی اصل سے ہیں:

۱۔ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا اس کی تکفیر سے رک جانا اور کسی گناہ کی وجہ سے تو اس کی تکفیر نہ کر اور کسی عمل (بد) کی وجہ سے اس کو اسلام سے نہ نکال۔
۲۔ اور جہاد ہمیشہ جاری رہے گا، جب سے مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے یہاں تک کہ میری پچھلی امت دجال سے لڑائی کرے گی، نہ اسے کسی ظالم کا ظلم روک سکے گا اور نہ ہی کسی عادل کا عدل۔

۳۔ تقدیر پر ایمان لانا، یہ روایتیں اگرچہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہیں مگر ان میں بیان کردہ مسئلہ یعنی فرضیت جہاد اور جہاد کا قیامت تک جاری رہنا دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عَصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»

[رواہ مسلم، مشکوٰۃ، الجہاد: ۳۸۰۱]

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

[مسلم بشرح النووی: (۱۹۴/۲، ۱۹۲) تہذیب الآثار للطبری: (۲۹۴۷)]

”یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، مسلمانوں کا ایک گروہ قیامت تک اس پر قتال کرتا رہے گا۔“

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَاهُمْ»

== حَتَّى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحَ الدَّجَالَ »

[أبوداؤد ، کتاب الجہاد ، باب فی دوام الجہاد۔ المستدرک للحاکم (۴ / ۴۵۰) ، مسند أحمد (۴ / ۴۲۹ ، ۴۳۷) ، ابن ماجہ (۲ / ۲۲۹) ، سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ : (۱۹۵۹)]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے قتال کرتا رہے گا اور وہ اپنے مقابل آنے والوں پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ ان کا آخری گروہ مسیح دجال سے لڑائی کرے گا۔“

مسلم بن نفیل کی حدیث میں ہے :

« كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ - يَا رَسُولَ اللَّهِ أَذَالَ النَّاسُ الْخَيْلَ وَوَضَعُوا السِّلَاحَ وَقَالُوا لَا جِهَادَ قَدْ وَضَعَتِ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ وَقَالَ : كَذَبُوا الْآنَ الْآنَ جَاءَ الْقِتَالُ وَلَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ وَ يُرِيعُ اللَّهُ لَهُمْ قُلُوبَ أَقْوَامٍ وَيَرْزُقُهُمْ مِنْهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ..... »

کہ ”میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک آدمی نے کہا، اے اللہ کے رسول! لوگوں نے گھوڑوں کو کام کاج میں لگا دیا اور اسلحہ اتار پھینکا اور کہنے لگے اب جہاد نہیں، یقیناً جنگ ختم ہو چکی ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ اپنے چہرے کے ساتھ متوجہ ہوئے اور فرمایا: انھوں نے غلط کہا، قتال تو اب شروع ہوا ہے اور میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اقوام کے دل ان کے لیے مائل کر دے گا اور ان سے رزق دے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔“

[نسائی ، کتاب الخیل والسبق والرمی ، باب الخیل معقود..... : (۳۵۹) واللفظ لہ۔ مسند أحمد : (۴ / ۱۰۴) ، المعجم الکبیر للطبرانی : (۶۳۵۷ ، ۶۳۵۸ ، ۶۳۶۰) ، السلسلۃ الصحیحہ : (۱۹۹۱)] ان تمام احادیث صحیحہ سے طائفہ منصورہ کے قیامت تک قتال فی سبیل اللہ کرنے کا ذکر ہے۔ جو دوام جہاد کی بڑی واضح دلیل ہے۔ اور یہ جہاد دجال

بعض جاہل یوں کہتے ہیں کہ جہاد محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ختم ہو گیا۔ اب جہاد کا زمانہ نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے بلکہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور کسی کے مٹانے سے نہیں مٹے گا۔

= کے قتل اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک رہے گا اسے کسی ظالم کا ظلم، فاسق کا فسق، فاجر کا فجور اور عادل کا عدل ختم نہیں کرے گا، لہذا طائفہ منصورہ میں شمولیت کے لیے جہاد و قتال کے فریضے سے صرف نظر کرنا اور غفلت برتنا درست نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اذن جہاد و قتال ملنے سے لے کر عصر حاضر تک تمام علمائے حق اور داعیانِ کتاب و سنت، اصحابِ الحمد یث اپنی اپنی ہمت و بساط کے مطابق اس میں حصہ لیتے رہے ہیں اور تا قیام قیامت اس فریضے کو نبھاتے رہیں گے۔ روہ لوگ خوش نصیب اور عالی قسمت ہیں جو جہاد اور مجاہدین کا ساتھ دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ جہاد کا راہی بنا کر شہادتِ عظمیٰ پر فائز کرے اور قیامت کے روز امامِ المجاہدین، سید الاولین والآخرین محمد ﷺ کے جوار میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

اسی طرح سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے بچا لیا ہے۔ ایک گروہ جو ہندوستان سے لڑائی کرے گا اور دوسرا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ مل کر لڑائی کرے گا۔ [کتاب الجہاد لابن ابی عاصم: (۶۲۵/۲)، نسائی: (۴۲/۶)]
ان صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ علاوہ ازیں اس معنی پر دلالت کرنے والی اور بھی صحیح روایات موجود ہیں۔



جہاد کے لیے نہ جانے کا وبال

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
اقتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكَنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ [التوبة: ٢٤]

”کہہ دے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو لوگ ماں، باپ، بیوی، اولاد، مال، کاروبار اور مکانوں کی محبت میں پڑے ہیں اور جہاد میں شریک نہیں ہوتے ان کو ضرور عذاب الہی (قحط، بیماری اور وبا وغیرہ) ہوگا، وہی لوگ فاسق اور ہدایت الہی سے بے نصیب ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ عز و جل فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْبَشَرُ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
عَامِهِمْ هَذَا ۖ وَإِنْ خِفْتُمْ عِيلَةً فَسَوْفَ يُعْزِلُكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنْ شَاءَ ۚ
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [التوبة: ٢٨]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ مشرک لوگ ناپاک ہیں، پس وہ

اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اور اگر تم کسی قسم کے فقر سے ڈرتے ہو تو جلد ہی اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اگر اس نے چاہا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“

کچھ نہیں دنیا کے مزے جیسے یہاں مٹی کا کھیل، جس کی کچھ حقیقت اور پائیداری نہیں۔ سو اس چند روزہ دنیا پر عیش کرنا اور آخرت کو جسے کبھی فنا نہیں، چھوڑنا نادانوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ [التوبة: ۲۹]

”لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔“

پھر اگر تم جہاد میں نہ جاؤ گے، سستی کرو گے تو اور لوگوں سے اپنے دین کو غالب کرے گا اور تم اپنی سستی کی وجہ سے سخت عذاب میں پڑو گے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار نبی ﷺ نے ایک عرب قبیلے کو جہاد کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے جہاد پر جانا قبول نہ کیا، اس برس اللہ تعالیٰ نے ان پر پانی نہ برسایا۔ اس لیے ان پر قحط پڑا۔^①

① امام ابن جریر، ابن ابی حاتم اور امام ابن مردودہ رحمہم اللہ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرمی کے موسم میں جہاد پر نکلنے کا حکم دیا تو لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! گرمی شدید ہے اور ہم نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ ﷺ گرمی میں نہ نکلیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”کہہ دیجیے جہنم کی گرمی اس سے بہت سخت ہے، کاش! یہ سمجھتے۔“ [فتح القدیر: (۳۸۹/۲)، تفسیر ابن ابی حاتم: (۱۸۵۵/۶)] لیکن مذکورہ روایت مجھے نہیں ملی، واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِ هِمِّ خَلْفِ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ﴾ [التوبة: ۸۱]

”وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اللہ کے رسول کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہو گئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کریں اور انھوں نے کہا، گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دے جہنم کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ سمجھتے ہوتے۔“

سچے مسلمانوں کا یہ طریق نہیں، اس واسطے کہ سچے مسلمان تو جب آتش دوزخ کی گرمی اور عذاب کا تصور کرتے ہیں تو جہاد کی راہ کی تمام تکلیفیں بھول جاتے ہیں اور سب مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ اللہ کی راہ میں نہ کچھ گرمی سردی ان کو روکے، نہ برسات قدم ہٹائے۔ ہر چند یہ آیتیں نبی ﷺ کے وقت میں ان لوگوں کے متعلق اتری تھیں، لیکن جہاد تو قیامت تک جاری ہے۔ پھر جوان کی طرح جہاد میں سستی کرے گا وہ بھی انہی میں گنا جائے گا۔ مطلب کام سے، نہ کہ نام سے!!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پچھلے زمانہ میں ایسی قوم ہوگی جو جہاد کو کچھ نہیں سمجھے گی اور رب نے یہ ٹھانا ہے کہ جو بندہ ایسی سمجھ والا اس کو ملے گا تو اس کو ایسے ماروں گا کہ ایسی سخت مارتام عالم میں کسی کو نہیں۔“ (ابن عساکر) ①

① [الأربعون في الحث على الجهاد لابن عساکر الحديث السادس عشر (ص ۷۸)، ۷۹] یہ روایت انتہائی کمزور ہے، اس کی سند میں فضل بن عیسیٰ کا حال معلوم نہیں اور قاسم بن بہرام قابل حجت نہیں۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں: ”لا يجوز الاحتجاج به بحال“ اس کے ساتھ کسی صورت میں بھی حجت پکڑنا جائز نہیں۔ (کتاب المجروحین لابن حبان: ۲/۲۱۴) امام ذہبی فرماتے ہیں: ”له عجائب“ اس کی عجیب و غریب روایتیں ہیں۔ (میزان الاعتدال:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کا انکار کرنا اور جہاد کرنے والوں پر ہنسنا جیسا کہ اس زمانے کے بعض مسلمان بھی کرتے ہیں، نہایت برا ہے، کیونکہ جہاد غلبہ دین کا سبب ہے، جس نے اس کے ساتھ استہزا کیا وہ معاذ اللہ دین محمدی ﷺ کا منکر ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى يَرْجِعُوا دِيْنَهُمْ » ①

”لوگ اللہ کی راہ میں لڑنا چھوڑیں گے تب اللہ ان کو ذلیل کرے گا اور یہ ذلت ان سے اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک وہ اپنے دین میں نہ لوٹیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا: ”جب جس نے جہاد چھوڑا، وہی ذلیل اور بے قدر ہوئے، جیسے آج کے مسلمان کہ نا اتفاقی اور عیش و آرام کے سبب ذلیل اور ناخیر (بے فائدہ) ہو رہے ہیں۔“

= (۳/۳۶۹)، المغنی فی الضعفاء (۲/۲۰۴)، دیوان الضعفاء : (۳۴۰۶) نیز دیکھیں :
 کتاب الضعفاء والمتروکین لابن جوزی : (۳/۱۳)، تنزیہ الشریعة (۱/۹۷)، لسان
 المیزان : (۴/۴۵۸)]

① یہ روایت ان لفظوں سے مجھے نہیں ملی، البتہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ إِلَّا عَمَّهُمُ اللَّهُ بِالْعَذَابِ » ”کسی قوم نے بھی جہاد ترک نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس پوری قوم کو عذاب میں گرفتار کر دیا۔“

[طبرانی اوسط : (۳۸۵۱)، الترغیب والترہیب : (۲/۳۳۱) امام منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، لیکن اس کی سند میں اسماعیل بن ابی خالد مدلس ہے اور یہ روایت معنعن ہے اور علی بن سعید متکلم قیہ ہے۔ المغنی فی الضعفاء : (۲/۸۶)، لسان المیزان : (۴/۲۳۱) و غیر ہما]

نیز کنز العمال : ۲۸۱/۳ (۸۳۳۸) اور تفسیر درمنثور : (۲/۳۳۰) میں ابن مردویہ سے یہی روایت ان الفاظ سے مروی ہے: « مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللَّهُ بِذُلٍّ » ”کسی قوم نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ترک نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت مسلط کر دی۔“

البتہ ترک جہاد پر وعید اس باب میں مذکور سورہ توبہ کی آیت (۳۹) سے ظاہر ہے۔

جہاد کی خوبی اور ثواب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيَهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

[النساء: ۷۴]

”اور جو شخص اللہ کے راستے میں لڑے، پھر قتل کر دیا جائے یا غالب آجائے تو ہم جلد ہی اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔“

نیز فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۖ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [التوبہ: ۲۰ تا ۲۲]

”جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ کے ہاں درجے میں زیادہ بڑے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب انھیں اپنی طرف سے بڑی رحمت اور عظیم رضا مندی اور ایسے باغوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمت ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ بے شک اللہ ہی ہے جس کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔“

یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو تین کاموں کے بدلے دیا: ① ایمان لانے پر ② اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے سے ③ اور جہاد کرنے پر۔ اب جو کوئی ان جیسے کام کرے گا اور ہجرت کر کے جہاد میں شریک ہوگا، اس پر بھی اللہ کی وہی رحمت ہوگی۔ سبحان اللہ! جان بھی اسی کی اور مال بھی لیکن جو اپنی خوشی سے اس کی راہ میں جان اور مال حاضر کرتا ہے تو اس پر اللہ اپنے کیا کیا کرم کرتا ہے۔ اب ایسے قدر دان مالک کو پا کر، گھر باری محبت میں پڑا رہے اور اس کی راہ میں سستی کرے تو وہ بڑا نادان اور نہایت بے نصیب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [التوبة: ۴۱]

”نکو ہلکے اور بوجھل اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔“

یعنی اہل و عیال کی طرف سے ہلکے ہو یا بوجھل، سواری ملے یا نہ ملے، ہتھیار ہوں یا نہ ہوں، جوان ہو یا بوڑھے، دبلے ہو یا موٹے، غرض کہ تم کو آسانی ہو یا مشکل، جہاد ضرور کرنا ہے۔ سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ جب وہ جہاد کو چلے تو لوگوں نے کہا، اے سعید! تم بیمار اور معذور ہو، جہاد میں تمہارا جانا ضروری نہیں۔ فرمانے لگے: قرآن میں ہلکے یا بوجھل کو جہاد کا حکم ہے، اگر مجھ سے لڑائی نہ ہو سکی تو میں لوگوں کے اسباب کی رکھوالی کروں گا اور مسلمانوں کی جماعت بڑھے گی۔ اگر مسلمان ہزار ہیں تو ایک ہزار ایک ہو جائیں گے.....!!

تفسیر نیشاپوری میں یوں روایت ہے کہ ایک ضعیف شخص، جس کی پلکیں بڑھاپے کے باعث لٹک پڑی تھیں، وہ جہاد پر جانے لگا۔ کسی نے کہا، تم نہایت ضعیف ہو، تم پر جہاد لازم نہیں، بولے کہ اللہ نے ہلکے اور بوجھل سب کو جہاد کا حکم کیا ہے۔ (تفسیر طبری: ۹۸/۱۰)

سبحان اللہ! اسلام اس کا نام اور مسلمان اس کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترغیب الجہاد

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۖ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبة: ١١١]

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں، اس کے بدلے کہ یقیناً ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو اپنے اس سودے پر خوب خوش ہو جاؤ جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ روزِ اول سے مسلمان اپنی جان اور مال کو بہشت کے بدلے بیچ چکا ہے اور معلوم ہے کہ جو جس چیز کو بیچ دے وہ اس کے اختیار سے نکل جاتی ہے۔ اب صاف معاملہ کی بات ہے کہ اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں بغیر کسی حیلے اور تکرار کے پیش کریں اور اپنی قیمت وصول کریں۔ سبحان اللہ! عجیب قسمت اس جان اور مال کی، جس کا اللہ خریدار ہوا اور جس کی قیمت بہشت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ [الحجرات: ١٥]

”مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہیں کیا اور انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جہاد میں اپنی جان اور مال پیش کرنے میں سستی کریں، وہ سچے مومن نہیں، بلکہ زبانی اور نام کے مسلمان ہیں!!

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا:

« أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ الْإِيمَانُ بِاللَّهِ، قَالَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْجِهَادُ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَالَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجُّ مَبْرُورٍ » [مسلم، کتاب الایمان] ①

”اعمال میں سے کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ پر ایمان لانا، اس کے بعد جہاد کرنا، اس کے بعد حج مقبول کرنا ہے۔“

معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد جہاد ہی سب کاموں سے بہتر بلکہ حج سے بھی افضل ہے۔
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« مَرَّ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشُعْبٍ

فِيهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٍ فَأَعَجَبَتْهُ لَطِيبُهَا فَقَالَ لَوْ اعْتَرَلْتُ النَّاسَ

فَأَقَمْتُ فِي هَذَا الشَّعْبِ وَلَكِنْ أَفْعَلُ حَتَّى أُسْتَاذِنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ مَقَامَ أَحَدِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ

سَبْعِينَ عَامًا أَلَّا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ أَعْزُوا فِي

سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فُوقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ »

[جامع ترمذی] ②

”صحابہ کرام میں سے ایک شخص پہاڑ کی گھاٹی سے گزرا جس میں میٹھے پانی کا ایک

چشمہ تھا، اسے یہ جگہ پسند آئی تو اس نے کہا کہ کاش! میں سب آدمیوں کو چھوڑ کر

① [مسلم، الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الأعمال : ۸۳۔ بخاری،

الایمان، باب من قال الایمان هو العمل : ۲۶]

② [ترمذی، فضائل الجہاد، باب ما جاء في فضل الغدو والرواح في سبيل الله:

(۱۶۵۰)، مسند أحمد : (۴۴۶/۲)، كشف الأستار : (۲۵۸/۲) (۱۶۵۲)، مستدرک

حاکم : (۶۸/۲) بیہقی : (۱۶۰/۹) اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور

ترغیب الجہاد

اللہ کی بندگی کے لیے یہاں قیام کر لوں، مگر میں یہ (کام) ہرگز نہیں کروں گا جب تک آپ ﷺ حکم نہیں دیں گے، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ (واقعہ) ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”ایسا نہ کر! بے شک اللہ کی راہ میں کھڑا ہونا، یعنی جہاد کرنا، گھر میں ستر برس کی نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش دے اور جنت میں لے جائے؟ اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جو شخص اونٹنی کے دودھ دوہنے کے وقفے کے برابر اللہ کی راہ میں لڑا تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔“

اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں: اول، جو عابد، زاہد جنگل یا بستی میں گوشہ یا چلہ ① کیے ہوئے ہیں، ان پر فرض ہے کہ جب کافروں سے لڑائی شروع ہو تو گوشہ نشینی اور چلہ چھوڑ کر جہاد میں شامل ہو جائیں، اس لیے کہ گوشہ گری اور عبادت کرنا صرف اللہ کی رضا مندی اور

امام حاکم اور امام ذہبی نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابن ابی ذباب ثقہ راوی ہیں۔ لیکن امام مسلم نے ان سے اپنی صحیح میں کوئی روایت نہیں لی اور ہشام بن سعد سے امام مسلم نے شواہد میں روایت لی ہے، جیسا کہ امام حاکم کا اپنا قول ہے۔ [میزان (۲/۲۹۹)، تہذیب رقم: (۸۴۴۶) ۳۰۶/۱] پھر یہ متکلم فیہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ”صدوق لہ اوہام و رمی بالتشیع“ (تقریب: ۳۶۳) یہ سچا ہے اس کے کچھ اوہام ہیں، تشیع کے ساتھ متہم ہے، لہذا اس کی سند کا مسلم کی شرط پر صحیح ہونا تو درست نہیں، البتہ شواہد کی بنا پر یہ حدیث حسن ہے۔ اس حدیث کا ایک شاہد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [طبرانی کبیر (۲۰/۱۰۴) ۲۰۳]، مسند أحمد: (۲۳۵/۵)، داری: (۱۲/۲) ۲۳۹۹، ابوداؤد: (۲۵۴۱)، کتاب الجہاد لابن ابی عاصم (۱۳۶)، (۱۳۷) اور دوسرا شاہد حدیث عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہے۔ [مسند أحمد: (۳۸۷/۴)، مجمع الزوائد: (۲۷۵/۵)] کتاب الجہاد لابن ابی عاصم: (۱۱۳۸) لیکن یہ سند ضعیف ہے، اس کی سند میں عبدالعزیز بن عبید اللہ ضعیف راوی ہے [

① چلہ کشی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابی کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ لہذا جب آپ ﷺ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی تو یہ عمل درست کیسے ہو سکتا ہے۔

مقالہ رمانیہ

ثواب کے لیے ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”جہاد میں کھڑا ہونا ستر برس کی نماز سے بہتر ہے۔“

دوسری بات یہ ہے کہ جہاد سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، تیسری یہ کہ جو ایک لمحہ بھر لڑا، وہ ضرور جنتی ہو گیا۔

حدیث میں ایک واقعہ یوں ذکر ہوا ہے کہ:

”ایک شخص بڑا مال دار تھا، نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے رسول اللہ! مجھے وہ کام بتلائیے جس سے مجھے مجاہدین کے برابر ثواب ملے؟ نبی ﷺ نے پوچھا: ”تیرے پاس کتنا مال ہے؟“ اس نے کہا، چار ہزار اشرفیاں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو سب اللہ کی راہ میں دے تو بھی مجاہدین کی جوتی کی گرد کے برابر نہ پہنچے۔“ ایک دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا:

”اے اللہ کے رسول! مجھے وہ کام بتلائیے جس کے سبب سے مجھے مجاہدین کے برابر ثواب ملے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو رات بھر کھڑا ہو کر نماز پڑھا کرے اور دن بھر روزہ رکھے تو بھی ان کی نیند اور سونے کے برابر نہ سمجھا جائے۔“^①

سبحان اللہ! جب مجاہدین کی جوتی کی گرد اور نیند کا یہ رتبہ ہے کہ چار ہزار اشرفیاں خرچ کرنے سے اور رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر کے روزے سے بہتر ہے تو ایک لڑائی پر عبادت کا ثواب اللہ ہی جانے کیا ہوگا؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مالی یا بدنی عبادت ہرگز جہاد کے برابر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ »

① [سنن سعید بن منصور، الجہاد، باب ما جاء في فضل الجہاد في سبيل الله عز وجل:

(۲۳۰۵)] یہ حسن بصری کی مرسل روایت ہے، نیز اس میں چار ہزار کے بجائے چھ ہزار اشرفیوں

اور جوتی کی گرد کے بجائے جوتی کے تسے کی گرد کا ذکر ہے]

ترغیب الجہاد

”بلاشبہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں تلے ہیں۔“^①

اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ»^②

”جس کے دونوں قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے تو اس پر اللہ نے دوزخ حرام کر دی۔“

یعنی جس کے قدموں پر جہاد کی خاک پڑی اگرچہ وہ زخمی اور شہید نہ ہوا تو بھی اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگئی اور مسند احمد میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کی راہ میں جسے زخم لگے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے شہیدوں کی مہر لگائے گا، پھر اس پر زعفران کے مثل نور ہوگا اور کستوری کے مانند اس کی خوشبو ہو گی۔ اس زخمی کو اس مہر سے دوسرے لوگ پہچان لیں گے اور کہیں گے: دیکھو!

① [مسلم، الامارۃ، باب ثبوت الجنة للشہید: ۱۹۰۲۔ ترمذی، فضائل الجہاد، باب ما ذکر أن أبواب الجنة تحت ظلال السيوف: ۱۶۵۹۔ حلیۃ الأولیاء: ۳۱۷/۲۔ مسند الشہاب: ۱۰۲/۱ (۱۱۸) میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اور بخاری، الجہاد، باب الجنة تحت بارقة السيوف: (۲۸۱۸)، مسلم: ۱۷۴۲۔ أبو داؤد: ۲۶۳۱۔ ترمذی: ۱۷۱۰ میں عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے]

② [بخاری، الجمعة، باب المشي إلى الجمعة: ۹۰۷، و کتاب الجہاد، باب من اغبرت قدماه في سبيل الله: ۲۸۱۱۔ ترمذی، فضائل الجہاد، باب ما جاء في فضل من اغبرت قدماه في سبيل الله: ۱۶۳۲۔ حلیۃ الأولیاء: (۸/۲) شرح السنة: ۳۵۳/۱۰۔ میں ابویس رضی اللہ عنہ سے اور کتاب الجہاد لابن مبارک (۳۲) مسند أحمد: (۳۶۷/۳) ابو یعلیٰ (۵۷/۴) بیہقی: (۱۶۲/۹) موارد الظمآن: (۱۵۸۸) میں جابر رضی اللہ عنہ سے اور کتاب الجہاد لابن أبی عاصم: (۱۱۵)، مسند أبی بکر صديق لأبي بکر المروزي (۲۱) الكامل لابن عدي (۲۰۹۷/۶) میں ابو بکر صديق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لیکن اس کی سند میں کوثر بن حکیم راوی ضعیف ہے]

فلاں شخص پر شہداء کی مہر ہے۔“ ①

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« تَكْفُلَ اللَّهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا جِهَادًا فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَتِهِ بِأَنْ يَدْخُلَهُ الْحَنَّةَ » ②

”اللہ اس شخص کو جنت میں داخلے کی ضمانت دیتا ہے جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اس کو گھر سے جہاد فی سبیل اللہ اور تصدیق کلمۃ اللہ کے سوا کسی امر نے نہیں نکالا۔“

مسلمانوں کا جہاد میں کسی طرح کا نقصان نہیں، اگر شہید ہو گئے تو جنت ہے اگر فتح یاب ہوئے تو ثواب اور مال ہے۔



① [یہ روایت مسند أحمد : (۴۴۴/۶) میں ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”خَالِدٌ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَلَمْ يَدْرِكْهُ“ مجمع الزوائد (۲۸۸/۵) خالد بن دریک کا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے اور نہ ہی ان کا زمانہ پایا ہے۔ گویا یہ روایت منقطع ہے، لیکن اس معنی کی روایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مسند أحمد : (۲۳۱/۵)، (۲۴۴)، نسائی : (۳۱۴۱)، أبو داؤد : (۲۵۴۱) وغیرہ میں بسند صحیح موجود ہے]

② [مسلم، الامارۃ، باب فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ : (۱۸۷۶/۱۰۴) بخاری : (۳۶) نسائی، الإيمان، باب الجہاد : (۱۱۹/۸)، ابن ابی شیبہ : (۲۸/۵)، ابن ماجہ : (۲۷۵۳)، مسند أحمد : (۲۳۱/۲)]

﴿ شہادت کا ثواب اور شہیدوں کا مرتبہ ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَاقِبُونَ ۚ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۖ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ ۚ وَفَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ [آل عمران: ۱۶۹ تا ۱۷۱]

”اور تو ان لوگوں کو جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیے گئے، ہرگز مردہ گمان نہ کر، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔ اس پر بہت خوش ہیں جو انھیں اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے اور ان کے بارے میں بھی بہت خوش ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ ان کے پیچھے سے نہیں ملے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی طرف سے عظیم نعمت اور فضل پر بہت خوش ہوتے ہیں اور (اس بات پر) کہ بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“
رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

”جو تمھارے بھائی اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، ان کی روحوں کو اللہ سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھے ہوئے ہے، وہ جنت میں سیر کرتے ہیں اور اس کے میوے کھاتے پیتے اور عرش کے نیچے سونے کی قدیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ جب یہ رتبے انھوں نے پائے تو کہنے لگے: کاش! کوئی ہماری طرف سے ہمارے مسلمان

بھائیوں کو پیغام پہنچا دے کہ ہم تو یہاں زندہ ہیں، جنت میں آرام اور سکون سے ہیں تو وہ لوگ بھی دنیا کی محبت چھوڑ کر جہاد میں مستعد ہو جائیں اور سستی نہ کریں۔“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہم تمہارا پیغام ان کے پاس پہنچا دیں گے، تب یہ آیت اتاری اور شہیدوں کا مرتبہ بیان فرمایا۔“^①

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ شہیدوں کا مرنا، ایک طرح کی زندگی ہے اور دوسرے مردوں کے برعکس کھانا پینا اور جنت کی خوشی اور مکمل نعمتیں ہیں اور لوگوں کو اگرچہ اولیاء ہوں قیامت کے بعد جنت ملے گی۔

اسی طرح ایک اور جگہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”قیامت میں لوگ حساب دینے کے لیے کھڑے ہوں گے تو ان کا ایک گروہ کندھوں پر خون سے نیکتی تلواریں رکھے، جنت کے دروازے پر ہجوم کرے گا۔ پوچھا جائے گا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو کہا جائے گا، یہ شہید ہیں، اسی لیے زندہ تھے۔“^②

① [أبوداؤد، الجہاد، باب فضل الشہادۃ : ۲۵۲۰۔ مستدرک حاکم : (۸۸/۲)، مسند أحمد : (۲۶۶/۱)، ترمذی : (۳۰۱۰)]

② [مجمع الزوائد، الجہاد، باب ما جاء فی الشہادۃ وفضلها : (۲۹۸/۵) نیز دیکھیں، المعجم الأوسط : (۲۰۱۹) اس کی سند میں فضل بن یسار ہے، جسے امام عقیلی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مجمع الزوائد : (۱۰۲/۱)، الضعفاء الکبیر : (۴۹۵۱/۱) ۴/۴۵۲ اور حسن بصری رحمہ اللہ کی تدلیس بھی ہے جس کی بنا پر یہ روایت ضعیف ہے۔ اگرچہ امام منذری رحمہ اللہ نے الترغیب والترہیب : (۳۱۸/۲) میں اسے حسن قرار دیا ہے]

نوٹ! طبرانی اوسط کے مطبوعہ نسخے میں راوی کا نام فضل بن یسار ہے، جبکہ صحیح فضل بن یسار ہے جیسا کہ مجمع الزوائد (۲۹۸/۵) میں ہے۔ شہید سے حساب نہیں ہوگا، اس معنی کی ایک حدیث بند حسن نعیم بن ہمار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا: کون سے شہداء افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ دشمن کے ساتھ میدان جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں لیکن اپنے چہرے نہیں پھیرتے یہ لوگ جنت کے بالا خانوں میں چلیں گے، ان کی طرف تیرا پروردگار دیکھ کر ہنستا ہے اور جب تیرا پروردگار کسی بندے کی طرف دیکھ کر ہنسے تو اس پر

ترغیب الجہاد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہیدوں پر حساب نہیں ہوگا۔ قیامت میں سب لوگ اپنے مال میں گرفتار ہوں گے جبکہ شہید بڑی شان سے بے خوف تلواریں لیے سیر کرتے پھریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُشَفَّعُ الشَّهِيدُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِي بَيْتِهِ» ①

”شہید اپنے گھر کے ستر افراد کو بخشوادے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص جہاد کا ارادہ کرے، اس کے ماں، باپ، بیوی اور بچوں کے حق میں بہتر ہے کہ اس کو نہ روکیں۔ اس لیے کہ اگر زندہ رہا تو پھر ان کے گھر میں رہا اور اگر شہید ہوا تو ان سب کو بخشوائے گا اور عذابِ دوزخ سے بچائے گا اور گھر میں پڑا رہا تو آخر ایک دن مر جائے گا، پھر یہ رتبہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو کیسے ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ حِصَالٍ يُعْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيُرَى مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيَجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَرْعِ الْأَكْبَرِ وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ» ②

کوئی حساب نہیں ہے۔“

● [کتاب الجہاد لابن أبي عاصم: (۲۲۸، ۲۲۹)، سنن سعید بن منصور: (۲۵۶۶)، مسند أحمد: (۲۷۸/۵) امام الشرف الدیلمی نے التجر الرابع ص (۳۸۳) میں لکھا ہے: ”رواہ أحمد و أبو یعلیٰ بإسنادین جیدین“ اس حدیث کو امام احمد اور ابو یعلیٰ نے دو جید سندوں سے روایت کیا ہے]

● [أبوداؤد، الجہاد، باب فی الشہید یشفع: (۲۵۲۲) بیہقی: (۱۶۴/۹)، ابن حبان: (۱۶۱۲) عن أبي الدرداء۔ شیخ حسین سلیم اسد نے الموارد الظمان کی تحقیق میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ (۱۹۶/۵) اور امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس مفہوم کی حدیث اس کے بعد آ رہی ہے]

”شہید کو اول یہ کہ پہلی بار کیے ہوئے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ اپنا جنت کا مکان دیکھ لیتا ہے، تیسرے یہ کہ عذابِ قبر سے پناہ میں ہوتا ہے، چوتھے یہ کہ قیامت کے بڑے خوف سے نڈر ہوگا اور اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا، جس کا ایک یا قوت دنیا بھر کی قیمت سے بہتر ہے، پانچویں یہ کہ اس کے نکاح میں بہتر (۷۲) حوریں بڑی آنکھوں والی ہوں گی، چھٹے یہ کہ اپنی برادری کے ستر (۷۰) آدمی بخشوا دے گا۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الشَّهِيدُ لَا يَجِدُ مَسَّ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ الْفَرَصَةَ يُقْرِضُهَا»^①

”شہید قتل ہونے کی کچھ تکلیف نہیں پاتا مگر جیسا کہ تم کو چوٹی کاٹی ہے۔“

شہیدوں کے جو مرتبے جنت میں ہیں سو بے شمار ہیں۔ یہ عجب اللہ کا احسان ہے کہ ان کو شہادت کے وقت بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔



① [ترمذی، فضائل الجہاد، باب فی ثواب الشہید: (۱۶۶۳) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن، صحیح اور غریب قرار دیا ہے۔ مسند أحمد: (۱۳۱/۴)، ابن ماجہ: (۲۷۹۹)، اس کے بعض طرق میں ”وَيُحَلَّى حُلَّةَ الْإِيمَانِ“ بھی ہے، یعنی ”اسے ایمان کے لباس سے آراستہ کر دیا جاتا ہے۔“]

② [نسائی، الجہاد، باب ما یجد الشہید من الألم: (۳۱۶۳)۔ ترمذی، فضائل الجہاد، باب ما جاء فی فضل المرباط: (۱۶۶۸) اور طبرانی اوسط: (۶۸۲، ۱/۱۹۸) میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ اس کی سند میں رشد بن سعد اور احمد بن رشدین کزود راوی ہیں۔ میزان: (۱۳۳/۱)، لسان: (۲۵۷/۱، ۲۵۸)]

جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ يَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [التوبة: ۱۲۱]

”اور نہ وہ خرچ کرتے ہیں کوئی چھوٹا خرچ اور نہ کوئی بڑا اور نہ کوئی وادی طے کرتے ہیں مگر وہ ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے، تاکہ اللہ انھیں اس عمل کی بہترین جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔“

یعنی جو کچھ مال جہاد میں خرچ ہوتا ہے تھوڑا یا بہت اور جس میدان میں غازی لوگ لڑتے ہیں ان سب کو فرشتے لکھ لے جاتے ہیں، حق تعالیٰ اس کا بہتر ثواب دے گا۔
نیز فرمایا:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾

[الحديد: ۱۰]

”اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، جب کہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔“

یعنی حقیقت میں ہر چیز کا مالک اللہ ہے، لیکن ظاہری طور پر تھوڑے دن کے لیے تم کو مال کا مالک بنایا ہے۔ اگر آج زندگی میں اپنی خوشی سے مال کو اللہ کی راہ میں نہ خرچ کرو گے تو آخر ایک دن اس کو چھوڑ کر مر جاؤ گے، پھر یہی مال اللہ کا ہوگا، مگر افسوس کہ تم اس ثواب سے محروم رہے، اور مال پر سانپ بن کر بیٹھ گئے!

﴿مَقَالَاتِ رِیَاضِیَّہ﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُجْهَزْ غَارِبًا أَوْ يُخْلَفُ غَارِبًا فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ أَصَابَهُ
اللَّهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

[سنن دارمی، الجہاد] ①

”جو شخص نہ لڑا، نہ اس نے غازی کا سامان درست کیا اور غازی کے پیچھے نہ اس کے گھر کی اچھی خبر لی تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے عذاب میں مبتلا کرے گا۔“
مرنے کے بعد قیامت میں عذاب ہوتا ہے لیکن جہاد میں نہ جانا اور غازی کا سامان درست نہ کرنا اور اس کے گھر کی خبر گیری نہ کرنا..... سخت گناہ ہے اور قیامت سے پہلے ال پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَرْسَلَ بِنَفَقَةٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَقَامَ فِي بَيْتِهِ فَلَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ
مِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْفَقَ فِي وَجْهِ ذَلِكَ فَلَهُ
بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ أَلْفٍ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ آيَةَ: ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ
يَشَاءُ﴾» ②

”جس نے اللہ کی راہ میں خرچ بھیجا اور (خود) اپنے گھر میں رہا تو اسے ایک

① [دارمی، الجہاد، باب فیمن مات ولم یغز: (۲۴۲۳، ۱۲۸/۲)، أبوداؤد، الجہاد: (۲۵۰۳)، یہ حدیث حسن ہے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک شاہد کتاب الجہاد لابن ابی عاصم: (۹۸)، مسند عبد بن حمید: (۱۳۳۲)، مسند شاسیین: (۷۹۶، ۲۸۷)، (۸۰۹) میں بسند ضعیف موجود ہے]

② [ابن ماجہ، الجہاد، باب فضل النفقة في سبيل الله: (۲۷۶۱)، اس کی سند میں خلیل بن عبد اللہ راوی غیر معروف ہے۔ یہ روایت مختلف شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السبیل الہاد إلی تخریج أحادیث کتاب الجہاد، لمساعد بن سلیمان: (۱/۲۴۳) تا

ترغیب الجہاد

درہم کے بدلے سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جو خود اللہ کی راہ میں جا کر لڑا اور اپنے اوپر اس (مال) کو خرچ کیا تو اسے ایک درہم کے بدلے سات ہزار درہم کا ثواب ملے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی بات کی تائید میں یہ آیت پڑھی ”اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے۔“ جہاد کے ثواب کو۔“

نیک کاموں میں مال خرچ کرنے سے ایک کے دس ملیں گے اور جہاد میں خرچ کرنا سب کاموں سے افضل کہ ایک کے ساتھ سو ہوتے ہیں۔ ایسا نفع کسی سوداگری میں نہیں، زہے قسمت اس مسلمان مال دار کی جو ایسی راہ میں مال کو خرچ کرے اور بڑا کم بخت اور بد نصیب ہے کہ جو اپنے نبی کی یہ حدیث سنے اور مال دار ہونے کے باوجود اس راہ میں نہ خرچ کرے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد میں مال خرچ کرنا کئی طرح سے ہوتا ہے، یعنی اپنی ذات اور اپنے گھوڑے پر خرچ کرنا یا جو غازی جہاد کو جاتے ہیں، ان کو کپڑے بنا دینا، ہتھیار فراہم کرنا، سواری دینا اور کچھ سامان سفر بنا دینا اور راہ کا خرچ کچھ نقد حوالے کرنا، یہ سب کام فی سبیل اللہ ہیں۔ ان سب کاموں میں ایک کے بدلے اللہ سات سو تک ثواب دیتا ہے۔



عجازیوں کی مدد اور خدمت گزاری

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَعَانَ مُجَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ غَارِمًا فِي عُسْرَتِهِ أَوْ مُكَاتِبًا فِي رَقَبَتِهِ أَظَلَّهُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ»

”جو شخص جہاد کرنے والوں کا کام کرے..... اللہ اسے اپنے سایہ میں رکھے گا،

جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا، سوائے اللہ کے سایہ کے۔“

یعنی روزِ قیامت کوئی سایہ نہ ہوگا، آفتاب سر پر آجائے گا، گرمی کی شدت کی وجہ سے دماغ کھولنے لگیں گے۔ ایسی سختی میں عازیوں کی خدمت کرنے والے اللہ کے سائے میں ہوں گے۔ اور کتاب شفاء الصدور^① میں یہ حدیث اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو

① [مسند أحمد: (۴۸۷/۳)، مسند عبد بن حمید: (۴۷۰)] کی اس سند میں عبد اللہ بن محمد بن عقیل ہے جسے امام ذہبی رحمہ اللہ نے مختلف ائمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد حسن الحدیث کہا ہے، دیکھیں: میزان الاعتدال: (۴۸۵/۲)، المغنی فی ضعف الرجال: (۳۳۳۷) لہذا یہ روایت اس بنا پر حسن ہے۔ شیخ دیلمی نے المتبحر الرائع ص: (۳۲۷) میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ مستدرک حاکم: (۲۱۷/۲) بیہقی: (۳۲۰/۱۰) میں موجود ہے۔ اس میں عمرو بن ثابت بن ابی المقدام ضعیف ہے لیکن مسند احمد وغیرہ میں اس کی متابعت عبید اللہ بن عمرو الرقی نے کی ہے]

② کتاب شفاء الصدور میری معلومات کے مطابق ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ امام ابن النحاس رحمہ اللہ نے مشارع الاشواق میں اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون جلد دوم میں اس کا تذکرہ کیا ہے، لہذا ان روایات کے بارے میں کوئی وضاحت پیش نہیں کی جاسکتی اور دیگر کتب احادیث سے اپنی ہمت و بساط کے مطابق تلاش کیا لیکن رسائی نہیں ہوئی۔ (لعل اللہ یحدث بعد ذالک أمرا)

ترغیب الجہاد

غازیوں کو کھانا کھلائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اتنا بڑا دسترخوان بچھا دے گا کہ جس سے تمام جن اور انسان آسودہ ہو جائیں گے اور جو غازیوں کو پانی پلائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں نہر دے گا، جس کا پاٹ مشرق اور مغرب کے برابر اور اس کے کناروں پر سونے کے (بڑے بڑے) محلات ہوں گے، جن میں حوریں رہیں گی اور جو غازیوں کو خرچ دے گا اور ان کی میزبانی کرے گا، وہ گناہ سے ایسے پاک ہوگا جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ شفاء الصدور میں یہ بھی روایت ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”جو جہاد کے لیے تلوار دے گا تو قیامت کے دن اس کی زبان ہوگی اور وہ کہے گی کہ میں فلاں کی تلوار ہوں، ہمیشہ اس کے واسطے جہاد کرتی رہی اور جو شخص اللہ کی راہ میں کپڑے دے گا تو اس کو جنت کا کپڑا ملے گا۔“

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے یوں روایت ہے کہ ”میرے نزدیک حج کرنے سے جہاد میں ایک گھوڑا دینا افضل ہے۔“

سیدنا کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”جو چیز اللہ کی راہ میں دے، اسے کم نہ جانے کہ ایک شخص کو مجاہد کو سوئی دینے سے بہشت ملے۔“

اب مسلمانوں پر لازم ہے کہ مجاہدین کی خدمت کریں، مال دار آدمی اپنی طاقت کے مطابق، غریب اپنی مقدور کے موافق، غرض یہ کہ جس سے جو ہو سکے سو کرے کہ ان دونوں میں جنت مفت ہاتھ لگتی ہے۔



جہاد کی رغبت دلانے کا ثواب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَالنَّاسُ فِي شِدَّةِ الْحِسَابِ مَنْ أَمَرَ النَّاسَ بِالْجِهَادِ وَحَرَّضَ عَلَيْهِ» [شفاء الصدور]

”وہ شخص پہلے جنت میں داخل ہوگا جس نے لوگوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا اور رغبت دلائی جبکہ لوگ حساب کی شدت میں ہوں گے۔“

سبحان اللہ! جہاد کا کیا مرتبہ ہے جو اس کا لوگوں کو شوق دلائے گا اس کو بھی بلا حساب جنت ملے گی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”مَنْ حَرَّضَ أَخَاهُ عَلَى الْجِهَادِ كَانَ مِثْلُ أُجْرِهِ وَكَانَ بِكُلِّ خُطْوَةٍ فِي ذَلِكَ عِبَادَةٌ سَنَةً“ [شفاء الصدور]

”جو اپنے مسلمان بھائی کو جہاد کا شوق دلائے گا، اسے مجاہد کے برابر حصہ ملے گا اور جتنی دور جہاد کا شوق دلانے کے لیے سفر کرے گا تو ہر قدم پر ایک ایک برس کی عبادت کا ثواب پائے گا۔“

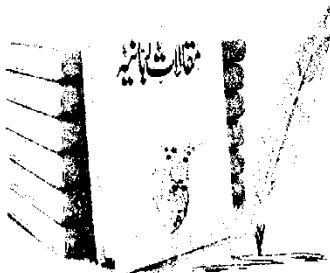
اے مسلمانو! جب تم نے ترغیب جہاد کے ثواب ملاحظہ کیے تو جس کے پاس یہ رسالہ پہنچے اس پر ضروری ہے کہ اسے دیگر مسلمانوں کے سامنے پڑھے اور اچھی طرح اس کا مطلب بیان کرے اور اس کی نقلیں تیار کر کے جا بجا، شہر بہ شہر روانہ کرے اور اس کی تشہیر کرے۔ جتنے مسلمان اس کو پڑھ کر جہاد کے لیے مستعد اور تیار ہوں گے، ان کے برابر اللہ تعالیٰ بتلانے والے کو بھی ایسا ثواب عطا کرے گا، جس کی حد کی انتہا نہیں.....!

آمین یا رب العالمین!!

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر جانے والے اعراف پر ہوں گے

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ
تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا
حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

[التوبة : ۲۴]



سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« لَنْ يَرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا، يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عَصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ »

[مسلم، الإمامة، باب قوله يُقَاتِلُ عَلَيْهِ : لا تزال طائفة الخ : ۱۹۲۲]

”یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں میں سے ایک (نہ ایک) جماعت

اس دین کی حفاظت کے لیے قیامت تک لڑتی رہے گی۔“

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر

ابتدائی

جہاد دین اسلام کی چوٹی ہے، اس میں شرکت کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، کیونکہ کفر کا غرور اور تکبر توڑنے اور طاغوتی نظاموں کو ختم کر کے دین حق کو غالب کرنے کا واحد راستہ یہی ہے اور یہ راستہ انتہائی کٹھن اور مشکل ترین ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتُ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ طَاعَةٌ وَكَوْنٌ تَعَرُوفٌ فَإِذَا عَزَمْتَ الْأَمْرَ فَلَوَصَّدُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ﴾ [محمد: ۲۰، ۲۱]

”اور ایمان والے کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی، پھر جب کوئی واضح سورت نازل کی جاتی ہے جس میں قتال کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ پس بہتر تھا ان کے لیے فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کہنا، پھر جب کام مقرر ہو جائے تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بہتری ہے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا نام سن کر بے زار ہونے والے لوگ منافقین کی فہرست میں شامل ہوتے ہیں اور ان پر ایسا منظر طاری ہوتا ہے جیسا کہ قریب الموت انسان پر۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت کے لیے جہاد سے وابستہ رہنا لازمی

ہے، جیسا کہ صحابی رسول بشیر بن خصاصیہ السدوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا، آپ نے مجھ پر شرط لگائی کہ:

« تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَتُصَلِّيَ الْخُمْسَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتُؤَدِيَ الزَّكَاةَ وَتُحُجَّ الْبَيْتَ وَتُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ »

”تو اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں اور پانچ نمازیں ادا کر، رمضان کے روزے رکھ، زکوٰۃ ادا کر، بیت اللہ کا حج کر اور اللہ کی راہ میں جہاد کر۔“

میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! ان میں سے دو کاموں کی میں طاقت نہیں رکھتا:

① زکوٰۃ: کہ میرے پاس دس اونٹ ہیں، وہ میرے اہل کا گلہ اور بار برداری کے جانور ہیں۔

② جہاد: لوگ سمجھتے ہیں کہ جس نے میدان سے پیٹھ پھیر لی وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوہا،

مجھے ڈر ہے کہ جب لڑائی کا وقت ہو تو میں کہیں موت کو ناپسند کروں اور عاجز آ جاؤں۔ نبی ﷺ

نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے حرکت دے کر فرمایا:

« لَا صَدَقَةَ وَلَا جِهَادَ فَبِمَ تَدْخُلُ الْحَنَّةَ »

”نہ صدقہ کیا اور نہ جہاد پھر تو جنت میں کسی چیز کے ساتھ داخل ہوگا۔“

صحابی کہتے ہیں، اے اللہ کے رسول! میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ پھر انھوں نے ان

تمام امور پر بیعت کر لی۔

[مستدرک حاکم : (۸۰ / ۲) ، ح : (۲۴۲۱) امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا

اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی۔ مسند أحمد (۲۲۴ / ۵) ، بیہقی (۲۰ / ۹) ،

طبرانی (۳۲ / ۲) ، ابن عساکر (۲۷۲ / ۳ - ۱۶۹ / ۱۰) ، مجمع الزوائد : (۴۷ / ۱) ، (۱۴۲ / ۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”احمد کے رواۃ کی توثیق کی گئی ہے۔“

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد دین اسلام کا رکن ہے، اس کے ساتھ وابستہ

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر

ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ جہاد ایک وسیع عمل ہے، اس میں سب سے نمایاں وہ لوگ ہوتے ہیں جو کفر سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں اور ان کا مرتبہ باقی افراد سے زیادہ ہے، مگر یہ سمجھ لینا کہ صرف یہی لوگ دشمن سے لڑ رہے ہیں اور باقی لوگوں کا اس میں حصہ نہیں، بالکل غلط ہے۔ جہاد کے لیے افراد تیار کرنا، مجاہدین کو اسلحہ فراہم کرنا، ان کی ضروریات کی اشیاء مہیا کرنا، مثلاً: خوراک، کپڑے اور جوتے وغیرہ، ان کے بعد ان کے گھروں کی حفاظت اور ان کے بچوں کے اخراجات کا خیال رکھنا، اس مقصد عظیم کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا اور لڑنے کی نیت رکھنا، یہ تمام امور جہاد کے لوازمات ہیں، لہذا ہر فرد کو اپنی قوت و توانائی بروئے کار لاتے ہوئے اس کام میں شریک رہنا چاہیے، جو شخص جتنا کام سرانجام دے سکتا ہے وہ اس میں ضرور شریک ہو۔

لیکن ان تمام دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ہوتے ہوئے بھی بعض افراد مخالفت برائے مخالفت کے طور پر مختلف اقسام کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور جہاد اور مجاہدین کو بدنام کرنے اور ان کے راستے میں روڑے اٹکانے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں اور ہر روز مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔

انہی تاویلات رقیقہ اور روایات فاسدہ میں سے ایک بات آج کل یہ پھیلائی جا رہی ہے کہ جو لوگ والدین کی اجازت کے بغیر شہید ہو گئے وہ لوگ قیامت کے روز جنت اور جہنم کے درمیان مقامِ اعراف پر ہوں گے۔ والدین کی نافرمانی کے باعث جنت سے محروم اور شہادت کے باعث جہنم میں داخلے سے محفوظ ہوں گے۔ حالانکہ یہ تفسیر کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عمدہ و صحیح سندوں سے یہ بات ثابت ہے کہ جن افراد کے اعمال صالحہ اور سنیہ برابر ہوں گے ان کا ٹھکانا اعراف ہوگا۔ اسی بات کی بحث میں نے اپنی بساط و ہمت کے مطابق اس مختصر سے مقالہ میں کی ہے اور ان روایات کا ضعف واضح کیا ہے جو اس تفسیر کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔

اصحاب الاعراف کون؟

اعراف کا مفہوم

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”وَالْأَعْرَافُ جَمْعُ عُرْفٍ وَ كُلُّ مُرْتَفِعٍ مِنَ الْأَرْضِ عِنْدَ الْعَرَبِ فَهُوَ عُرْفٌ إِنَّمَا قِيلَ لَعُرْفِ الدِّيكِ عُرْفٌ لِارْتِفَاعِهِ عَلَى مَا سِوَاهُ مِنْ جَسَدِهِ“

[طبری: (۱۹۰/۸)، قبل ح: (۱۴۷۳۴)، تفسیر ابن کثیر: (۲/۲۳۹)]

”اعراف عرف کی جمع ہے، عربوں کے نزدیک ہر بلند جگہ کو عرف کہتے ہیں۔ مرغ کی کٹنی کو عرف الدیک اس کے باقی جسم سے بلند ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔“

نیز یہی معنی تفسیر الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: (۷/۱۳۵)، البحر المحيط:

(۱/۸۰۴)، فتح القدير: (۲/۲۰۷)، معالم التنزيل: (۲/۱۶۲)، لسان العرب:

(۸/۱۵۶)، معجم مقاييس اللغة: (۴/۲۸۱) وغیرہ میں مرقوم ہے۔

اعراف جنت اور جہنم کے درمیان ایک بلند مقام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا سِينُهُمْ وَكَادُوا
أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِمُوا عَلَيْهِمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۖ وَإِذَا صُرِفَتْ
أَبْصَارُهُمْ تَلَقَّاءُ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

[الاعراف: ۴۶، ۴۷]

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر

”ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف پر بہت سے آدمی ہوں گے، وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے، سلام علیکم ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔ اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پڑیں گی تو کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر۔“

جنت اور دوزخ کے درمیان ایک آڑ دیوار ہوگی جس کا ذکر سورہ حدید میں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَضْرِبَ بَيْنَهُمُ سُورًا لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ [الحديد: ۱۳]

”پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔“

یہی وہ اعراف کی دیوار ہوگی۔ اس پر کون لوگ ہوں گے؟ اس کے بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، جن میں سے سب سے رائج قول یہ ہے کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔

یہ قول سیدنا جابر بن عبد اللہ، حذیفہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر، ضحاک اور شعبی رحمہم اللہ وغیرہ سے مروی ہے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اثر ہے:

امام ہناد بن السری بطریق ابن فضیل از حصین از شعبی روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ قَوْمٌ كَانَتْ لَهُمْ حَسَنَاتٌ وَ سَيِّئَاتٌ فَخَلَفَتْ بِهِمْ حَسَنَاتُهُمْ عَنِ النَّارِ وَ قَصُرَتْ بِهِمْ سَيِّئَاتُهُمْ عَنِ الْجَنَّةِ حَتَّى

قَضَى اللَّهُ فِيهِمْ مَا قَضَى»

”اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ ان کی نیکیوں نے انہیں آگ سے پیچھے رکھا ہے اور ان کی برائیوں نے انہیں جنت سے روکا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کرنا ہے کرے گا۔“

[کتاب الزهد : (۱۵۱/۱ - ۲۰۱، ۲۰۲)، طبری : (۱۳۷/۸ - ۱۳۸)، زوائد الزهد للمروزی : (۴۸۳)، امام سیوطی نے تفسیر الدر المنثور : (۸۷/۳) میں اسے عبدالرزاق، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابی الشیخ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔]
امام حاکم کی مستدرک (۳۲۰/۲) میں اس طرح روایت ہے کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ قَوْمٌ تَحَاوَزَتْ بِهِمْ حَسَنَاتُهُمُ النَّارَ وَ قَصُرَتْ بِهِمْ سَيِّئَاتُهُمْ عَنِ الْجَنَّةِ فَإِذَا ضُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تَلْقَاءُ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ فَبَيَّنَا لَهُمْ كَذَلِكَ إِذَا اطَّلَعَ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ قَالَ : قَوْمُوا اذْخُلُوا الْجَنَّةَ فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

”اصحاب الاعراف ایسی قوم ہے کہ ان کی نیکیاں انہیں آگ سے روک لیں گی اور ان کی برائیاں انہیں جنت سے ہٹا دیں گی۔ جب ان کی نگاہیں آگ والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کا ساتھی نہ بنا، اسی دوران ان کا رب ان پر جھانکے گا اور کہے گا: ”اٹھو، جنت میں داخل ہو جاؤ! میں نے تمہیں معاف کر دیا۔“ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ“

”یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور انھوں نے اسے صحیحین میں بیان نہیں کیا۔“ امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی تلخیص میں امام حاکم رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے۔

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر

امام بیہقی رحمہ اللہ امام حاکم سے یہی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

”هَذَا مَوْضُوعٌ مَوْضُوعٌ“ [البعث والنشور، ح: ۱۰۱، ص ۱۰۵]
”یہ حدیث موقوف متصل ہے۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«يُحَاسَبُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ كَانَتْ حَسَنَاتُهُ أَكْثَرَ مِنْ سَيِّئَاتِهِ
بِوَاحِدَةٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ كَانَتْ سَيِّئَاتُهُ أَكْثَرَ مِنْ حَسَنَاتِهِ بِوَاحِدَةٍ
دَخَلَ النَّارَ ثُمَّ قَرَأَ قَوْلَ اللَّهِ: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْمِيزَانَ
يُخَفَّفُ بِمِثْقَالِ حَبَّةٍ وَ يَرْجَحُ قَالَ فَمَنْ اسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُ وَسَيِّئَاتُهُ
كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْأَعْرَافِ فَوَقَّفُوا عَلَى الصِّرَاطِ ثُمَّ عَرَفُوا أَهْلَ
الْجَنَّةِ وَأَهْلَ النَّارِ فَإِذَا نَظَرُوا إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ نَادَوْا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَإِذَا
صَرَفُوا أَبْصَارَهُمْ إِلَى يَسَارِهِمْ نَظَرُوا أَصْحَابَ النَّارِ قَالُوا ﴿بَنَاتَا تَجْعَلُنَا
مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾»

[طبري: ۱/ ۱۹۰، ۱۹۱۔ کتاب الزهد لابن المبارك: ۴۱۱۔ زوائد الزهد
للمروزي، ص: ۱۲۳، ۱۲۴]

”قیامت کے روز لوگوں کا حساب کیا جائے گا جس کی نیکی برائیوں سے ایک بھی
زیادہ ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی برائی نیکیوں سے ایک بھی زائد
ہوگی وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا: ”جس کا پلڑا
بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلڑا ہلکا ہوگا سو یہ وہ
لوگ ہیں جنھوں نے اپنا نقصان کر لیا۔“ پھر فرمایا: ”ترازو ایک دانے کے وزن

مقالہ رسانیہ

کے ساتھ ہلکا اور بھاری ہو جاتا ہے۔“ فرمایا: ”جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب الاعراف سے ہوگا، وہ صراط پر کھڑے ہوں گے، پھر جنت اور جہنم والوں کو پہچان لیں گے، جب جنت والوں کو دیکھیں گے تو سلام علیکم کہیں گے اور جب اپنی نظریں بائیں جانب پھیریں گے تو جہنم والوں کو دیکھ کر کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کا ساتھی نہ بنا۔“

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

« أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ قَوْمٌ اسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُمْ وَسَيِّئَاتُهُمْ فَلَمْ تَزِدْ حَسَنَاتُهُمْ عَلَى سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا سَيِّئَاتُهُمْ عَلَى حَسَنَاتِهِمْ »
[طبری: ۱۹۱/۸، ۱۹۲۔ کتاب الزہد لابن مبارک: ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ص: ۴۸۳]

”اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، ان کی نیکیاں برائیوں سے اور برائیاں نیکیوں سے زیادہ نہیں ہوں گی۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا اثر

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی تفسیر مروی ہے، جیسا کہ امام خثیمہ بن سلیمان نے اپنی مسند کے پندرھویں جز کے آخر میں بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو: [تفسیر قرطبی: (۷: ۲۱۱) اور امام شعبی کی الجواهر الحسان: (۲: ۲۰، ۲۱)]

مجاہد رضی اللہ عنہ کا اثر

مجاہد رضی اللہ عنہ تابعی سے بھی یہی تفسیر بسند صحیح مروی ہے، ملاحظہ ہو:

[البعث والنشور رقم: (۱۱۰) ص: (۱۰۸)]

لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے تلامذہ تھے، جو مفہوم قرآن مجید کا سمجھا

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر.....

وہ ہمارے مفہیم سے کئی گنا بہتر ہے اور ان سے صحیح اسناد کے ساتھ یہی تفسیر مروی ہے کہ اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی اور وہ اعراف پر کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ بالآخر انہیں جنت میں بھیج دے گا۔ اس کے علاوہ جتنی تفسیر مروی ہیں وہ سب ناقابل حجت ہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بسند صحیح ثابت نہیں۔

جو لوگ اس کی یہ تفسیر پیش کرتے ہیں کہ اصحاب الاعراف سے مراد وہ لوگ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر چلے گئے اور قتل ہو گئے ان کا اللہ کی راہ میں قتل ہونا انہیں جہنم میں جانے سے مانع ہو گا اور والدین کی نافرمانی انہیں جنت میں جانے سے روک دے گی اور اعراف پر کھڑے رہیں گے۔

یہ تفسیر بالکل غلط، ناقابل حجت اور پایہ ثبوت سے گری ہوئی ہے، اس کی توضیح ہم مختصراً کیے دیتے ہیں۔

کیا اصحاب الاعراف سے مراد وہ لوگ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر چلے گئے؟

کئی لوگ جہاد کی تحریک کو نقصان پہنچانے کے لیے آئے روز طرح طرح کی تاویلات رقیقہ اور روایات ضعیفہ سے کام لیتے ہوئے سعی لا حاصل کرتے ہیں، وہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے بارے میں یہ تفسیر عام کر رہے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو اپنے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر چلے گئے ہوں گے، لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں اس کے متعلق جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کا جائزہ درج ذیل ہے۔

سیدنا عبدالرحمن المزنی رحمہ اللہ کی روایت کا جائزہ

① سیدنا عبدالرحمن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

«سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَصْحَابِ الْأَعْرَافِ

فَقَالَ قَوْمٌ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فِي مَعْصِيَةِ آبَائِهِمْ فَمَنْعَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ
مَعْصِيَةُ آبَائِهِمْ وَمَنْعَهُمْ مِنَ النَّارِ قَتْلُهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ»
”رسول اللہ ﷺ سے اصحاب الاعراف کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے
فرمایا: ”وہ ایسی قوم ہے جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں
قتل ہو گئی۔ والدین کی نافرمانی نے انھیں جنت سے روک دیا اور اللہ کی راہ میں
قتل نے انھیں جہنم سے روک دیا۔“

[کتاب البعث والنشور، ح: ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶۔ طبری: (۸/ ۱۹۲)، المطالب العالیہ
لابن حجر: (۳/ ۳۳۴)، تفسیر مجاہد: (۱/ ۲۳۷)، تفسیر ابن کثیر: (۲/ ۲۴۲) امام
سیوطی نے اسے سعید بن منصور، عبد بن حمید، احمد بن منیع، حارث بن ابی اسامہ، ابن ابی حاتم،
کتاب الأضداد لابن الأنباری، مساوی الأخلاق للحرانی، ابوالشیخ اور ابن مردویہ کے حوالے
سے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر در منثور: (۸۸/۳)]
یہ روایت انتہائی کمزور ہے، اس کی سند میں ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن السندی ہے۔

① امام بخاری رحمہ اللہ اسے منکر الحدیث قرار دیتے تھے اور جسے امام بخاری منکر الحدیث کہیں
اس سے روایت لینا حلال (جائز) نہیں۔ امام ذہبی میزان الاعتدال (۶/۱) میں رقم
طراز ہیں:

”نَقَلَ ابْنُ الْقَطَّانِ أَنَّ الْبُخَارِيَّ قَالَ كُلُّ مَنْ قُتِلَ فِيهِ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ
فَلَا تَحِلُّ الرِّوَايَةُ عَنْهُ“

”ابن القطان نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر وہ آدمی جس کے
متعلق میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت لینا حلال (جائز) نہیں۔“

[طبقات الشافعية للسبكي: (۲/ ۹) في ترجمة البخاري]

② امام عمرو بن علی فرماتے ہیں:

”كَانَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ لَا يُحَدِّثُ عَنْهُ وَ يُضَعِّفُهُ وَ يَضْحَكُ إِذَا ذَكَرَهُ“

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد ہے.....

”امام یحییٰ بن سعید اس سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے اور اسے ضعیف قرار دیتے تھے اور جب اس کا ذکر کرتے تو ہنستے۔“

④ امام عبید بن فضالہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”معروف اور منکر روایتیں لاتا ہے۔“

⑤ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حَدِيثُهُ عِنْدِي مُضْطَرِبٌ لَا يُعِيْمُ الْإِسْنَادَ“ ”میرے نزدیک اس کی روایت مضطرب ہے، وہ سند کو قائم نہیں رکھ سکتا۔“

⑥ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ“ ”حدیث میں قوی نہیں۔“
اور کبھی فرماتے:

”لَيْسَ بِشَيْءٍ أَبُو مَعْشَرٍ رِيحٌ“

”ابو معشر کچھ نہیں ہے (صرف) ہوا ہے۔“

⑦، ⑧ امام نسائی اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔

⑨ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اہل علم نے اس کے حافظے کی وجہ سے کلام کیا ہے۔“

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں اس سے کچھ بھی روایت نہیں کرتا۔“

⑩ امام ابن ابی خثیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ بَكَّارٍ بْنِ الرَّيَّانِ يَقُولُ كَانَ أَبُو مَعْشَرٍ تَغَيَّرَ قَبْلَ

أَنْ يَمُوتَ تَغْيَرًا شَدِيدًا حَتَّى كَانَ يَخْرُجُ مِنْهُ الرِّيحُ وَلَا يَشْعُرُ بِهَا“

”میں نے محمد بن بکار سے سنا وہ کہتے تھے: ابو معشر مرنے سے قبل شدید تغیر کا

شکار ہو گیا تھا حتیٰ کہ اس سے ہوا خارج ہوتی وہ اس کا بھی شعور نہیں رکھتا تھا۔“

⑪ امام ابن سعد رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔

⑫ امام ساجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے۔

⑬ امام ابن نمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”كَانَ لَا يَحْفَظُ إِلَّا سَائِدًا“ ”یہ سندیں یاد نہیں

رکھتا تھا۔“

۱۳) امام ابو احمد الحاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”لَيْسَ بِالْمَيِّنِ عِنْدَهُمْ“ ”محدثین کے نزدیک مضبوط (ثقة) راوی نہیں ہے۔“

۱۴) امام دارقطنی رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔

۱۵) امام غلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، محدثین نے اسے حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے اور موت

سے دو سال قبل شدید تغیر کا شکار ہو گیا تھا۔

۱۶) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”ضَعِيفٌ مِنَ السَّادِسَةِ، أَسَنَ وَاخْتَلَطَ“

”چھٹے طبقے کا ضعیف راوی ہے، عمر رسیدہ ہو کر اختلاط کا شکار ہو گیا۔“

۱۷) امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”وَكَانَ مِمَّنْ اخْتَلَطَ فِيْ اٰخِرِ عُمُرِهِ وَبَقِيَ قَبْلَ اَنْ يَّمُوتَ سَنَتَيْنِ فِيْ

تَغْيِيرِ شَدِيدٍ لَا يَدْرِي مَا يُحَدِّثُ بِهِ فَكَثُرَ الْمُنَاكِيرُ فِيْ رِوَايَتِهِ مِنْ قَبْلِ

اخْتِلَاطِهِ قَبْلَ الْاِحْتِجَاجِ“

”یہ مختلطین سے ہے، موت سے دو سال قبل اسے سخت تغیر لاحق ہوا جو

حدیث بیان کرتا اسے نہیں جانتا تھا۔ اختلاط کی وجہ سے اس کی بہت سی منکر روایات

ہو گئیں تو اس سے حجت پکڑنا باطل ٹھہرا۔“

۱۸) امام ذہبی رحمہ اللہ اسے دیوان الضعفاء میں لائے ہیں۔

۱۹) امام بیہقی کتاب البعث والنشور میں اس روایت کے بعد اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

[تہذیب التہذیب : (۵/ ۶۱۱، ۶۱۲) طبع جدید۔ خلاصۃ للخزرجی : (۳/ ۱۰۴)،

دیوان الضعفاء : (۴۰۸)، کتاب المجروحین لابن حبان : (۳/ ۶۰)، کتاب الضعفاء

والمتروکیں لابن جوزی : (۳/ ۱۵۷)، تقریب التہذیب : (۳۵۶)، میزان الاعتدال :

(۴/ ۲۴۶)، ترمذی، کتاب الصلوۃ : (۳۴۳) (۶-۳۰۴)، کتاب الولاء والہبة : (۲۱۳۱)،

العلل الکبیر : (۲- ۹۷۸)، نسائی، کتاب الصوم : (۲۲۴۲)]

ائمہ محدثین رحمہم کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن السدی انتہائی

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد ہے.....

ضعیف راوی ہے، بلکہ بقول امام بخاری رحمہ اللہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں، لہذا یہ روایت قابل حجت نہیں۔

اسی روایت کو امام ابن کثیر اپنی تفسیر القرآن العظیم: (۲/۲۳۲) میں امام ابو بکر بن مردویہ کی سند سے لائے ہیں، لیکن امام ابو بکر بن مردویہ اور سعید بن سلمہ کے درمیانی واسطے مخدوف ہیں، جب تک وہ واسطے سامنے نہیں آتے تب تک اس پر حکم لگانے سے توقف کریں گے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا جائزہ

② اسی سلسلے کی دوسری روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی

کتاب البعث والنشور (۱۰۷) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ:

«سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَصْحَابِ الْأَعْرَافِ قَالَ: هُمْ قَوْمٌ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَهُمْ لِأَبَائِهِمْ عَاصُونَ فَمُنِعُوا الْجَنَّةَ بِمَعْصِيَةِ آبَاءِهِمْ وَمُنِعُوا النَّارَ بِقَتْلِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ»

”نبی ﷺ سے اصحاب الاعراف کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ

ایسی قوم ہے جو اللہ کی راہ میں اس حالت میں قتل ہوئی کہ وہ اپنے والدین کی

نافرمانی کرنے والے تھے۔ اپنے والدین کی نافرمانی کی وجہ سے جنت سے روکے

گئے اور اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی وجہ سے آگ سے روکے گئے۔“

المطالب العالیۃ لابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ: (۳/۳۳۴، ج: ۳۶۲۶) الدر المنثور

(۸۸/۳) اس کی سند میں ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن السندی ہے، جس کا حال اوپر ذکر کر دیا

گیا ہے، یہ روایت اور بھی کئی طرق سے مروی ہے لیکن تمام طرف کا دارومدار ابو معشر پر ہے

جو کہ ناقابل حجت ہے۔

ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کا جائزہ

③ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے اصحاب الاعراف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« هُمْ رِجَالٌ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَهُمْ عُصَاةٌ لِآبَائِهِمْ فَمَنَعَتْهُمْ الشَّهَادَةُ أَنْ يَدْخُلُوا النَّارَ وَمَنَعَتْهُمْ الْمَعْصِيَةُ أَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَهُمْ عَلَى سُورٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتَّى تَزُولَ لُحُومُهُمْ وَشُحُومُهُمْ حَتَّى يَفْرَغَ اللَّهُ مِنْ حِسَابِ الْخَلَائِقِ فَإِذَا فَرَّغَ اللَّهُ مِنْ حِسَابِ خَلْقِهِ فَلَمْ يَبْقَ غَيْرُهُمْ تَعْمَدُهُمْ مِنْهُ بِرَحْمَتِهِ فَأَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ »

”وہ ایسی قوم ہے جو اللہ کی راہ میں لڑی، اپنے والدین کی نافرمانی کی اور قتل کی گئی۔ اللہ نے انھیں اپنی راہ میں قتل ہونے کی وجہ سے آگ سے آزاد کر دیا اور والدین کی معصیت کی وجہ سے جنت سے روک دیے گئے۔ وہ آخری لوگ ہوں گے جو جنت میں داخل ہوں گے۔“

[لم يروه عن زيد بن أسلم إلا ابنه عبدالرحمن ولا يروى عن أبي سعيد إلا بهذا الأسناد طبراني صغير : (٢٣٨)، (٦٦٦)، المعجم الأوسط : (٦٢/٤)، (٦١)، (٣٠٧٧)، مجمع الزوائد : (٢٣/٧)]

اس روایت کی سند میں دو راوی ناقابل حجت ہیں۔

① محمد بن مخلد ابواسلم الریثی الحمصی

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حَدَّثَ بِالْأَبَاطِيلِ“

”اس نے باطل روایات بیان کی ہیں۔“

مزید فرماتے ہیں:

”وَهُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ عَنْ كُلِّ مَنْ يَرَوِي عَنْهُ“

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر.....

”ہر راوی سے جو بھی روایت بیان کرتا ہے اس میں منکر الحدیث ہوتا ہے۔“ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔

دیوان الضعفاء للذهبي: (۳۷۳)، میزان الاعتدال: (۳۲ / ۴)، الکامل ابن عدي: (۱ / ۶) (۲۲۶۰)، لسان الميزان: (۳۷۵ / ۵)، کتاب الضعفاء والمتروکین لابن جوزي: (۹۸ / ۳) ② اس کی سند میں دوسرا راوی عبدالرحمن بن زید بن اسلم العدوی ہے۔

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔
② امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ”لَيْسَ حَدِيثُهُ بِشَيْءٍ“ ”اس کی حدیث کوئی چیز نہیں۔“

③ امام بخاری اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں:
”امام علی بن مدینی نے اسے ”ضعیف جداً“ قرار دیا۔“
④ امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أَوْلَادُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ كُلُّهُمْ ضَعِيفٌ“ ”زید بن اسلم کی ساری اولاد ضعیف ہے۔“

⑤ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔
⑥ امام ابوزرعرہ رازی رحمہ اللہ نے بھی اسے کہا ضعیف ہے۔
⑦ امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں:

”لَيْسَ بِقَوِيٍّ فِي الْحَدِيثِ كَانَ فِي نَفْسِهِ صَالِحًا وَ فِي الْحَدِيثِ وَاهِيًا“

”حدیث میں قوی نہیں بذات خود نیک آدمی ہے، لیکن حدیث میں کمزور ہے۔“
⑧ خالد بن خراش کہتے ہیں مجھے امام دروردی، معن بن عیسیٰ اور عالم اہل مدینہ نے کہا تو عبدالرحمن کے پاس نہ آیا کرو وہ نہیں جانتا جو کہتا ہے۔

⑨ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”كَانَ يُقَلِّبُ الْأَخْبَارَ“
”یہ احادیث الٹ پلٹ کرتا تھا۔“

مقالہ رباتیہ

۱۰) امام ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”كَانَ كَثِيرُ الْحَدِيثِ ضَعِيفًا جِدًّا“
”یہ کثرت سے احادیث بیان کرنے والا تھا، بہت کمزور تھا۔“

۱۱) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

”لَيْسَ هُوَ مِمَّنْ يَحْتَجُّ أَهْلَ الْعِلْمِ بِحَدِيثِهِ لِسُوءِ حِفْظِهِ“

”یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کی حدیث سے اہل علم حجت پکڑتے ہوں
اس کے حافظے کی خرابی کی وجہ سے۔“

۱۲) امام ساجی رحمہ اللہ نے کہا منکر الحدیث ہے۔

۱۳) امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”حَدِيثُهُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ فِي النَّهَائَةِ مِنَ الضَّعْفِ“

”حدیث کا علم رکھنے والے محدثین کے نزدیک اس کی روایت انتہائی کمزور ہے۔“

۱۴) امام جوزجانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”أَوْلَادُ زَيْدٍ ضُعَفَاءُ“ ”زید بن اسلم کی اولاد کمزور
(یعنی ضعیف) ہے۔“

۱۵) امام حاکم اور امام ابو نعیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ”رَوَى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً“

”یہ اپنے باپ کے واسطے سے جھوٹی روایتیں بیان کرتا ہے۔“

۱۶) امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے کہا: ”أَجْمَعُوا عَلَى ضَعْفِهِ“

”اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔“

۱۷) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ضَعِيفٌ مِنَ الثَّامِنَةِ“

”آٹھویں طبقے کا ضعیف راوی ہے۔“

۱۸) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ضَعْفُهُ لَهُ تَفْسِيرٌ“

”محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اس کی تفسیر بھی ہے۔“

۱۹) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”هُوَ كَثِيرُ الْغَلَطِ“

کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد ہے.....

”یہ کثرت سے غلطیاں کرنے والا ہے۔“

② امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَا أُرَوِّى عَنْهُ شَيْئًا“

”میں اس سے کچھ بھی روایت نہیں کرتا۔“

[تہذیب التہذیب : (۳ / ۳۶۴، ۳۶۳)، الکاشف : (۱ / ۶۲۸)، دیوان الضعفاء : (۲۴۲)، تقریب : (۲۰۲)، میزان (۲ / ۵۶۴)، کتاب الضعفاء والمتروکین لابن جوزی : (۲ / ۹۵)، جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ (۲ / ۱۸۲) (۴۶۶)، کتاب الزکاة : (۲ / ۳۹۷) (۶۳۲) الکامل (۴ - ۱۵۸۱) کتاب المجروحین لابن حبان : (۲ / ۵۷)، التاریخ الکبیر : (۵ / ۲۸۴) کتاب الضعفاء الصغیر للبخاری : (۲۰۸)]

« حَدَّثَنِي الْمُثَنَّى قَالَ نَأَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي خَالِدٌ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ شَبْلٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي النَّضِيرِ أَخْبَرَهُ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي هِلَالٍ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَصْحَابِ الْأَعْرَافِ فَقَالَ : هُمْ قَوْمٌ غَزَوْا فِي سَبِيلِ اللَّهِ عُصَاةَ لَا بَأْسَ بِهِمْ فَقَتَلُوا فَأَعْتَقَهُمُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ بِقَتْلِهِمْ فِي سَبِيلِهِ وَحُسِبُوا عَنِ الْحَنَّةِ بِمَعْصِيَةِ آبَائِهِمْ فَهُمْ آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْحَنَّةَ » [تفسير طبري : (۸ / ۱۹۲)]

اس روایت کی سند میں یحییٰ بن شبل اس کا استاذ اور استاذ الاستاذ تینوں مجہول ہیں، لہذا یہ روایت بھی حجت نہیں۔

مذکورہ بالا توضیحات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اصحاب الاعراف کی تفسیر والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہونے والوں سے کرنا درست نہیں، صحیح بات وہی ہے جسے پہلے میں نے ذکر کر دیا ہے۔ واللہ اعلم



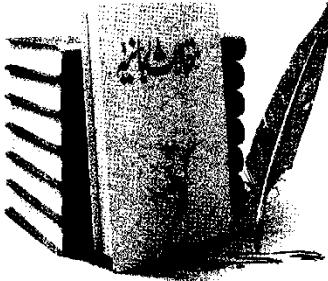
« كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ!
وَمَنْ يَأْبَى قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى »
[بخاری : ۷۲۸۰]

”میری تمام امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا،
انھوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: جس نے
میری پیروی کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً
اس نے انکار کیا۔“

پردے کی شرعی حیثیت

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ كُلِّ لَا زَوْجَكَ وَبَلِيكَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْرِنُ
عَلَيْهِمْ مِنْ جَلَاءِ يَهُودِيٍّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

[أحزاب : ۵۹]



«فَرَزْنَا الْعَيْنَ النَّظْرُ وَزْنَا اللِّسَانَ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي
وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ وَيَكْذِبُهُ»

[بخاری، القلم، باب و حرم علی قریہ اہل کتاہا..... الخ: ۶۶۱۲، مسلم:

۶۲۵۷، مسند احمد: ۱/۱۲۵، ۱۲۶]

”(غلط) دیکھنا آنکھ کا زنا ہے (غلط) بولنا زبان کا زنا ہے اور نفس تمنا اور
خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ ان تمام امور کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔“

پر دے کی شرعی حیثیت

اسلام دین فطرت ہے، اس نے عورت اور مرد کو ان کی فطرت اور ساخت و پرداخت کے مطابق حقوق دیے ہیں، کیونکہ اسلامی حقوق انتہائی جامع اور متوازن ہیں۔ اسلام نے دونوں کو اپنی اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن نبھانے کی ترغیب دی، بالخصوص عورت کے حقوق کی طرف کافی توجہ دلائی، کیونکہ عورت زمانہ جاہلیت سے ظلم و ستم، زیادتی و جور، اذیت و ضرر اور تحقارت و ذلت کی چکی میں پس رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قعر مذلت سے نکالنے کے لیے فطرت کے تقاضوں کے مطابق اس کے حقوق و واجبات بیان فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں افراط ہے اور نہ ہی تفریط، یہ بالکل ضابطہ عدل کے موافق ہیں۔

اسلام نے کنبے و خاندان کا بوجھ، بیرونی معاملات کا انتظام و انصرام اور معاشی ذمہ داریاں مرد پر ڈال دی ہیں، جبکہ گھریلو معاملات، مثلاً: کھانا پکانا، گھر کی صفائی و نظافت اور بچوں کی تربیت وغیرہ کو عورت کے کندھوں پر ڈال دیا ہے، کیونکہ عورت کا وجود معاشی ذمہ داریاں سنبھالنے کا متحمل نہیں۔ شادی سے قبل اس کے اخراجات کی ذمہ داری والدین اور بھائیوں پر اور شادی کے بعد خاوند کے سپرد ہے۔

کیونکہ عورت جسمانی اعتبار سے مرد کی نسبت بہت کمزور ہے اور عورت کی یہ کمزوری اس وجہ سے نہیں کہ یہ مرد کی دست نگر بنی رہے بلکہ اس کا وظیفہ طبعی اس سے زائد قوت کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا جو فطرت نے اس کے سپرد کیا ہے۔ لہذا عورت ہزار کوششیں اور کاوشیں بروئے کار لائے پھر بھی مرد کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔ عورت کی فطرتی کمزوری کے باعث اسلام نے اس کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری کے اندر محدود کر دیا ہے، تاکہ یہ باہر

نکل کر شمع محفل اور فتنہ و فساد کا محرک نہ بن پائے۔ اسے فتنہ و فساد کی آگ سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ وحدہ لا شریک نے اس پر کچھ پابندیاں (Ristrictions) عائد کر دی ہیں۔ ان پابندیوں میں سے اہم ترین پابندی حجاب کی ہے۔

آیت حجاب

پردے کا حکم اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں نازل کیا۔ سورہ احزاب کی درج ذیل آیت کو اسی لیے آیت حجاب بھی کہا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّخَذُوا بَيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَبِيٍّ إِلَيْهِ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا إِذَا طُعِمْتُمْ فَاثْبَثُوا وَلَا مُمْسِكَ لَيْسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَعِجِلُ مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَعِجِلُ مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلْنَهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِرُوا أَرْوَاحَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ [الاحزاب: ۵۳]

”اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو، کھانے کے لیے بھی اجازت کے بعد جاؤ، یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے اور کھانے کے پکنے کا انتظار کرتے رہے، بلکہ جب بلایا جائے جاؤ اور جب کھانا کھا لو تو بکھر جاؤ، وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو، نبی کو تمہارا یہ عمل ناگوار گزرتا ہے، لیکن وہ شرم محسوس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے میں نہیں شرماتا اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے۔ نہ تمہیں یہ جواز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ تمہیں حلال ہے کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یاد رکھو! اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَأَقَفْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَوْ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى؟ فَنَزَلْتُ: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ وَآيَةُ الْحِجَابِ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَوْ أَمَرْتُ نِسَاءَ كَأَنْ يَحْتَجِينَ فَإِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، فَنَزَلْتُ آيَةَ الْحِجَابِ، وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ: ﴿عَلَى سَرَبُكُنَّ أَنْ تَلْفَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَمْرٌ وَاجَّازٍ أَمَّا مَنكُنَّ﴾ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ»

[بخاری، الصلاة، باب ما جاء في القبلة ومن لم ير.....: ٤٠٢، ٤٤٨٣]

”میں نے تین چیزوں میں اپنے رب کے ساتھ موافقت کی ہے۔ ایک یہ کہ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! اگر ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں؟ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ آیت اتری: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ١٢٥] ”تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لو۔“ دوسرے یہ کہ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ کی ازواج کے سامنے ہر نیک و بد آ کر گفتگو کرتا ہے۔ آپ انہیں پردہ کرنے کا حکم دیں، تو اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔ تیسرے یہ کہ جب ازواج مطہرات میں باہمی غیرت و رشک بڑھنے لگا تو میں نے ان سے کہا، ”اگر نبی ﷺ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے بہتر ازواج انہیں عطا کر دے۔“ چنانچہ اس پر ﴿عَلَى سَرَبُكُنَّ أَنْ تَلْفَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَمْرٌ وَاجَّازٍ أَمَّا مَنكُنَّ﴾ نازل ہوئی۔“

رسول اللہ ﷺ کی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور ان کے پاس آئے تو میری ماں ام سلیم (رضی اللہ عنہا) نے کھجور، گھی اور

پنیر سے تیار شدہ کھانا ایک بڑے برتن میں رکھ کر مجھے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤ اور جا کر کہنا کہ یہ میری ماں نے بھیجا ہے اور وہ آپ ﷺ کو سلام کہتی تھی اور کہتی تھی کہ یہ میری جانب سے تھوڑا سا تحفہ قبول فرمائیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس وہ کھانا لے کر گیا اور کہا کہ میری ماں آپ کو سلام کہتی تھی اور یہ بھی کہتی تھی کہ یہ تھوڑا سا تحفہ میری جانب سے قبول کر لیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ادھر رکھ دو اور جاؤ فلاں فلاں آدمی اور جسے تو ملے۔“ (آپ ﷺ نے بعض افراد کے نام لیے) (کو جا کر دعوت دو۔“ جس کا آپ ﷺ نے نام لیا اور جسے میں ملا اسے دعوت دی۔ جعد بن عثمان کہتے ہیں، میں نے انس (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ وہ کتنے لوگ تھے؟ انھوں نے کہا، تقریباً تین سو۔ فرماتے ہیں، مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے انس! وہ کھانے والا برتن لاؤ۔“ جب لوگ آئے تو صفہ اور حجرہ بھر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دس دس آدمیوں کا حلقہ بنا لو اور ہر انسان (شخص) اپنے سامنے سے کھائے۔“ فرماتے ہیں، انھوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ ایک گروہ آتا اور ایک جاتا حتیٰ کہ سب نے کھالیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے کہا: ”اے انس! اسے اب اٹھا لو۔“ میں نے اسے اٹھالیا۔ میں نہیں جانتا کہ جس وقت میں نے کھانا رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب میں نے اٹھایا؟ ان میں سے بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کے گھربا تیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔

آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ دیوار کی جانب اپنا منہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر ثقیل ہو گئے۔ آپ ﷺ وہاں سے نکلے اور اپنی دیگر ازواج کو سلام کہا، پھر واپس پلٹے۔ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو واپس آتے ہوئے دیکھا تو سمجھا کہ ان کا بیٹھنا آپ ﷺ پر دشوار ہو رہا ہے تو وہ جلدی سے دروازے کی جانب بڑھے اور سب چلے گئے۔ آپ آئے تو آپ نے پردہ لٹکا دیا اور میں حجرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ زیادہ دیر نہیں ٹھہرے کہ آیت حجاب اس وقت نازل ہو گئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں پر یہ آیت آخر تک پڑھی۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان آیات کے قریب سب لوگوں سے زیادہ ہوں، کیونکہ

پروے کی شرعی حیثیت

یہ میرے سامنے نازل ہوئی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حجاب پہنا دیا گیا۔“

[ترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة الأحزاب : ۳۲۱۸۔ بخاری : ۵۱۶۳۔ مسلم : ۳۹۔ أبو داؤد : ۴۱۴۵۔ نسائی : ۳۳۸۷]

ان ہر دو احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ سے جب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کی ازواج رضی اللہ عنہن کے سامنے ہر نیک و بد آپ سے ہم کلام ہوتا ہے، آپ انہیں پردہ کرنے کا حکم دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی، پھر اس کے بعد ازواج مطہرات حجاب و پردہ اختیار کرنے لگیں، نیز آپ ﷺ نے اپنے گھر میں پردہ لٹکا دیا تاکہ کسی کی نظر ازواج مطہرات پر نہ پڑے۔

آیت حجاب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے کئی ایک مسائل بیان کر دیے ہیں:

- ① گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنا۔
- ② اجازت سے پہلے گھر میں داخل نہ ہونا۔
- ③ گھر میں داخل ہونے کے بعد وہاں پر زیادہ دیر ایسی گفتگو کے لیے نہ ٹھہرنا جو کہ گھر والوں پر دشوار ہو۔

④ دعوت و لیمہ اور اس کے آداب۔

⑤ نبی ﷺ کو ایذا پہنچانا کیسا ہے؟

⑥ پردے کا حکم۔

⑦ آپ ﷺ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح حرام ہے۔

لیکن اس مختصر سے مضمون میں صرف پردے کے متعلق چند ایک گزارشات پیش کی جائیں گی۔

حجاب کا حکم اور اس کی علت

اس آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے ہے، لیکن اس کا حکم عام ہے، جیسا کہ قرآن حکیم کا بہت سے مقامات پر یہی اسلوب ہے۔ اس آیت کے عام ہونے کی ایک دلیل اس حکم کی علت ہے، فرمایا:

﴿ذَلِكُمْ أَظْهَرَ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ [أحزاب: ۳۳]

یعنی ”یہ حجاب و پردہ تمہارے اور ان کے دلوں کی طہارت کا بہترین ذریعہ ہے۔“ جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ بے پردگی و بے حجابی قلب کی گندگی اور نجاست کا سبب ہے۔ ظاہر ہے اس نجاست و گندگی سے بچنے کے لیے عام مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ ان کے لیے شیطانی چالوں، وسوسوں اور شرارتوں میں پھنسنے کا زیادہ خطرہ ہے، جب کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی پاکیزگی و طہارت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیا ہے، فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

[أحزاب: ۳۳]

”اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے (معصیت و نافرمانی کی) اس آلودگی کو دور رکھے اور تمہیں پاک و صاف کر دے۔“ یہ آیت تطہیر کہلاتی ہے، اس لیے اس حکم میں گو خطاب خاص ہے لیکن اس کا حکم ہر مسلمان کے لیے ہے، یعنی جب بھی کوئی فرد کسی مسلمان عورت سے سوال پوچھنا چاہے تو کھلے بندوں آئے سامنے بیٹھ کر نہیں بلکہ حجاب و پردے کے پیچھے رہ کر بات کرے، اور عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ نزاکت اور لوچ سے گفتگو نہ کرے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْأَلُ النَّبِيُّ لَسْتَنَ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ

الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرْحٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ [أحزاب: ۳۲]

پردے کی شرعی حیثیت

”اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پر ہیزار گاری کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو، تاکہ جس کے دل میں مرض ہو وہ کوئی خیال (طمع) کرے۔ ہاں، قاعدے کے مطابق بات کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے حسن و خوبصورتی میں مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے، اسی طرح اس کی آواز کی خوبصورتی، نزاکت اور نرمی کو بھی دلکش بنایا ہے جو کہ مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اسی بنا پر جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورت کو حجاب و پردے کا حکم فرمایا وہاں انداز گفتگو میں بھی ایسا لب و لہجہ اختیار کرنے سے منع کیا جس میں نرمی و لطافت اور کشش و نزاکت ہو بلکہ ایسا انداز اپنائے کہ کوئی بد باطن برائی کا پروگرام نہ بنا سکے۔ لہجے میں سختی اور روکھا پن ہو، تاکہ برے ارادے والے کے ارادے خاک میں مل جائیں اور وہ اپنے مذموم مقاصد پورے نہ کر سکے۔ یہاں پر یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ ازواج مطہرات رضوانہ علیہن کا مقام اتنا بلند ہے کہ ان کی تعریفیں رب ذوالجلال والا کرام کا کلام پاک کرتا ہے۔ ان کے ساتھ امت کے افراد کا نکاح حرام ہے اور انھیں امت کی مائیں قرار دیتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ [احزاب: ۶]

”نبی کی بیویاں امت کی مائیں ہیں۔“

زیر بحث آیت کریمہ میں ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام کر دیا۔ اس لیے آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی امت کا کوئی فرد آپ کی ازواج سے نکاح نہیں کر سکتا۔ دوسری جانب ان سے گفتگو کرنے اور سوالات پوچھنے والے امت کے عام افراد نہیں، بلکہ ان کا تقویٰ و طہارت، تزکیہ و پاک بازی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کے اطلاعات قرآن حکیم کی آیات کی شکل میں نازل ہو چکے ہیں۔ فرمایا:

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ [البینہ: ۸]

”اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔“

کہیں فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰلِقُونَ﴾ [البقرة: ۵۰]

”یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“

کہیں فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّٰشِدُونَ﴾ [الحجرات: ۷]

”یہی ہدایت یافتہ ہیں۔“

سورہ فتح میں ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا ذکر فرمایا، بلکہ:

﴿يُدۡنِ اللّٰهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمۡ﴾ [الفتح: ۷]

”اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔“

کہہ کر اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھوں کے اوپر قرار دیا، ان کی بیعت کو اپنی بیعت تسلیم کیا اور سورۃ الحدید آیت (۱۰) میں سب کے ساتھ وعدہ حسنی کیا۔

قابل غور نکات

ان آیات کو سامنے رکھ کر ہم سوچیں:

وہ عورتیں امت کی مائیں ہیں، امت کے ساتھ ان کا نکاح حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ

کی ازواج مطہرات جن کی پاک دامنی میں قرآن کی کئی آیات مقدسہ موجود ہیں۔

اور جن افراد کو پردے کے پیچھے رہ کر سوال کرنے کا حکم ہوا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن

سے رب ذوالجلال والا کرام راضی ہوا اور ان سے بخشش کے وعدے کر لیے۔

اور وہ مقصد طہارت و پاکیزگی، دلوں کی ستھرائی اور گناہوں سے نجات ہے۔

اور وہ سوالات دینی مسائل پر مشتمل ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے

پوچھ لیتے تھے۔

تو آج کے مرد و خواتین کو جن کے قلوب و اذہان نجاست و گندگی، برے خیالات،

مذموم مقاصد اور گندے تصورات سے بھرے پڑے ہیں، کس طرح اس بات کی اجازت دی

پردے کی شرعی حیثیت

جاسکتی ہے کہ وہ پردے کے بغیر کھلے بندوں ایک دوسرے سے بند کمروں میں ملاقاتیں (Official Meetings) کریں، اور عورتیں بغیر حجاب کے باہر گھومیں پھریں اور پھر گفتگو میں بھی دین تو کجا دنیا دارانہ حیا کو بھی ملحوظ نہ رکھا جائے!!

عورت کو گھر میں رہنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ [أحزاب: ۳۳]

”اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیمی جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو اور نماز کی ادائیگی کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔“

اس آیت کریمہ میں لفظ ﴿قَرْنَ﴾ یا تو ”وقار“ سے مشتق ہے یا ”قرار“ سے۔ اول الذکر صورت میں معنی ہوگا ”تم گھروں میں وقار سے رہو“ اور موخر الذکر کی صورت میں معنی ہوگا ”تم اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھو۔“ معلوم ہوا کہ عورت کا مسکن اور دائرہ کار اس کا گھر ہے، جہاں پر اسے ٹک کر بیٹھ رہنے کا حکم ہے۔ امور سیاست اور معاشی معاملات اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں اور اگر کسی وقت اسے باہر مجبوری گھر سے باہر جانا پڑے تو اسے یہ آداب بتلا دیے کہ بناؤ سنگھار کر کے، یا ایسے انداز سے جس سے اس کا بناؤ سنگھار ظاہر ہو مت نکلے، جیسے بے پردہ ہو کر جس سے اس کا چہرہ، سر، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے، بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلے۔

تبرج، بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا تو یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما اور دلفریب رکھ لیا جائے۔

[ملاحظہ ہو تفسیر أحسن البیان : ص : ۵۵۲ بتصرف یسر]

اس توضیح سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام سے قبل بھی عورتیں بے حجابانہ، بے حیائی اور بے پردگی کے عالم میں گھومتی پھرتی تھیں اور اگر آج کی جاہلیت کا جاہلیت قدیرہ کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اب مسلمان حقیقی جاہلیت کے دور سے زیادہ بے وقوف اور نادان بن چکا ہے۔

عورت کی نماز گھر میں

عورت کے لیے جس قدر حجاب اور چھپاؤ ہوگا اسی قدر اللہ کے ہاں اس کی عزت و تعظیم ہوگی اور شرف و بزرگی میں اضافہ ہوگا، اسی وجہ سے عورت اگر گھر کے سب سے اندرونی کمرے میں نماز ادا کرتی ہے تو وہ اس کی افضل نماز شمار کی گئی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا »

[أبوداؤد : الصلوة ، باب التشديد في خروج النساء إلى المساجد : ۵۷۰ ، ابن

خزيمة : (۱۶۸۵) ، ابن حبان : (۳۳۰ ، ۳۲۹) ، شرح السنة : (۴۴۲ / ۳) ،

مسند ترك حاكم : (۲۰۹ / ۱) ، تفسير ابن كثير : (۵۳۱ / ۳) ، ترمذی : (۱۱۷۲)]

”عورت کی نماز گھر میں صحن کی نماز سے افضل ہے اور کمرے میں نماز کھلے مکان سے افضل و بہتر ہے۔“

امام ابن کثیر، ابن خزيمة، ابن حبان، حاکم اور امام ذہبی رحمہم نے اسے صحیح قرار

دیا ہے، اس کے کئی ایک معنوی شواہد بھی موجود ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمْ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتَهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ))

[أبوداؤد ، الصلوة ، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد : ۵۶۷ ، مسند

پردے کی شرعی حیثیت

أحمد : (۷۷/۷۶/۲)، شرح السنة : (۸۶۴) (۴۴۱/۳) التمهيد (۲۳/۴۰۰)، مستدرک حاکم : (۲۰۹/۱)، ابن خزيمة : (۱۶۸۴) ["اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔"]

یہ حدیث شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ فَعُرْيُوْنُهُنَّ))

"عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھر کے اندرونی حصے ہیں۔"

[الجامع الصغير : ۵۶۲۲]

یاد رہے کہ مسجد میں عورتوں کو نماز کا ثواب تو ملتا ہے، لیکن پردے میں کمی کی وجہ سے ثواب کم ہو جاتا ہے۔

خوشبو لگا کر گھر سے نکلنے والی عورت

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَّاءٌ وَ كَذَّاءٌ يَعْنِي زَانِيَةٌ))

[ترمذی : الأدب، باب ما جاء في كراهية خروج المرأة متعطرة : ۲۷۸۶۔

أبوداؤد : ۴۱۷۳۔ نسائی : ۵۱۴۱]

"ہر آنکھ زنا کار ہے اور بے شک جو عورت خوشبو لگا کر مجلس کے پاس سے گزرے وہ ایسی ویسی، یعنی زانیہ ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((إِنِّي سَمِعْتُ جَبِّيَ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا تُقْبَلُ

صَلَاةُ لِمَرْأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِهَذَا الْمَسْجِدِ حَتَّى تَرْجِعَ تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنْ

مقالہ رباتیہ

الْجَنَابَةِ

[أبوداؤد، الترجل، باب فی طیب المرأة للخروج: (۴۱۷۴)، مسند أحمد: (۲/ ۲۴۶، ۲۹۷، ۳۶۵، ۴۴۴، ۴۶۱ وغیره)، نیل المقصود: (۴۱۷۴)]
 ”میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم محمد ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”وہ عورت جو مسجد کے لیے خوشبو لگاتی ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، یہاں تک کہ وہ جنابت کی طرح غسل کر لے۔“

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ عورت کا مسکن و ٹھکانا گھر ہے اور جتنی زیادہ گھر کے اندر تک کر بیٹھے گی اللہ کے ہاں اتنی زیادہ مقبول ہوگی اور اگر کسی ضرورت مثلاً نماز اور علاج وغیرہ کی غرض سے گھر سے نکلنا پڑے تو زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کا اظہار کر کے نہ نکلے، حتیٰ کہ مسجد بھی جانا ہو تو ایسی خوشبو جو مہکتی ہو لگا کر نہ جائے۔ اگر ایسی خوشبو لگا کر نکلی جو مہکتی ہے اور مرد حضرات تک اس کی مہک پہنچتی ہے تو یہ ایسی عورت کے بدکار ہونے کی علامت ہے، کیونکہ وہ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر کے دعوتِ گناہ دیتی ہے۔

جلباب کا حکم

سورۃ احزاب میں ہی دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

[احزاب: ۵۹]

”اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی کچھ چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلدان کی شناخت ہو جایا کرے گی۔ پھر ستائی نہ جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“
 یہ آیت کریمہ پردے کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔

پردے کی شرعی حیثیت

امام ابن حزم رحمہ اللہ ”جلاب“ کی تشریح یوں کرتے ہیں:

”وَالْحَلْبَابُ فِي لُغَةِ الْعَرَبِ الَّتِي خَاطَبْنَا بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ مَا غَطَّى جَمِيعَ الْجِسْمِ لَا بَعْضُهُ“

[المحلى لابن حزم: (۲۱۳/۳)]

”جلاب عربوں کی زبان میں وہ زبان جس میں نبی ﷺ گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو تمام بدن کو ڈھانپ لے اور جو کپڑا تمام بدن کو نہ ڈھانپے، اسے جلاب نہیں کہتے۔“

مشہور تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول

”وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ سَأَلْتُ عُبَيْدَةَ السَّلْمَانِيَّ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يُذْنِبِينَ عَلَيْهِنَ مِنْ جَلَابٍ عَلَيْهِنَ﴾ فَغَطَّى وَجْهَهُ وَرَأْسَهُ وَأَبْرَزَ عَيْنَهُ الْيُسْرَى“

[ابن کثیر: (۵۶۹/۳)، قرطبي: (۲۴۳/۱۴)، أحكام القرآن: (۲۴۴/۵)،

روح المعاني: (۵۸۹/۲۲)، طبري: (۳۳/۱۲)، الدر المنثور: (۲۲۱/۵)]

”امام محمد ابن سیرین رحمہ اللہ نے کہا، میں نے عبیدہ السلمانی سے اللہ تعالیٰ کے اس

فرمان: ﴿يُذْنِبِينَ عَلَيْهِنَ مِنْ جَلَابٍ عَلَيْهِنَ﴾ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے

اپنا چہرہ اور سر ڈھانپ لیا اور اپنی بائیں آنکھ ظاہر کی۔“

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے تمام

راویوں نے (جو کہ یعقوب از ابن علیہ از ابن عون از محمد از عبیدہ سے مروی ہے) اسی

طرح عمل چادر اوڑھ کر بتایا جس طرح عبیدہ نے بتلایا تھا۔

مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وضاحت

اس کی تائید سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا:

﴿أَمَرَ اللَّهُ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوتِهِنَّ فِي حَاجَةٍ أَنْ يَغْطِينَ
وُجُوهُهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِنَّ بِالْجَلَابِيبِ وَيُتَذَكَّرْنَ عَيْنًا وَاحِدَةً﴾

[ابن کثیر: (۵۶۹/۳)]

”اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کے تحت اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر کی جانب سے بڑی چادروں کے ساتھ اپنے چہرے ڈھانپ لیں اور ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے ظاہر کریں۔“

مذکورہ بالا آیت ﴿ذَلِكَ أَذُنِي أَنْ يُعْرِفَنَ﴾ کے الفاظ پر بار بار غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ پردے کے ذریعے ایک شریف زادی، باحیا عورت اور فاحشہ و بدکار عورت کے درمیان فرق ہو جاتا ہے۔ منافقین مدینہ رات کے وقت جب اندھیرا چھا جاتا اور عورتیں گھروں سے باہر قضائے حاجت کے لیے جاتیں تو انھیں تنگ کرتے تھے۔ ان دنوں گھر بھی تنگ ہوتے تھے، قضائے حاجت کا بندوبست بھی موجودہ زمانے کی طرح نہیں ہوتا تھا۔ حاجت کے لیے باہر ہی جانا پڑتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کر کے پردے کی طرف توجہ دلائی کہ جو عورتیں پردہ کریں گی وہ اپنے پردے کی بنا پر معلوم ہوں گی کہ یہ عورتیں شریف زادیاں ہیں، اسی لیے باپردہ ہیں، پھر اس طرح انھیں ایذا نہیں پہنچائی جائے گی اور چھیڑ چھاڑ کی کسی کو جرأت نہ ہوگی۔ اس کے برعکس بے پردہ عورتیں اوباش لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنی رہیں گی۔

تفسیر احسن البیان ص: (۵۵۷) میں ہے:

جَلَابِيبُ جَلْبَابٌ کی جمع ہے، جو ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے۔ اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد اپنے چہرے پر اس طرح گھونگھٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے۔ پاک و ہند یا دیگر اسلامی ممالک میں برقعے کی جو مختلف صورتیں ہیں، عہد رسالت میں یہ برقعے عام نہیں تھے، پھر بعد میں معاشرت میں وہ سادگی نہیں رہی جو

پردے کی شرعی حیثیت

عہد رسالت اور صحابہ و تابعین کے دور میں تھی۔ عورتیں نہایت سادہ لباس پہنتی تھیں۔ بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا آج کے دور جیسا کوئی جذبہ ان کے اندر نہیں ہوتا تھا لیکن بعد میں یہ سادگی نہیں رہی۔ اس کی جگہ تجمل و زینت نے لے لی اور عورتوں کے اندر رزق برق لباس اور زیورات کی نمائش عام ہو گئی جس کی وجہ سے چادر سے پردہ کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی جگہ مختلف انداز کے برقعے عام ہو گئے، گو اس سے بعض دفعہ عورت کو بالخصوص سخت گرمی میں کچھ دقت بھی محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ ذرا سی تکلیف شریعت کے تقاضوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم جو عورت برقعے کے بجائے پردے کے لیے بڑی چادر استعمال کرتی ہے اور پورے بدن کو ڈھانپتی اور چہرے پر صحیح معنوں میں گھونگٹ نکالتی ہے، وہ یقیناً پردے کے حکم کو بجالاتی ہے، کیونکہ برقع ایسی لازم شے نہیں ہے جسے شریعت نے پردے کے لیے لازمی قرار دیا ہو، لیکن آج کل عورتوں نے چادر کو بے پردگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ پہلے وہ برقعے کی جگہ چادر اوڑھنا شروع کرتی ہیں، پھر چادر بھی غائب ہو جاتی ہے اور صرف دوپٹہ رہ جاتا ہے۔ بعض عورتوں کے لیے تو اس کا لینا بھی گراں گزرتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اب برقعے کا استعمال ہی صحیح ہے، کیونکہ جب سے برقعے کی جگہ چادر نے لی ہے بے پردگی عام ہو گئی ہے، بلکہ عورتیں نیم برہنگی پر بھی فخر کرنے لگی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہ و اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

آج کل بعض پردہ دار گھرانوں میں برقع یا چادر کا استعمال اس انداز کا ہوتا ہے کہ اس سے عورت کی خوب صورتی مزید نمایاں ہوتی ہے، مثلاً: آنکھوں کا کھلا رکھنا یا جزوی طور پر چہرہ چھپانا اور پھر چادر کو ایک خاص انداز میں لپیٹنا کہ جس سے جسم کے مخصوص اعضاء واضح نظر آ سکیں، یہ ہرگز پردہ نہیں ہے!! اس انداز سے بد صورت عورت بھی خوب صورت لگتی ہے۔ پردہ تو دراصل عورت کے زیب و زینت اور حسن و جمال کو چھپانے کا نام ہے، اس ضرورت کو جو چادر یا برقع پورا کر سکے وہ شرعی پردہ ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

[تفسير بيضاوي: (٢٥٢/٢)]

”مسلمان عورتیں جب اپنی حاجات کے لیے باہر نکلیں تو اپنی چادر سے اپنے چہروں اور جسموں کو ڈھانپ لیں۔ اس آیت کریمہ میں ”مِنْ“ تبعض کے لیے ہے، یعنی عورت چادر کا کچھ حصہ اپنے چہرے پر ڈال لے اور باقی سے جسم ڈھانپ لے۔“

مفسرین کی ان توضیحات سے معلوم ہوا کہ عورت جب کسی حاجت کے لیے نکلے تو اپنے چہرے کو ڈھانپ کر گھونگھٹ نکال کر نکلے، کھلے بندوں، بے حجابانہ اور بے پردگی کے عالم میں نہ نکلے۔

زمینت کو چھپانے اور نظریں بچانے کا حکم

اسلام نے صرف عورت کو غیر محرم مرد سے نزاکت اور نرم گفتگو والے انداز اور گھروں میں سکون اور وقار سے رہنے کا ہی حکم نہیں دیا، بلکہ اس کی حفاظت کے لیے ہر ایسے راستے پر دیوار کھڑی کر دی ہے جہاں سے اسے جذبات کے بھڑکنے اور شہوات نفسانی کو تسکین پہنچانے کا سامان بہم پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ أَبْصَارَهُمْ وَيَحْفَظُونَ أَرْوَاجَهُمْ ذَلِكَ لَهُمْ إِنْ أَلَّهِ خَيْرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ٥٠﴾ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانَهُنَّ أَوْ إِخْوَانَهُنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءَهُنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ الْكَاذِبِينَ غَيْرَ أُولِي الرَّابِيعَةِ مِنَ النِّجَالِ أَوْ الْظُفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنَ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ

پدے کی شرعی حیثیت

يٰۤاَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾ [النور: ۳۰، ۳۱]

”مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔ مومنہ عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آئینلے ڈالے رہیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، مگر ان لوگوں کے سامنے، شوہر، باپ، سر، اپنے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے غلام، وہ زبردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں تاکہ اپنی زینت جو انھوں نے چھپا رکھی ہے اس کا علم لوگوں کو ہو جائے اور تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو اے ایمان والو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

آیت حجاب کب نازل ہوئی؟

اس سے پہلے جو آیت حجاب ذکر کی گئی ہے وہ ذی قعدہ ۵ھ میں نازل ہوئی، کیونکہ آپ ﷺ کی شادی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ذی قعدہ ۵ھ میں قرار پائی اور یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔ ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر: (۵۵۳/۳)، فتح القدیر: (۲۹۹/۴)۔

سورہ نور کی یہ آیات کریمہ واقعہ انک کے موقع پر نازل ہوئیں جو غزوہ بنی مصطلق یا مریسج سے واپسی پر پیش آیا اور یہ غزوہ ۶ھ میں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورہ نور کی آیات نزول کے اعتبار سے سورہ احزاب کی آیات سے بعد میں ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعی پردے کے احکام سورہ نور کی ان آیات سے پہلے شروع ہو چکے تھے۔ ان آیات میں

مقالہ رہانہ

اللہ تعالیٰ نے نظر کے احکامات اور زینت کا خود بخود ظاہر ہونا اور جن کے آگے زینت کا اظہار ہو سکتا ہے ان افراد کا ذکر فرمایا ہے۔

ان آیات سے مندرجہ ذیل احکام معلوم ہوئے:

✽ انسان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنی بیوی یا محرم خواتین کے علاوہ کسی کی طرف نگاہ اٹھائے۔

اگر کہیں غلطی سے اچانک نظر اٹھ جائے تو شریعت نے اسے معاف کر دیا ہے اور نظر پھیر لینے کا حکم دیا ہے۔

اچانک نظر کا حکم

✽ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا:

«يَا عَلِيُّ لَا تَتَّبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُولَىٰ وَكَسَتْ لَكَ الْآخِرَةَ»

[مسند أحمد: (۳۵۱/۵، ۳۵۳، ۳۵۷)، أبوداؤد، النکاح، باب ما يؤمر به من غض البصر: (۲۱۴۹)، ترمذی (۲۷۷۸)، مستدرک حاکم: (۱۹۴/۲) دارمی: (۲۹۸/۲)]

”اے علی! نظر کے پیچھے نظر نہ لگائیں، بلاشبہ پہلی نظر تیرے لیے ہے اور دوسری تیرے لیے نہیں۔“

✽ سیدنا جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں:

«سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظْرَةِ الْفَجَاءَةِ فَقَالَ: أَصْرِفْ بَصْرَكَ»

[أبوداؤد، النکاح، باب فی ما يؤمر به من غض البصر: (۲۱۴۸)، مسلم: (۲۱۵۹)، دارمی: (۲۷۸)]

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر اٹھ جانے کے بارے میں سوال کیا تو

پردے کی شرعی حیثیت

آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی نگاہ پھیر لے۔“

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

﴿فَرْنَا الْعَيْنَ النَّظْرُ وَزَنَا اللِّسَانَ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمْنَى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ وَيُكَذِّبُهُ﴾

[بخاری، القدر، باب و حرم علی قریة أهلکناها..... الخ : ۶۶۱۲، مسلم :

۶۲۵۷، مسند أحمد : ۱/۱۲۵، ۱۲۶]

” (غلط) دیکھنا آنکھ کا زنا ہے (غلط) بولنا زبان کا زنا ہے اور نفس تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ ان تمام امور کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔“

غض بصر سے مستثنیٰ صورت

غض بصر (یعنی نگاہ نیچی رکھنا) سے مگتیر مستثنیٰ ہے، یعنی اگر کوئی آدمی کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس غرض سے عورت کو دیکھ لینے کی اجازت ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

﴿جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ: فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّ فِيْ أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا﴾

[مسلم : النکاح، باب ندب من أراد نکاح..... : ۷۵، ۷۴/۱۴۲۴]

”ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے کہا، میں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کا ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اسے دیکھ لے، بے شک انصار کی آنکھوں میں کچھ خلل ہوتا ہے۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ﴾

[أبو داؤد: النکاح، باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها :

[أبوداؤد: النکاح، باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها : (٢٠٨٢)، مسند أحمد : (٣٣٤/٣، ٣٦٠)، مستدرک حاکم : (١٦٥/٢)، امام حاکم اور امام ذہبی رحمہما نے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما نے فتح الباری (١٨١/٩) میں اسے حسن قرار دیا ہے۔ نیل المقصود : (٢٠٨٢)]

”جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اسے چاہیے اگر ممکن ہو تو اس عورت کو ایک نظر دیکھ لے۔“

✽ جناب سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے :

﴿ قَالَ خَطَبْتُ امْرَأَةً فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا فَقُلْتُ لَا قَالَ فَانْظُرِي إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤَدِمَ بَيْنَكُمَا ﴾

[مسند أحمد : (٢٤٦/٤)، ترمذی : (١٠٨٧)، ابن ماجہ : (١٨٦٥)، نسائی : (٣٢٣٥)، دارمی : (١٨٠/٢)]

”کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا : ”کیا تو نے اس کی طرف دیکھا ہے؟“ میں نے کہا، ”نہیں!“ فرمایا : ”اس کی طرف ایک نظر دیکھ لے، اس طرح زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ تمہارے درمیان موافقت ہوگی۔“

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے خاطب (پیغام نکاح دینے والے) کو اجازت دی ہے کہ جس عورت سے وہ شادی کرنا چاہتا ہے اسے ایک نظر دیکھ لے اور غیر خاطب (پیغام نکاح نہ دینے والے) کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اگر خاطب نکاح کے لیے نہیں بلکہ صرف لطف اندوز ہونے کے لیے دیکھے گا تو وہ گناہ گار ہوگا۔

شرم گاہوں کی حفاظت

چونکہ غیر محرم عورت کی طرف دیکھنے سے جذبات و خواہشات نفسانیہ کے بگڑنے کا ڈر اور قوی امکان موجود ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں نگاہوں کی حفاظت کا امر فرمایا

پردے کی شرعی حیثیت

ساتھ ہی شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم صادر کر دیا۔

شرم گاہوں کی حفاظت سے مراد، نفسانی خواہشات پوری کرنے کی جتنی بھی ناجائز صورتیں ہیں ان سے اجتناب کرنا ہے۔ اس میں زنا، لواطت، دو عورتوں کا باہمی سحاق (عورتوں کی باہم جنس پرستی) جس سے شہوت پوری ہو جائے اور عادت سریہ، یعنی ہاتھ سے شہوت پوری کرنا سب شامل ہیں اور یہ تمام امور ناجائز و حرام ہیں۔ نیز حفاظت فروج میں یہ امر بھی موجود ہے کہ اپنا ستر دوسروں کے آگے نہ کھولے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مومنین کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اوصاف حمیدہ اور صفات جمیلہ کا تذکرہ فرمایا، اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۚ اِلَّا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ۚ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مُلْتَوِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾

[المؤمنون : ۵ تا ۷]

”جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے، یقیناً یہ لوگ ملامتیوں میں سے نہیں۔ اور جو لوگ اس کے سوا تلاش کرتے ہیں وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔“

ان آیات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے بیوی اور لونڈی کے علاوہ شرم گاہ کے غلط استعمال کو حدود اللہ سے تجاوز قرار دیا ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ناجائز خواہشات پوری کرنے کی تمام اشیاء کو حرام کر دیا ہے، جن کی ابتدا اور انتہا کو وضاحت سے بیان کر دیا۔ باقی امور خود بخود اس کے اندر آ گئے۔ ابتدا نظر سے ہوتی ہے اور انتہا فرج پر، یعنی برائی کا پہلا سبب اور مقدمہ غلط نگاہ ڈالنا اور آخری منزل زنا ہے۔ ان دونوں کا صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا اور اس کے علاوہ دیگر امور، یعنی بوسہ ریزی، ہاتھ لگانا وغیرہ ضما آ گئے۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ يَضْمَنُ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ﴾

[بخاری، الرقاق، باب حفظ اللسان: (۶۴۷۴)، مسند أحمد: (۳۳۳/۵)،

ترمذی: (۲۴۱۰)، شرح السنة: (۱۲۲)]

”جس نے مجھے زبان اور شرم گاہ کی ضمانت دی میں اسے جنت کی ضمانت دیتا

ہوں۔“

زینت کو چھپانے کا مفہوم

زینت کی لغوی اور شرعی تعریف

زینت لغوی طور پر لباس کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف: ۳۱]

”ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کیا کرو۔“

زینت سے مراد لباس ہے، اعضاء تو محاسن ہیں اور حسن کے بجائے زینت کا لفظ اس

لیے بولا گیا ہے کہ اس میں عمومیت زیادہ ہے۔

اس آیت کریمہ کے مفہوم کو خواہ مخواہ الجھا دیا گیا ہے، وگرنہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ [النور: ۳۱]

”کہ وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔“

(إِبْدَاءً) کا معنی اظہار کرنا اور (ظَهَرَ يَظْهَرُ) کے معنی ظاہر ہونا اور باہر آنا کے ہیں۔

(إِلَّا) سے پہلے اظہار زینت کی ممانعت کر دی اور (إِلَّا) کے بعد جو چیز خود بخود کھل جاتی

ہے اس کی اباحت ذکر کر دی۔ یعنی عورت کو زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کے اظہار کی

اجازت نہیں، البتہ جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے جیسے ہوا کے چلنے سے چادر کا اڑ جانا اور

زینت کا ظاہر ہو جانا وغیرہ یا وہ چادر جو عورت اپنے اوپر اوڑھتی ہے اس کا چھپانا ممکن نہیں،

حالانکہ وہ بھی زینت ہے۔

یا پھر اس جملے میں اتنا بتلانا مقصود ہے کہ عورت کو فی نفسہ چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھنے کی اجازت ہے، کیونکہ بہت سی دینی و دنیاوی ضرورتیں ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں، اس لیے ان اعضا کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور اس آیت کریمہ میں ہاتھ اور منہ کو دوسروں کے سامنے کھولنے کے جواز اور عدم جواز سے کوئی واسطہ نہیں، اس کا ذکر آنے والی آیت میں ہے کہ عورت کو اپنی زینت یعنی چہرہ اور ہاتھ کے ظاہر کرنے میں کن کن مردوں کے سامنے اجازت ہے۔ اسی ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کے متصل بعد جو آیت آرہی ہے، اس میں ان محارم کی تصریح ہے جن کے سامنے عورت اپنی زینت کھول سکتی ہے اور ان کے علاوہ کسی کے آگے اسے زینت کھولنے کی اجازت نہیں۔

اب اگر مغربی معاشرے کے مطابق ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے تو آئندہ آیت میں ان محارم باپ، بیٹا اور بھائی کے استثناء کی کیا ضرورت تھی؟ اس لیے کہ جب عورت کو عام مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوگی تو باپ، بیٹا اور بھائی کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہو جائے گی۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں عورت کو فی نفسہ چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کی اجازت ہے اور ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ ﴿إِلَّا بِمُؤْتَكِّنٍ﴾ میں ان محارم کا ذکر کر دیا جن کے آگے زینت کا اظہار کر سکتی ہے، لہذا پہلی آیت میں زینت سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں یا زیورات و سرمہ وغیرہ۔ خلاصہ یہی ہے کہ اجنبی اور غیر محرم کے سامنے اسے کھولنا کسی طرح بھی درست اور جائز نہیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ بھی فرمایا:

”وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں۔“ تاکہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہو اس کا علم لوگوں کو ہو جائے۔

پاؤں کی مخفی زینت سے مراد پازیب وغیرہ ہے، اس لیے کہ زیور کی آواز بھی اجنبی

افراد کو گناہ کی طرف مائل اور راغب کرنے کا باعث بنتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی پابندی عائد کر دی۔ قرآن مجید کے ان واضح ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جنسی آزادی، فحاشی اور عریانی کے ادنیٰ سے ادنیٰ راستے کو بھی کھولنا پسند نہیں فرماتے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ عورت کو زمین پر پاؤں مار کر چلنے کی اجازت نہیں دیتا تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ عورت کو بے محابا، کھلے بندوں، بناؤ سنگھار کر کے، پاؤں میں گھنگرو باندھ کر رقص کرنے اور زرق برق لباس اور زیورات سے مزین ہو کر پھرنے کی اجازت دے؟ اللہ تعالیٰ نے تو اس قسم کے تمام چور دروازوں کو بند کر دیا ہے۔

بوڑھی عمر کی عورتوں کے پردے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

[النور : ٦٠]

”اور جو عورتیں جوانی سے گزری بیٹھی ہوں، نکاح کی امید وار نہ ہوں وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں، تاہم وہ بھی حیا داری ہی برتیں تو ان کے حق میں اچھا ہے اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں ﴿أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ کہ ”وہ کپڑے اتار دیں“ سے مراد سارے کپڑے اتار کر برہنہ ہونا قطعاً نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ زائد چادریں اور برقعے ہیں جن کے ذریعے عورت اپنی زینت کو چھپاتی ہے۔ جن کا ذکر سورہ احزاب کی آیت میں پہلے گزر چکا ہے۔

شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پردے کی شرعی حیثیت

”اس آیت کریمہ سے پردہ کے واجب ہونے پر وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بوڑھی عورتوں سے گناہ کی نفی کی ہے جو سن رسیدہ ہونے کے سبب نکاح کی امید نہیں رکھتیں، اس لیے کہ بوڑھی ہونے کی وجہ سے مردوں کو ان کے ساتھ نکاح میں کوئی رغبت نہیں ہوتی، لیکن اس عمر میں بھی چادر اتار رکھنے پر گناہ نہ ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس سے ان کا مقصد زیب و زینت کی نمائش نہ ہو۔ یہ امر بھی دلیل کا محتاج نہیں ہے کہ چادر اتار لینے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ کپڑے اتار کر بالکل برہنہ ہو جائیں، بلکہ اس سے صرف وہ کپڑے مراد ہیں جو عام لباس کے اوپر سے اس لیے اوڑھے جاتے ہیں کہ جسم کے وہ حصے جو عام لباس سے عموماً باہر رہتے ہیں جیسے چہرہ اور ہاتھ وغیرہ چھپ جائیں۔ لہذا ان بوڑھی عورتوں کو جو کپڑے اتارنے کی رخصت دی گئی ہے اس سے مراد یہی مذکورہ اضافی کپڑے، یعنی (چادر اور برقع وغیرہ) ہیں جو پورے جسم کو ڈھانپتے ہیں، لیکن اس حکم کی عمر رسیدہ خواتین کے ساتھ تخصیص دلیل ہے کہ جوان اور نکاح کی عمر والی عورتوں کا حکم ان سے مختلف ہے کیونکہ اگر سب عورتوں کو یہ اضافی کپڑے اتار دینے اور صارف عام لباس پہننے کی اجازت ہوتی تو ”سن رسیدہ و نکاح کی عمر سے گزری ہوئی عورتوں“ کو بالخصوص ذکر کرنے کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا۔ مذکورہ آیت کریمہ کے الفاظ ﴿عَلَى الْمُتَنَبِّحَاتِ بِزِينَةٍ﴾ ”بشرطیکہ یہ بوڑھی عورتیں اپنی زینت کا مظاہرہ نہ کرتی پھریں۔“ اس بات کی ایک اور دلیل ہے کہ نکاح کے قابل جوان عورتوں پر پردہ واجب ہے، چونکہ عام طور پر جب وہ اپنا چہرہ کھلا رکھتی ہیں تو اس کا مقصد زینت کی نمائش اور حسن و جمال کا نمایاں مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مرد اس کی طرف دیکھیں اور اس کے حسن و جمال کی مدح و توصیف کریں۔ اس قماش کی عورتوں میں نیک نیت شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں اور شاذ و نادر صورتوں کو عام قوانین کی بنیاد نہیں بنایا جاتا۔

[پردہ: ص: ۱۶، ۱۷]

شبہ: اوپر والی آیت میں غص بصر (نظر کو بچانا) سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ چہرے کا پردہ نبی ﷺ کے دور میں رائج نہیں تھا اگر رائج ہوتا تو نظر کے بچانے کا حکم کیوں دیا جاتا؟

ازالہ: یہ استدلال عقلی اور نقلی ہر دو لحاظ سے غیر درست اور غلط ہے۔ نقل اس طرح کہ کئی ایک احادیث صحیحہ ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرے کا پردہ دور رسالت میں صحابیات رضی اللہ عنہن میں رائج و معتاد تھا۔ چند ایک دلائل ملاحظہ ہوں:

چہرہ چھپانے کا معمول

پہلی دلیل: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں ان کی براءت نازل کی۔ یہ واقعہ اقلک کے نام سے کتب احادیث میں معروف ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنگل سے واپس آ کر جب دیکھا کہ قافلہ چلا گیا ہے تو آ کر وہیں بیٹھ گئیں۔ بیان کرتی ہیں کہ واپس آ کر جب وہاں بیٹھی تو نیند کا غلبہ ہوا تو میں وہاں ہی سو گئی۔ صبح کو جب صفوان بن معطل السلمی رضی اللہ عنہ اس طرف بڑھے تو دور سے ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھ کر اس طرف آئے:

«فَاتَانِي فَعَرَفَنِي حِينَ رَأَيْتُ وَكَانَ يَرَانِي قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهِ حِينَ عَرَفَنِي فَخَمَرْتُ وَجْهِي بِحِلْبَابِي وَاللَّهِ مَا كَلَّمَنِي كَلِمَةً وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ»

[بخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ﴾ : ۴۷۵۰ و کتاب المغازی : ۴۱۴۱، مسلم : ۲۷۷۰، مسند أحمد : ۱۹۵/۶، ابن جریر، سیرۃ ابن ہشام وغیرہ]

”جب صفوان رضی اللہ عنہ ادھر آئے تو انھوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا، کیونکہ پردے کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے۔ مجھے پہچان کر انھوں نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا تو ان کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے

پردے کی شرعی حیثیت

اپنا چہرہ ڈھانک لیا۔ اللہ کی قسم! انھوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی میں نے ان سے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ کے علاوہ کوئی کلمہ سنا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیتِ حجاب کے نزول کے بعد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن چہرے کا پردہ کیا کرتی تھیں۔

دوسری دلیل: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

« قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ فِي الْإِحْرَامِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا الْقَمِيصَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا الْبُرَانِسَ إِلَّا أَنْ يَكُونُوا أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْ أَصْفَلَ مِنَ الْكُعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا الْوَرُسُ وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرَمَةُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُقَازِينَ » [بخاری، جزاء الصيد، باب ما ينهى من الطيب للمحرم والمحرمه : ۱۸۳۸ - أبوداؤد : ۱۸۲۳، مؤطا مالك : ۷۵ - مسند أحمد : ۱۱۹/۲، ح : ۶۵۵۸ - نسائی : ۲۶۶۶ - ترمذی : ۸۳۳]

کہ ”ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: ”اے اللہ کے رسول! حالتِ احرام میں آپ ہمیں کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں؟“ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم قمیص، پاجامے، گڑیاں اور ٹوپیاں نہ پہنو، اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے اور انھیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ دے اور ایسی چیز نہ پہنو جسے زعفران اور ورس نے چھوا ہو اور احرام والی عورت نقاب اور دستانے نہ پہنے۔“

اس صحیح حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ ٹوپیاں اور گڑیاں اکثر و بیشتر پہنے رہتے تھے۔ اسی طرح عورتیں اپنے چہروں پر نقاب اوڑھے رہتی تھیں اور ہاتھوں پر دستانے (Gloves) بھی پہنتی تھیں۔ اگر یہ معمول نہ ہوتا تو حالتِ احرام

سے بالخصوص ان کی ممانعت نہ ہوتی۔ حالتِ احرام میں ان امور سے بالخصوص منع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا نقاب باندھنا اور دستانے پہننا معمول تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ حج میں صرف نقاب باندھنا منع ہے، لیکن چہرے کے اوپر غیر مردوں کو دیکھ کر پلو ڈالنا اور پردہ کرنا منع نہیں۔ صحابیات رضی اللہ عنہن حالتِ طواف میں جب کوئی اجنبی وغیرہ محرم سامنے آتا تو پردہ کر لیتی تھیں، جس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

تیسری دلیل: سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كُنَّا نَغْطِي وَجُوهَنَا مِنَ الرِّجَالِ»

[صحیح ابن خزيمة: ۲۰۳/۴، ح: ۲۶۹۰۔ مستدرک حاکم: ۱/۴۵۴، ح: ۱۶۶۸]

امام حاکم نے فرمایا، یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور مستدرک کی تلخیص میں

امام حاکم کی امام ذہبی نے موافقت کی ہے۔ (موطا مالک: ۱/۲۲۴، ح: ۷۲۴)

”ہم اپنے چہروں کو مردوں سے چھپاتی تھیں۔“

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن میں چہرے کا پردہ رائج تھا۔

اور عقلاً اس لیے غلط ہے کہ چہرے کا پردہ عموماً رائج ہونے کے باوجود ایسے مواقع پیش آ سکتے ہیں، جب کہ اچانک کسی مرد و عورت کا آمنہ سامنا ہو جائے اور ایک پردہ دار کو بھی بسا اوقات ایسی ضرورت پیش آ سکتی ہے کہ وہ منہ کھولے اور مسلمان عورتوں پر پردہ رائج ہونے کے باوجود بہر حال غیر مسلم خواتین تو بے پردہ ہی رہیں گی، لہذا محض نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم عورتوں کے کھلے منہ پھرنے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

محرم مردوں سے خلوت اختیار کرنا

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالذُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ

اللَّهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمَوُ قَالَ الْحَمَوُ الْمَوْتُ»

پردے کی شرعی حیثیت

[بخاری مع فتح الباری : (۳۳۰/۹) ج: ۵۲۳۲) ، مسلم ، السلام ، باب تحریم الخلوۃ بالأجنیۃ والدخول علیہا : (۲۱۷۲/۲۰) ، شرح السنۃ : (۲۶/۹) ، ج: ۲۲۵۲) ، مسند أحمد : (۱۴۹/۴) ، دارمی (۲/۲۷۸) ترمذی : (۱۷۱) [۴۷۴/۳]

”غیر محرم عورتوں کے پاس داخل ہونے سے بچو۔“ ایک انصاری آدمی نے کہا، اے اللہ کے رسول! دیور کے بارے میں بتائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دیورتو موت ہے۔“

اس حدیث میں غیر محرم مرد کی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت کی ممانعت کر دی گئی تاکہ وہ علیحدگی اور تنہائی میں رہ کر برائی نہ کر سکیں۔ نبی ﷺ سے ”حمو“ کے بارے میں پوچھا گیا۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الْحَمُو جَمْعُهُ الْأَحْمَاءُ وَهُمْ الْأَصْهَارُ مِنْ قَبْلِ الزَّوْجِ وَالْأُخْتَانِ مِنْ قَبْلِ الْمَرْأَةِ وَالْأَصْهَارُ تَجْمَعُ الْفَرِيقَيْنِ أَيْضًا وَأَرَادَ هَاهُنَا أَخَا الزَّوْجِ فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ مُحَرَّمًا لِلْمَرْأَةِ وَإِنْ كَانَ أَبَا الزَّوْجِ وَهُوَ مُحَرَّمٌ فَكَيْفَ بِمَنْ لَيْسَ بِمُحَرَّمٍ“ [شرح السنۃ : ۲۶/۹]

”حمو کی جمع احماء ہے اور اس کا اطلاق عورت کے خاوند کی جانب سے مرد رشتہ دار اور مرد کی عورت کی جانب سے بہنوں پر ہوتا ہے اور ”اصهار“ کا لفظ دونوں فریقوں کو جمع کرتا ہے اور یہاں پر اس سے مراد خاوند کا بھائی ہے، اس لیے کہ وہ بھائی کا محرم نہیں ہے اور اگر خاوند کا باپ مراد ہو تو وہ محرم ہے، پھر اس آدمی کے ساتھ خلوت کس طرح صحیح ہوگی جو غیر محرم ہے؟“ صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

« عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهَبٍ قَالَ : وَ سَمِعْتُ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ :
الْحَمُو أَخُ الزَّوْجِ وَمَا أَشْبَهَهُ مِنْ أَقَارِبِ الزَّوْجِ ابْنِ الْعَمِّ وَنَحْوِهِ »
[مسلم ، السلام ، باب تحریم الخلوۃ بالأجنیۃ والدخول علیہا : (۲۱۷۲/۲۱)]

”عبداللہ بن وہب سے مروی ہے کہ میں نے لیث بن سعد کو فرماتے ہوئے سنا کہ:
”حمو خاوند کا بھائی اور اس کی مثل خاوند کے قریبی رشتہ دار ہیں، جیسے چچا وغیرہ
کا بیٹا۔“

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اتَّفَقَ أَهْلُ الْعِلْمِ بِاللُّغَةِ عَلَى أَنَّ الْأَحْمَاءَ أَقَارِبُ زَوْجِ الْمَرْأَةِ كَأَبِيهِ
وَعَمِّهِ وَأَخِيهِ وَابْنِ أَخِيهِ وَابْنِ عَمِّهِ وَنَحْوِهِمْ وَأَنَّ الْأُخْتَانَ أَقَارِبُ
زَوْجَةِ الرَّجُلِ وَأَنَّ الْأَصْهَارَ تَقَعُ عَلَى النُّوعَيْنِ“

[فتح الباری : ۳۳۱/۹]

”اہل لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احماء عورت کے خاوند کے قریبی رشتہ دار
ہیں، جیسا کہ مرد کا باپ، چچا، بھائی، بھتیجا، چچا زاد وغیرہ اور آدمی کی بیوی کی
قریبی رشتہ دار بہنیں، اور ”اصهار“ کا لفظ ان دونوں انواع پر بولا جاتا ہے۔“

دیور یا جیٹھ وغیرہ سے خلوت حرام کیوں؟

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”الْمُرَادُ فِي الْحَدِيثِ أَقَارِبُ الزَّوْجِ غَيْرُ آبَائِهِ وَأَبْنَائِهِ لِأَنَّهُمْ
مَحَارِمُ الزَّوْجَةِ يَحْجُوزُ لَهُمُ الْخُلُوعُ بِهَا وَلَا يُوصَفُونَ بِالْمَوْتِ قَالَ
وَأِنَّمَا الْمُرَادُ الْأَخُ وَابْنُ الْأَخِ وَالْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَابْنُ الْأُخْتِ
وَنَحْوُهُمْ مِمَّا يَحِلُّ لَهَا تَزْوِيجُهُ لَوْ لَمْ تَكُنْ مَتَزَوِّجَةً وَجَرَتْ الْعَادَةُ
بِالتَّسَاهُلِ فِيهِ فَيَحِلُّوهُ الْأَخُ بِامْرَأَةِ أَخِيهِ فَشَبَّهَ بِالْمَوْتِ وَهُوَ أَوْلَى
بِالْمَنْعِ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ“ [تحفة الأحوذی : ۳۱۲/۴]

”حدیث میں حمو سے مراد خاوند کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اس کے باپ اور بیٹوں
کے علاوہ، اس لیے کہ سر اور خاوند کا بیٹا عورت کے محرم ہیں۔ ان کے ساتھ

پردے کی شرعی حیثیت

خلوت جائز ہے اور انھیں موت سے موصوف نہیں کیا جاتا۔ یہاں مطلب خاوند کا بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا اور بھانجا وغیرہ ہیں، جن کے ساتھ اس عورت کا نکاح حلال ہو جب کہ وہ غیر شادی شدہ ہو اور اس مسئلہ میں عموماً غفلت برتی جاتی ہے کہ آدمی اپنی بھابی سے خلوت و تنہائی اختیار کرتا ہے، اسے موت سے تشبیہ دی گئی اور اجنبی کی نسبت یہ ممانعت کے زیادہ لائق ہے۔“

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الْمَعْنَى أَنَّ خَلْوَةَ الرَّجُلِ بِأَمْرَاءِ أَخِيهِ أَوْ ابْنِ أَخِيهِ تَنْزِيلُ مَنْزِلِ الْمَوْتِ وَالْعَرَبُ تَصِفُ الشَّيْءَ الْمَكْرُوهَ بِالْمَوْتِ“

[فتح الباري: ۳۳۱/۹]

”اس کا مطلب آدمی کا اپنے بھائی یا بھتیجے کی بیوی سے خلوت موت کے مقام پر اترتی ہے اور عرب مکروہ چیز کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔“

امام ابن الاعرابی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”كَلِمَةُ تَقَوْلُهَا الْعَرَبُ مَثَلًا كَمَا تَقُولُ الْأَسَدُ الْمَوْتُ أَيَّ لِقَاءٍ فِيهِ الْمَوْتُ وَالْمَعْنَى احْذَرُوهُ كَمَا تَحْذَرُونَ الْمَوْتَ“

[فتح الباري: ۳۳۲/۹]

”یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسے عرب اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ آپ کہیں ”شیر موت ہے“ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی ملاقات میں موت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اس سے اس طرح ڈرو جیسے تم موت سے ڈرتے ہو۔“

امام نووی رحمہ اللہ نے مزید فرمایا:

”وَإِنَّمَا الْمُرَادُ أَنَّ الْخَلْوَةَ بِقَرِيبِ الزَّوْجِ أَكْثَرُ مِنَ الْخَلْوَةِ بِغَيْرِهِ وَالشَّرُّ يُتَوَقَّعُ مِنْهُ أَكْثَرُ مِنْ غَيْرِهِ وَالْفِتْنَةُ بِهِ أُمْكِنَ لِمَتَمَكُّنِهِ مِنَ الْوُصُولِ إِلَى الْمَرْأَةِ وَالْخَلْوَةَ بِهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ عَلَيْهِ بِخِلَافِ

الْأَجْنَبِيِّ“ [فتح الباری : ۳۳۲/۹]

”اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے قریبی کی خلوت دیگر افراد کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اور اس سے شریک توقع دیگر افراد کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اور عورت کی طرف اس کی رسائی کی بنا پر فتنہ زیادہ ممکن ہے اور اجنبی آدمی کے علاوہ اسے بغیر انکار کے تباہی حاصل ہو جاتی ہے۔“

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:

”مَعْنَاهُ أَنَّ الْخُلُوةَ بِالْأَحْمَاءِ مُؤَدِّيَةٌ إِلَى الْفِتْنَةِ وَالْهَلَاكِ فِي الدِّينِ فَجَعَلَهُ كَهَلَاكِ الْمَوْتِ“ [فتح الباری : ۳۳۲/۹]

”دیور یا جیٹھ وغیرہ سے خلوت فتنے اور دین میں تباہی کو جنم دیتی ہے، چنانچہ اس کو موت کی تباہی کی طرح بنا دیا۔“

ان تمام ائمہ سلف رحمہم اللہ کی تشریحات سے معلوم ہوا کہ دیور یا جیٹھ وغیرہ کو اپنی بھابی کے ساتھ خلوت و تباہی اختیار کرنا حرام ہے، اس سے کئی مفاسد و فتن جنم لیتے ہیں۔ اسی طرح کسی مرد کے لیے اپنی سالی اور بیوی کی چچا زاد، خالہ زاد وغیرہ سے خلوت کرنا بھی منع ہے اور اس کے مفاسد ہمارے معاشرے کے اندر بھی موجود ہیں، جس کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِمْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَةً وَاسْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ: ارْجِعْ فَحُجِّ مَعَ امْرَأَتِكَ»

[بخاری، النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة الا ذو محرم : ۵۲۳۳- مسلم :

۱۳۴۱- شرح السنة : ۱۸/۷، ج: ۱۸۴۹]

”کوئی مرد ہرگز کسی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے۔“ ایک آدمی نے

پروے کی شرعی حیثیت

کھڑے ہو کر کہا، ”اے اللہ کے رسول! میری بیوی حج کے لیے نکلی ہے اور میں اس طرح کے غزوہ میں لکھا گیا ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”واپس پلٹ جا اپنی بیوی کے ساتھ جا کر حج کر۔“

اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِينَا كَقِيَامِي فِيكُمْ فَقَالَ: أَكْرِمُوا أَصْحَابِي ثُمَّ الَّذِينَ يُلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يُلُونَهُمْ ثُمَّ يَظْهَرُ الْكَذِبُ حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلِفُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدُ وَلَا يَسْتَشْهَدُ إِلَّا فَمَنْ سَرَّهُ وَبُحْبَةِ الْحَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْإِثْنَيْنِ أَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمْ وَمَنْ سَرَّهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتُهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ»

[مسند أحمد: (۱/۸۱)، ح: (۱۱۵)، ترمذی: (۲۱۶۶)، مستدرک حاکم: (۱/۱۱۳، ۱۱۵)، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح اور امام حاکم و امام ذہبی نے صحیح کہا ہے]

”بے شک رسول اللہ ﷺ اس طرح ہم میں کھڑے ہوئے جیسے میں کھڑا ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے صحابہ کی عزت کرو، پھر ان لوگوں کی جو ان کے قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں، پھر جھوٹ ظاہر ہوگا یہاں تک کہ آدمی قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم طلب نہیں کی جائے گی اور وہ گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ خبردار! جسے جنت کا وسط پسند ہو وہ جماعت کو لازم پکڑے، یقیناً اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہے اور وہ دو آدمیوں سے بہت دور ہے اور ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے۔ بے شک شیطان ان کا تیسرا ہوتا ہے جس آدمی کو اس کی نیکی خوش کرے اور برائی ناپسند لگے وہ مومن ہے۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

مقالہ رباتیہ

«الَا لَا يَبْتَغِي رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ نَيْبًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاكِحًا أَوْ ذَا مَحْرَمٍ»

[مسلم، السلام، باب تحریم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها : (۲۱۷۱)،

مسند أبي يعلى: (۳/۳۳۸۶، ج: ۱۸۴۸)]

”خبردار! کوئی مرد نیشہ (بیوہ و مطلقہ) کے ساتھ ہرگز رات نہ گزارے، مگر یہ کہ

نکاح والا یا محرم ہو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوہ و مطلقہ عورت کے ساتھ تنہائی و خلوت اختیار کرنا اور

اس کے ہاں رات بسر کرنا ممنوع و حرام ہے۔ سوائے محرم یا نکاح کرنے والے آدمی کے۔

لہذا کنواری عورت کے ساتھ خلوت و تنہائی بالاولیٰ منع ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ امت مسلمہ کو ہر طرح کے فتنے سے محفوظ فرمائے اور ہماری ماؤں،

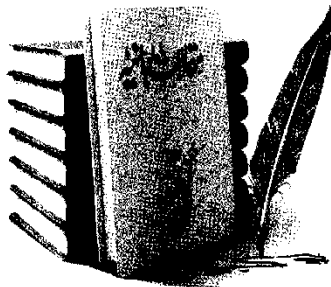
بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کو صحیح اسلامی پردے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!



www.KitaboSunnat.com

احکام رمضان المبارک اور مسائل عید الفطر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [البقرة: ۱۸۳]



« إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَتُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِي رِوَايَةٍ

فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ »

[بخاری : ۱۸۹۹ - مسلم : (۰۷۹)]

”جب رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے اور

ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم

کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔“

احکام رمضان المبارک

فرضیت روزہ و فضیلت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۳]

”اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔“

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ روزہ ان احکاماتِ شرعیہ میں سے ہے جن کا ذکر سابقہ آسمانی ادیان میں موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَالْحَجَّ وَصَوْمَ رَمَضَانَ» [بخاری، الإیمان، باب دعاؤکم إیمانکم لقوله تعالیٰ: ﴿قُلْ مَا يَعْبُورُ بِكُمْ﴾ (۸) مسلم: (۴۵/۲۱)]

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: ① اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

② نماز قائم کرنا ③ زکوٰۃ ادا کرنا ④ حج کرنا ⑤ اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ اسلام کی ایسی اہم عبادت ہے جسے اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ روزہ اپنے اندر ایک عجیب خصوصیت رکھتا ہے کہ یہ ریا کاری اور دکھلاوے سے کوسوں دور اور چشم اغیار سے پوشیدہ، سراپا اخلاص اور عابد و معبود، ساجد و مسجود کے درمیان ایک راز (Mystery) ہے۔ اس کا علم روزے دار اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں ہوتا، جیسے دیگر عبادات نماز، حج اور جہاد وغیرہ کی ایک ظاہری ہیئت و صورت ہوتی ہے، روزے کی اس طرح کوئی ظاہری شکل و صورت موجود نہیں، جس کی وجہ سے کوئی دیکھنے والا اس کا ادراک کر سکے۔ جیسے روزہ رازق و مرزوق اور مالک و مملوک کے درمیان ایک راز ہے، اسی طرح اس کے ثواب و بدلہ کا بھی عجیب معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب روزے کا بدلہ اور ثواب عطا کرے گا تو فرشتوں کو ایک طرف کر دے گا اور اس کا اجر و ثواب خود عطا کرے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ ضَعُفٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدْعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي»

[مسلم، الصیام، باب فضل الصیام: ۱۱۵۱/۱۶۴۔ بخاری: ۱۹۰۴]

”آدم کے بیٹے کے تمام اعمال بڑھا دیے جائیں گے۔ ایک نیکی دس گنا سے سات سو تک، اللہ تعالیٰ فرمائے گا مگر روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا کروں گا۔ اس نے اپنی خواہش اور کھانا میری خاطر ترک کیا تھا۔“

”أَجْزَى“ لفظ کو اگر بصیغہ مجہول، یعنی ”أَجْزَى“ پڑھا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ روزے کا بدلہ میں خود ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کے لیے جنت میں ایک خاص دروازہ بنا دیا ہے جس کا نام ”باب الریان“ ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

« فِي الْحَنَةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرِّيَّانَ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ »

[بخاري، بدء الخلق، باب صفة أبواب الجنة : ۳۲۵۷ - مسلم : ۱۱۵۲]

”جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازے کا نام ”الریان“ ہے، جس سے روزہ داروں کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہوگا۔“

ایک اور ارشاد نبوی ہے:

« إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَتَحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِي رِوَايَةٍ فَتَحَتْ أَبْوَابُ الْحَنَةِ وَغُلِقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلِّسَتِ الشَّيَاطِينُ »

[بخاري، الصوم، باب هل يقال : رمضان أو شهر رمضان و من رأى كله واسعا : ۱۸۹۹ - مسلم، الصيام : ۱۰۷۹]

”جب رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔“

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کے لیے جنت کے دروازے اللہ تبارک و تعالیٰ کھول دیتا ہے اور ان کے لیے جنت میں ایک خصوصی دروازہ بھی ہے جسے ”باب الریان“ کہتے ہیں۔ اللہ کی جنت کا حصول عقائد صحیحہ اور اعمالی صالحہ سے ہوتا ہے، لیکن بعض لوگ اس کائنات میں ایسے بھی موجود ہیں جو صحیح عقیدے سے محروم اور اعمالی سیدھے کے دلدادہ ہیں۔ انیوں و چرس اور ہیروئن کے رسیا، بدکاری اور شراب نوشی سے مخمور، حلال و حرام کی پابندیوں سے آزاد، عفت و عصمت کی چادر کو تار تار کرنے والے، حیا و غیرت کا ہنازہ نکال دینے والے اور پلید و گندی زبانوں سے شرکیہ نعرے لگانے والوں نے اپنی عبادت کے لیے ایک مصنوعی بہشتی دروازہ بنا رکھا ہے اور یہ ایسا دروازہ ہے جہاں سے گزرنے والوں کو پولیس سے ڈنڈے بھی کھانے پڑ جاتے ہیں، لیکن اللہ کی جنت ایسی ہے جو ان

مقالہ رہائش

خرافات سے مبرا ہے اور وہ اہل توحید، مومنین و مجاہدین اور اللہ کے نیک و صالح بندوں کے لیے بنائی گئی ہے جو عقائد و اعمال کے اعتبار سے نفیس ترین لوگ ہیں اور فرائض کی پابندی کرنے والے اور نوافل کو خوش دلی اور ذوق و شوق سے سرانجام دینے والے ہیں۔

روزے کا مقصد

اللہ وحدہ لا شریک نے فرضیت روزہ والی آیت کریمہ میں اس کا مقصد تقویٰ و پرہیزگاری، خوفِ باری تعالیٰ اور للہیت بتایا ہے۔ روزہ انسان کو ایسی قوتِ برداشت سکھاتا ہے جس کی بنا پر انسان اپنے نفس پر ضبط کر سکتا ہے اور روزہ رکھنے سے انسان کے اندر ایسا ملکہ پیدا ہوتا ہے جس کے باعث آدمی اپنے آپ کو تمام اعمالِ سیئہ، اخلاقِ رذیلہ اور عاداتِ شنیعہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اس کے لیل و نہار رسوماتِ قبیحہ سے مبرا اور صاف و شفاف ہو جاتے ہیں۔ شب و روز ذکرِ باری تعالیٰ، تقویٰ و پرہیزگاری، حلاوتِ ایمانی، انابت الی اللہ، رکوع و سجود، تسبیح و تہلیل، خشوع و خضوع، صبر و تحمل، بردباری اور سنجیدگی و متانت جیسی صفاتِ عالیہ میں مصروفِ عمل دکھائی دیتا ہے اور روزہ انسان کو ایسی عظیم صفات سے ہمکنار کرتا ہے جن کی وجہ سے یہ محرمات سے اجتناب کر سکتا ہے اور دورانِ روزہ جو اشیاء اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہیں ان سے بچ کر یہ سبق سیکھ لیتا ہے کہ اگر میرے لیے وقتی طور پر حرام اشیاء سے پرہیز کرنا آسان ہے تو مستقل اور ابدی حرام چیزوں سے بچنا کوئی مشکل نہیں۔

آدابِ روزہ

ارشادِ نبوی ہے:

« مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ »

[بخاری، الصوم، باب من لم يدع قول الزور..... : ۱۹۰۳]

”جس آدمی نے روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو

اللہ وحدہ لا شریک کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔“

✽ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمٍ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرِفْ وَلَا يَصْحَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ »

[بخاری، الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم : ١٩٠٤ - مسلم، الصيام : ١١٥١]

”جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ شہوت انگیز گفتگو نہ کرے اور نہ شور و غوغا سے کام لے، اگر اسے کوئی گالی دے یا اس سے لڑائی کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔“

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« كُمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمْأُ وَكُمِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ » [سنن دارمی، الرقاق : ٢٧٢٣]

”کتنے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزہ سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں اور کتنے ہی قیام کرنے والے ایسے ہیں جنہیں اپنے قیام سے بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔“

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مسند احمد : (٣٤٣/٢)، متدرک حاکم : (١/٢٣١)، بیہقی : (٢٤٠/٣) اور ابن ماجہ : (١٦٩٠) وغیرہ میں موجود ہے۔ اس کی سند قوی ہے اور طبرانی کبیر میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

[مجمع الزوائد : ٢٠٢/٣ بحوالہ مرعاة المفاتيح : ٥٣٠/٦]

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کو حالت روزہ میں گالی گلوچ، بدکلامی، فحش گوئی، تہمت طرازی، عیب جوئی، دروغ گوئی، جھوٹ کی اشاعت، جھوٹ پر عمل کرنا، کذب بیانی، غیبت، ہوا و حرص، طمع و لالچ، خواہشات نفسانیہ، چوری، ڈکیتی، آنکھ پجولی، برائی، زنا، فحاشی، عریانی، گانا بجانا، قص و سرود کی محافل قائم کرنا، فحاشی پر مبنی لٹریچر شائع کرنا اور

مقالہ رسانیہ

اسے فروغ دینا، وی، سی، آر۔ ٹی، وی اور ڈش پر حیا سوز پروگرام دیکھنا، بد چلنی، اوباشی، نا انصافی، ظلم و ستم، جبر و استبداد، نوسربازی، بد عنوانی، رشوت، سود خوری، سگریٹ نوشی، حقہ پینا، شراب خوری، جوا و قمار بازی، خیانت و خباثت، چغل خوری، غنڈہ گردی، عیاری، دغا بازی اور دیگر شیطانی امور سے اجتناب از حد ضروری ہے، ورنہ روزے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جو آدمی بھوکا پیاسا رہ کر امورِ بلا کا مرتکب ہوگا اس کا روزہ نہیں بلکہ فاقہ ہوگا۔ اسی طرح شب زندہ وار ہو کر اخلاقِ رذیلہ کا پیکر بنے اور اعمالِ سیئہ کا مرتکب ہو تو اسے رات کی بیداری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہمارے ملکی اخبارات و جرائد کے ایڈیٹر حضرات کو بھی سوچنا چاہیے جو جھوٹ کی اشاعت اور جرائم کو ہوا دینے سے رمضان المبارک میں بھی باز نہیں آتے اور تقریباً تمام اخبارات فاحشہ اور بدکار عورتوں کی تصاویر نمایاں کر کے شائع کرتے ہیں۔ اگر حالتِ روزہ میں ایسے امور سے اجتناب نہ کیا گیا تو روزے کا کیا فائدہ؟

رؤیتِ ہلال

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْا الْهَلَالَ وَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ فَإِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ فَأَقْدُرُوا لَهُ »

[بخاری، الصوم، باب قول النبی ﷺ إِذَا رَأَيْتُمُ الْهَلَالَ فَصُومُوا..... : ۱۹۰۶،

۱۹۰۷۔ مسلم : ۱۰۸۰]

”تم روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور نہ ہی افطار کرو حتیٰ کہ تم اسے دیکھ لو۔ اگر تمہارے اوپر مطلع ابر آلود ہو تو اس کے لیے گنتی کرو۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَيْهِ فَإِنْ غُبِيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ »

[بخاری، الصوم، باب قول النبی ﷺ إِذَا رَأَيْتُمُ الْهَلَالَ فَصُومُوا..... : ۱۹۰۹۔

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

[مسلم: ۱۰۸۱]

”چاند کے دیکھنے پر روزہ رکھو اور اس کے دیکھنے پر ہی افطار کرو۔ اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کی گنتی کے تیس (۳۰) دن پورے کر لو۔“
یعنی شعبان المعظم کی انتیس (۲۹) تاریخ کو چاند دیکھو اگر نظر آ جائے تو دوسرے دن روزہ رکھو اور اگر نظر نہ آئے یا مطلع ابر آلود ہو تو پھر شعبان کے تیس دن پورے کر کے رمضان کا روزہ رکھو۔ شک کا روزہ کسی صورت بھی رکھنا درست نہیں۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»

[نسائی، الصیام، باب صیام یوم الشک : ۲۱۹۰۔ أبوداؤد : ۲۳۳۴۔ ترمذی :

۶۸۶۔ ابن ماجہ : ۱۶۴۵۔ دارمی : ۱۶۸۲]

”جس نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم محمد ﷺ کی نافرمانی کی۔“
یہ اثر صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب (۱۱) میں تعلیقاً مروی ہے۔ رویت ہلال کے لیے ایک عادل وقابل اعتماد شخص کی گواہی کافی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

«تَرَأَى النَّاسَ الْهَلَالَ فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي رَأَيْتُهُ فَصَامَهُ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ»

[أبوداؤد، الصوم، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان : ۲۳۴۲۔

دارمی، الصیام، باب الشهادة على رؤية هلال رمضان : ۱۶۹۸]

”لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے اسے دیکھ لیا ہے، آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے چاند کی رویت کے بارے میں ایک عادل مسلمان کی گواہی کفایت کر جاتی ہے۔ اس کی تائید میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک

حدیث یوں مروی ہے:

« جَاءَ أَغْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُ
الْهَلَالَ يَعْنِي رَمَضَانَ فَقَالَ : أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ قَالَ نَعَمْ! قَالَ
أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ؟ قَالَ نَعَمْ! قَالَ يَا بِلَالُ أَذِنَ فِي النَّاسِ
فَلْيَصُومُوا غَدًا »

[أبوداؤد، الصيام، باب في شهادة الواحد على رؤية الهلال : ۲۳۴۰ - بیہقی:

۲۱۲/۴ - المنتقى لابن جارود : ۳۷۹]

”ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا، میں نے رمضان المبارک
کا چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ
اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟“ اس نے کہا، ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا:
”کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟“ اس
نے کہا، ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل
روزہ رکھیں۔“

یہ روایت سنن نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی، حاکم اور طحاوی
میں بھی موجود ہے، لیکن اس کی سند سماک بن حرب از عمرہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے اور
اس سند میں اضطراب ہے۔ بہر کیف میں نے بطور تائید اسے ذکر کیا ہے، کیونکہ یہ مسئلہ اوپر
ابن عمر رضی اللہ عنہما والی صحیح حدیث سے ثابت ہے، اس لیے اس کا ضعف مضر نہیں۔

چاند دیکھنے کی دعا

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا نبی کریم ﷺ جب چاند دیکھتے تو کہتے:

« اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُمَّ أَهْلُهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ،

وَالْتَوْفِيقَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللَّهُ »

[دارمی، الصوم، باب ما يقال عند رؤية الهلال : ۱۶۹۴ - یہ روایت کثرت شواہد

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

کی بنا پر صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو، سلسلۃ الأحادیث الصحیحة : ۱۶۸۷ اور موارد
الظمان محقق : ۲۳۷۴/۱۷]

”اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! تو اسے ہم پر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام
کے ساتھ طلوع کر اور اس چیز کی توفیق کے ساتھ جس سے تو محبت کرتا ہے، اے
ہمارے رب! اور جسے تو پسند کرتا ہے (اے چاند) ہمارا اور تیرا رب اللہ ہے۔“

سحری کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

”اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے
واضح ہو جائے۔“

اس آیت کریمہ میں ﴿الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ﴾ سے مراد صبح صادق اور ﴿الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ﴾
سے مراد رات ہے۔ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت کریمہ نازل
ہوئی تو میں نے اونٹ باندھنے والی ایک سیاہ رسی اور ایک سفید رسی اپنے نیکے کے نیچے رکھ
لی۔ میں رات کے وقت انھیں دیکھنے لگا تو مجھے صاف نظر نہ آئیں۔ میں نے صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو آکر سارا ماجرا سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا ذَلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ
النَّهَارِ﴾ اس آیت کریمہ میں سیاہ اور سفید دھاگے سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی
ہے۔“

[بخاری، الصوم، باب قول الله تعالى: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ : ۱۹۱۶- و کتاب التفسیر : ۴۵۰۹، ۴۵۱۰]

اس آیت میں اللہ وحدہ لا شریک نے سحری کا وقت بتا دیا ہے کہ صبح صادق تک تم کھا پی
سکتے ہو۔ وقت کی حدود متعین کرنے میں کچھ وسعت معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح آج

مقالہ رباتیہ

گھڑیاں موجود ہیں ظاہر بات ہے زمانہ رسالت (ﷺ) و خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) وغیرہم میں یہ ایجادات موجود نہ تھیں۔ لوگ ستاروں اور چاند کے ساتھ رات کے اوقات معلوم کرتے تھے۔ اس لیے اگر سحری میں ایک دو منٹ کی تاخیر ہو جائے تو کوئی قیامت پانا نہیں ہو جاتی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمْ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءَ عَلَى يَدِهِ فَلَا يَضَعُهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ »

[أبو داؤد، الصوم، باب في الرجل يسمع النداء والإناء على يده : ٢٣٥٠ - مستدرک حاکم : ٤٢٦/١، ٢٠٣، ١٠٥ - بیہقی : ٢١٨/٤ - دار قطنی : ٢١٦٢]

”جب تم میں سے کوئی آدمی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اس برتن کو حاجت پوری کرنے سے پہلے نہ رکھے۔“

علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَفِيهِ إِبَاحَةُ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ مِنَ الْإِنَاءِ الَّذِي فِي يَدِهِ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَذَانِ لِلْفَجْرِ وَأَنْ لَا يَضَعُهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ“

[مرعاة المفاتيح : ٤٦٩/٦]

”اس حدیث میں فجر کی اذان سنتے وقت اس برتن سے کھانے اور پینے کی اباحت معلوم ہوتی ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ وہ اسے اپنی حاجت پوری کرنے سے پہلے نہ رکھے۔“ مسند احمد : (٣٢٨/٣) میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے

جسے علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔ [مرعاة المفاتيح : ٤٧٠/٦]

سحری کی برکت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

«تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَهً»

[بخاری، الصوم، باب برکة السحور من غیر إيجاب: ۱۹۲۳۔ مسلم: ۱۰۹۵]

”سحری کھاؤ اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔“

سیدنا عراب بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«دَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّحُورِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ: «هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ»

[أبوداؤد، الصيام، باب من سمي السحور الغداء: ۲۳۴۴۔ نسائي: ۲۱۶۲۔ نيل المقصود: ۲۳۴۴۔ موارد الظمان: ۸۸۲، إسناده حسن]

”مجھے رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں سحری کھانے کی طرف دعوت دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”صبح کے بابرکت کھانے کی طرف آؤ۔“

بہترین سحری

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ سَحُورُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ»

[أبوداؤد، الصيام، باب من سمي السحور الغداء: ۲۳۴۵۔ موارد الظمان:

۱۸۶/۳، (۸۸۳)]

”مومن کی بہترین سحری کھجور ہے۔“

سحری کی اہمیت

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَسَحَّرُوا وَلَوْ بِجُرْعَةٍ مِنْ مَاءٍ» [صحيح ابن حبان: ۳۴۷۶]

”سحری کھاؤ اگرچہ پانی کے ایک گھونٹ سے ہو۔“

مقالاتِ ربانیہ

اہل کتاب اور سحری

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَصُلِّ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحْرِ»

[مسلم، الصیام، باب فضل السحور وتأکید.....: ۱۰۹۶]

”ہمارے اور اہل کتاب کے روزے میں فرق سحری کا کھانا ہے۔“

سحری دیر سے کھانا

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُؤَخِّرَ سَحُورَنَا وَنُعَجِّلَ فُطُورَنَا وَأَنْ نُمْسِكَ إِيمَانَنَا عَلَى شِمَائِلِنَا فِي صَلَاتِنَا»

[موارد الظمان : ۸۸۵ طبرانی کبیر : ۱۱/۱۹۹ (۱۱۴۸۵)]

”یقیناً ہم نبیوں (ﷺ) کا گروہ ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی سحری میں

تاخیر کریں اور افطاری جلدی کریں اور اپنی نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھیں۔“

اس کی سند صحیح ہے اور اس کے کئی ایک شواہد بھی ہیں۔

سحری کی اذان

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ بِلَالًا يُوَدِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُّوْا وَاشْرَبُوْا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ: وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ»

[بخاری، الأذان، باب أذان الأعْمى إذا كان له من يخبره : ۶۱۷۔ مسلم:

[۱۰۹۲]

”یقیناً بلال (رضی اللہ عنہ) رات کو اذان دیتا ہے سو تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ عبد اللہ

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

ابن ام مکتوم اذان دے۔ فرمایا: عبد اللہ ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) نابینا تھے، وہ اتنی دیر تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک انھیں کہا نہ جاتا کہ تو نے صبح کر دی، تو نے صبح کر دی۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدُكُمْ أَذَانَ بِلَالٍ مِنْ سَحُورِهِ فَإِنَّهُ يُؤَدِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمُكُمْ وَلَيْبِنِيَّةُ نَائِمُكُمْ»

[بخاری، الأذان، باب الأذان قبله الفجر : ۶۲۱]

”تم میں سے کسی کو بلال کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے، اس لیے کہ وہ رات کو اذان دیتے ہیں تاکہ قیام کرنے والا لوٹ آئے اور سونے والا بیدار ہو جائے۔“

سنن نسائی (۶۳۸) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: «وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا أَنْ يُنْزَلَ هَذَا وَ يُصْعَدَ هَذَا» ”دونوں کی اذان میں اتنا وقفہ ہوتا کہ یہ اذان کہہ کر اترتا اور یہ چڑھ جاتا۔“

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”يُرِيدُ قَلَّةَ مَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمُدَّةِ لَا التَّحْدِيدَ“

[حاشیہ سندي على نسائي]

”اس حدیث سے مراد دونوں کے درمیان وقفے کی قلت ہے نہ کہ حد کا تعین۔“

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قَالَ الْعُلَمَاءُ مَعْنَاهُ أَنَّ بِلَالَ كَانَ يُؤَدِّنُ قَبْلَ الْفَجْرِ وَ يَتَرَبَّصُّ بَعْدَ أَذَانِهِ لِلدُّعَاءِ وَ نَحْوِهِ ثُمَّ يَرْقُبُ الْفَجْرَ فَإِذَا قَارَبَ طُلُوعَهُ نَزَلَ فَأَخْبَرَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ فَيَتَأَهَّبُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ بِالطَّهَارَةِ وَ غَيْرِهَا ثُمَّ يَرْقَى وَ يَشْرَعُ فِي الْأَذَانِ مَعَ أَوَّلِ طُلُوعِ الْفَجْرِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ“

[شرح مسلم للنووي : (۱۷۷/۷) طبع بیروت]

”علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ فجر سے پہلے اذان دیتے تھے اور اذان کے بعد دعا وغیرہ کے لیے بیٹھے رہتے، جب طلوع فجر قریب

ہوتی تو اتر آتے اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو خبر دیتے تو وہ وضو وغیرہ کی تیاری کرتے، پھر اوپر چڑھ جاتے اور فجر طلوع ہوتے ہی اذان شروع کر دیتے۔“

غرض سحری کی اذان اور صبح صادق میں اتنا وقفہ ضرور ہونا چاہیے جس سے آدمی آسانی سے سحری کھالے۔ قیام کرنے والا واپس پلٹ آئے، سویا ہوا بیدار ہو جائے اور روزے کی تیاری کر لے، کیونکہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کھانے پینے سے مانع نہ تھی، اس لیے کہ وہ صبح کاذب میں ہوتی تھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الصوم، باب قدر کم بین السحور و صلاة الفجر“ میں یہ مسئلہ اس حدیث کی رو سے سمجھایا ہے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قُلْتُ:

كَمْ كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالسَّحُورِ؟ قَالَ: قَدَرُ خُمُسَيْنِ آيَةً»

[بخاری، الصوم، باب قدر کم بین السحور و صلاة الفجر: ۱۹۲۱-نسائی:

[۲۱۵۵، ۲۱۵۶]

”ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف اٹھے۔ میں (انس رضی اللہ عنہ) نے کہا: اذان اور سحری کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو انھوں نے کہا، پچاس آیات کی مقدار۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کے وقت فرمایا:

«يَا اَنَسُ! اِنِّي اُرِيْدُ الصِّيَامَ اَطْعِمْنِي شَيْئًا فَاتَيْتُهُ بِتَمْرٍ وَاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ وَ

ذَالِكَ بَعْدَ مَا اَذَّنَ بِلَالٌ فَقَالَ يَا اَنَسُ اُنْظُرْ رَجُلًا يَأْكُلُ مَعِيَ فَدَعَوْتُ

زَيْدَ بْنِ ثَابِتٍ فَجَاءَ فَقَالَ: اِنِّي قَدْ شَرِبْتُ شَرْبَةً سَوِيْقٍ وَاَنَا اُرِيْدُ

الصِّيَامَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اُرِيْدُ الصِّيَامَ

فَتَسَحَّرَ مَعَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ»

[نسائی، الصيام، باب السحور بالسويق و التمر: ۲۱۶۹]

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

”اے انس! میں روزے کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے کوئی چیز کھاؤ۔ میں آپ ﷺ کے پاس کھجور اور پانی والا برتن لایا اور یہ سارا معاملہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے انس! کوئی آدمی تلاش کر جو میرے ساتھ کھانا کھائے۔“ میں نے زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کو دعوت دی تو وہ تشریف لائے اور کہا، میں نے ستو کا ایک گھونٹ پی لیا ہے اور روزے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں بھی روزے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“ انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے، دو رکعت (سنت) پڑھی، پھر نماز (صبح) کے لیے گھر سے نکلے۔“

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اذان بلال کے بعد اتنا وقفہ ضرور ہوتا تھا جس میں آدمی سحری کا انتظام کر کے کھانا کھا لے۔ لہذا دونوں اذانوں کے درمیان اتنا وقفہ ضرور ہونا چاہیے جس میں سحری کا بندوبست ہو سکے۔ واللہ اعلم

روزے کی نیت

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ»

[أبوداؤد، الصوم، باب النية في الصيام : ۲۴۵۴۔ ترمذی، الصوم، باب ما جاء

لا صيام لمن لم يعزم من الليل : ۷۳۰۔ نسائی، الصيام : ۲۳۳۲۔ دارمی :

[۱۷۰۵]

”جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہے۔“

چونکہ تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور نیت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں، مثلاً: روزہ کی نیت نہ کی گئی اور روزہ جیسی پابندیاں اپنے اوپر عائد کر لیں تو روزہ نہ ہوگا بلکہ فاقہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ نیت کے لیے زبان سے تلفظ کی ضرورت نہیں، یہ دل کا فعل ہے۔ بعض افراد نے روزے کی نیت کے یہ الفاظ وضع کیے ہوئے ہیں: ”وَبِصَوْمٍ عَدِ تَوَيْتُ

مقالہ ربا نیہ

مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ “میں نے ماہِ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی۔“ یہ الفاظ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں اور اس میں ایک یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ وہ روزہ تو آج کے دن کا رکھ رہا ہے اور نیت کل آنے والے دن کی کر رہا ہے۔ علامہ ابن منظور رقم طراز ہیں: ”أَصْلُ الْغَدِ وَهُوَ الْيَوْمُ الَّذِي يَأْتِي بَعْدَ يَوْمِكَ“ [لسان العرب: ۲۶۱/۱۰] ”غد“ کا اصل یہ ہے کہ وہ دن جو تیرے آج کے دن کے بعد ہوگا۔ مصباح اللغات (۵۹۳) میں ہے کہ آئندہ کل، دور کا دن جس کا انتظار ہو۔ نیز دیکھیں مجمع بحار الانوار (۱۷/۲) وغیرہ۔

لہذا یہ الفاظ معنوی اعتبار سے بھی درست نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم وأكمل

افطاری کا وقت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اتَّبُوا الصِّيَامَ إِلَى الْإِيلِ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

”روزہ رات تک پورا کرو۔“ یعنی رات ہوتے ہی روزہ افطار کر دو، تاخیر مت کرو۔

لیل (رات) کی ابتدا غروبِ آفتاب سے ہوتی ہے۔ علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی رقم طراز ہیں: ”الَلَّيْلُ وَاللَّيْلَةُ، مِنْ مَغْرِبِ الشَّمْسِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ الصَّادِقِ أَوْ الشَّمْسِ“ [القاموس المحيط طبع جدید: ۱۳۶۴] ”رات غروبِ شمس سے لے کر فجر صادق کے طلوع ہونے تک یا طلوعِ شمس تک ہے۔“

علامہ ابن منظور الافریقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَبْدَأُهُ مِنْ غُرُوبِ الشَّمْسِ“ ”لیل (رات) کی ابتدا غروبِ شمس سے ہے۔“ [لسان العرب: ۳۷۸/۱۲] نیز دیکھیں المعجم الوسيط (۸۵۰)۔

ائمہ لغات کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ رات کی ابتدا غروبِ آفتاب سے ہوتی ہے، لہذا جوں ہی سورج غروب ہو روزہ افطار کر لیا جائے، تاخیر نہ کی جائے، کیونکہ تاخیر سے روزہ افطار کرنا یہود و نصاریٰ کا کام ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« لَا يَزَالُ الدِّينُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى يُؤَخِّرُونَ »

[أبوداؤد، الصوم، باب ما يستحب من تعجيل الفطر : ۲۳۵۳ - ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في تعجيل الإفطار : ۱۶۹۸]

”دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے، کیونکہ یہود و نصاریٰ افطاری کرنے میں تاخیر کرتے ہیں۔“

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ دیر سے کھولنا یہود و نصاریٰ کا کام ہے اور ان کے تبعین کا روزہ موجودہ دور میں بھی مسلمانوں سے دس یا پندرہ منٹ بعد ہی افطار ہوتا ہے۔ کئی لوگ افطاری کے لیے سائرن کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور یہ سائرن بھی غروب آفتاب کے بعد دیر سے بجایا جاتا ہے۔ اس بارے میں یاد رہے کہ عبادات کے لیے سائرن بجانا بھی یہود و نصاریٰ کا عمل ہے۔ اہل اسلام کے ساتھ اس عمل کا کوئی تعلق نہیں بلکہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی روزہ کھول دینا چاہیے۔

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ »

[بخاری، الصوم، باب تعجيل الإفطار : ۱۹۵۷ - مسلم، الصيام، السحور : ۱۰۹۸]

”جب تک لوگ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے بھلائی پر رہیں گے۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَاهُنَا وَادْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ »

[بخاری، الصوم، باب متى يحل فطر الصائم : ۱۹۵۴ - مسلم، الصيام : ۱۱۰۰]

مقالہ لائٹ ریٹائیو

”جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے پیٹھ پھیر جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار روزہ کھول دے۔“

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى سُنَّتِي مَا لَمْ تَنْتَظِرْ بِفِطْرِهَا النَّجُومَ»

[موارد الظمان : ۸۹۱]

”میری امت ہمیشہ میری سنت پر رہے گی جب تک روزے کی افطاری کے لیے ستاروں کا انتظار نہیں کرے گی۔“

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ سے واضح ہوا کہ افطاری کا وقت غروب آفتاب ہے، اس لیے روزہ سورج غروب ہوتے ہی افطار کر دیں، دیر نہ کریں۔

افطاری کی دعا

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو کہتے:

«ذَهَبَ الظَّمَأُ وَأَبْتَلَتِ الْعُرُوقُ وَابْتَتِ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ»

[أبو داؤد، الصيام، باب القول عند الإفطار: ۲۳۵۷- مستدرک حاکم: ۴۲۲/۱-

دارقطنی: ۱۸۵/۲- اسے امام حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے اور دارقطنی نے اس کی

سند کو حسن قرار دیا ہے]

”پلاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر ثابت ہو گیا۔“

نیز «اللَّهُمَّ لَكَ صُومْتُ وَ عَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ» یہ دعا مرسل روایت میں ہے

اور مرسل محدثین رحمہم اللہ کے ہاں ضعیف کی اقسام سے ہے۔

کس چیز سے روزہ افطار کیا جائے

سیدنا سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

« إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرِ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ فَإِنَّهُ طَهُورٌ »

[مسند أحمد: ۲۱۴، ۲۱۳/۴: ۱۷۸۸۹، ۱۷۸۹۲، ۱۷۸۹۴، ۹۵) أبو داؤد، الصيام، باب ما يفطر عليه: ۲۳۵۵]

”جب تم میں سے کوئی روزہ کھولے تو وہ کھجور سے کھولے، کیونکہ اس میں برکت ہے، اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے روزہ کھولے، اس لیے کہ وہ پاک کرنے والا ہے۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

« كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ عَلَى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَعَلَى تَمَرَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ »

[أبو داؤد، الصيام، باب ما يفطر عليه: ۲۳۵۶ - ترمذی: ۶۹۶]

”رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے سے پہلے چند تازہ کھجوریں کھا کر روزہ افطار کرتے تھے، اگر تازہ کھجوریں دستیاب نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں کھا کر افطار کرتے، اگر وہ بھی نہ ملتیں تو پانی کے چند گھونٹ بھر لیتے۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

« مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ صَلَّى صَلَاةَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يُفْطِرَ وَلَوْ عَلَى شُرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ »

[موارد الظمان: ۸۹۰ - مسند أبي يعلى: ۴۲۴/۶، ح: ۳۷۹۲]

”میں نے نبی کریم ﷺ کو افطاری سے پہلے مغرب کی نماز پڑھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا اگرچہ آپ ﷺ پانی کے ایک گھونٹ پر ہی افطار کرتے۔“

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ کھجور کے ساتھ روزہ کھولنا بہتر ہے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے افطار کر لیں۔ روزہ کی وجہ سے جسم میں نقاہت و کمزوری واقع ہوتی ہے

مقالہ ریاضیہ

اور کھجور سے جسم کو تقویت ملتی ہے، کیونکہ کھجور نہایت مفید اور مقوی غذا ہے۔

روزہ افطار کرانا

سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ فَطَرَ صَائِمًا أَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ »

[السنن الکبریٰ للبیہقی : ۴ / ۲۴۰ - شرح السنۃ : ۱۸۱۹]

”جس نے روزہ دار کو روزہ افطار کروایا یا غازی کو سامانِ جہاد دیا تو اس کے لیے اسی کی مثل اجر ہے۔“

مباحاتِ روزہ

یعنی وہ امور جو روزے کی حالت میں کرنے جائز ہیں اور ان کے کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

- ① مسواک کرنا: [بخاری، قبل حدیث: ۱۹۳۴]
- ② غسل کرنا۔ [بخاری: ۱۹۳۰ - أبوداؤد: ۲۳۶۵]
- ③ بیوی کا بوسہ لینا اگر اپنے اوپر قابو رکھ سکے۔ [بخاری: ۱۹۲۸ - أبوداؤد: ۲۳۸۲]
- [۲۳۸۵]
- ④ بھول کر کھاپی لینا۔ [بخاری: ۱۹۳۳]
- ⑤ سحری کھا کر غسل جنابت کرنا۔ [بخاری: ۱۹۲۵، ۲۶]
- ⑥ سینگ لگوانا، یعنی بطور علاج جسم سے خون نکلوانا اور قے آجانا۔ [بخاری: قبل حدیث: ۱۹۳۸]
- ⑦ کنگھی کرنا اور تیل لگانا۔ [بخاری، قبل حدیث: ۱۹۳۰]
- ⑧ سرمہ لگانا۔ [بخاری، قبل حدیث: (۱۹۳۰)]
- ⑨ بھیگا ہوا کپڑا سر پر ڈالنا۔ [بخاری، قبل حدیث: ۱۹۳۰]
- ⑩ ہڈیا سے نمک وغیرہ چکھنا۔ [بخاری، قبل حدیث: ۱۹۳۰]
- ⑪ حلق میں کھسی وغیرہ کا داخل ہو جانا۔ [بخاری، قبل حدیث: ۱۹۳۰]

ممنوعاتِ روزہ

- ① جھوٹ اور برے اعمال کرنا۔ [بخاری: ۱۹۰۳]
- ② مبالغے سے ناک میں پانی چڑھانا۔ [أبو داؤد: ۲۳۶۶]
- ③ شہوت انگیز گفتگو اور شور و غوغا کرنا۔ [بخاری: ۱۹۰۴ - مسلم: ۱۱۵۱]
- ④ بیوی سے بغل گیر ہونا۔ [أبو داؤد: ۲۳۸۷ - بیہقی: ۲۳۱/۴]

مفسداتِ روزہ

وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

- ① قصد اُتے کرنا۔ [أبو داؤد: ۲۳۸۱]
- ② جان بوجھ کر کھانا پینا۔ [بخاری: ۱۹۳۳]
- ③ جماع کرنا۔ [بخاری: ۱۹۳۵]
- ④ حیض و نفاس کا آجانا۔ [بخاری: ۳۰۴]

روزے کا کفارہ

جو آدمی روزے کی حالت میں بیوی سے صحبت کر بیٹھے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، اگر یہ نہ بھی ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ [بخاری، الصوم، باب إذا جامع فی رمضان.....: ۱۹۳۶]

روزے کی رخصت

یعنی ایسے امور جن کے پیش آجانے سے روزہ چھوڑ سکتے ہیں:

- ① بیماری۔ ② سفر۔ [البقرة: ۱۸۴، بخاری: ۱۹۴۳] ③ حمل۔ ④ رضاعت۔ [أبو داؤد: ۲۴۰۸] ⑤ شیخ فانی، یعنی وہ بوڑھا آدمی جو ضعف کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکے۔ [البقرة: ۱۸۴ - دار قطنی: ۲۰۵/۲ - نیز شرح السنة: ۳۱۵/۶ - متقی لابن جبارود: ۳۸۱]

نماز تراویح

لفظ تراویح علماء کا ایک اصطلاحی نام ہے، ورنہ احادیثِ رسول میں کہیں بھی یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اسے حدیث کی رو سے قیامِ رمضان، صلوٰۃ رمضان، قیام اللیل یا صلوٰۃ اللیل جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو تین دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اتفاقی قیام کیا، اس کو ”تراویح“ کا نام دیا گیا۔ یہ بات احناف کے ہاں بھی مسلم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوق دیکھا کہ وہ کثرت کے ساتھ اس نماز میں شریک ہو رہے ہیں تو آپ ﷺ نے جماعت کو ترک کر دیا اور فرمایا:

«إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ»

[بخاری، الأذان، باب إذا كان بين الإمام وبين القوم حائط أو سترة: ۷۲۹]

”مجھے تم پر صلوٰۃ اللیل کی فرضیت کا ڈر ہے۔“

طحاوی (۲۳۲/۱) میں قیام اللیل کے الفاظ ہیں۔ بہر کیف اس حدیث سے معلوم ہوا جو آپ ﷺ نے تین رات جماعت کروائی تھی اسے صلوٰۃ اللیل یا قیام اللیل ہی کہا گیا ہے، لہذا قیام اللیل کی تعداد میں مروی تمام صحیح احادیث تراویح کی تعداد پر دلالت کرتی ہیں۔

قیام اللیل کی فضیلت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

[بخاری، صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۲۰۰۹]

”جس آدمی نے رمضان المبارک کا قیام ایمان اور ثواب سمجھ کر کیا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔“

سیدنا عمرو بن مرہ الجعفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ!

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

أَرَأَيْتَ إِنْ شَهِدْتُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ وَصَلَّيْتُ الصَّلَاةَ الْخَمْسَ وَأَدَّيْتُ الزَّكَاةَ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَقُمْتُهُ فَمِنْ أَنَا؟ قَالَ «مِنَ الصَّادِقِينَ وَالشَّاهِدَاءِ» [صحيح ابن حبان: ۳۴۳۸]

”ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ اگر میں اس بات کی شہادت دوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں پانچ نمازیں ادا کروں، زکوٰۃ ادا کروں، رمضان کے روزے رکھوں اور اس (رمضان) کا قیام کروں تو میں کن لوگوں میں سے ہوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”صدیقین اور شہداء میں سے۔“

مذکورہ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ سابقہ گناہ معاف کر کے اپنے نیک بندوں، صدیقین اور شہیدوں میں اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص نازل فرما کر ہمارا بھی حشران لوگوں کے ساتھ کرے۔ آمین!

تراویح کا وقت عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سے لے کر فجر تک ہے، کسی بھی وقت میں ادا کی جاسکتی ہے۔ یہ نماز گیارہ رکعات مسنون ہے۔ نبی ﷺ کا عام معمول یہی تھا۔ بسا اوقات آپ ﷺ کی پیشی بھی کر لیتے تھے۔ اجل علمائے احناف کا بھی یہی موقف ہے کہ گیارہ رکعات مسنون ہیں۔ تراویح کی مفصل بحث اور مخالفین کے دلائل کا جائزہ دیکھنے کے لیے اسی کتاب (مقالات ربانیہ) میں مقالہ ”تراویح کا مفہوم“ کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں صرف ایک حدیث درج کرتا ہوں۔

ابی سلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا:

«كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟

فَقَالَتْ: مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رُكْعَةً» [بخاري، صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۲۰۱۳]

”رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک میں نماز (تراویح) کیسے ہوتی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: ”چاہے رمضان کا مہینا ہو یا غیر رمضان آپ ﷺ گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔“ یعنی آپ کا عام معمول مبارک یہی تھا۔ اسی حدیث کو تمام محدثین رحمہم اللہ تقریباً تراویح کے بیان میں لائے ہیں۔

اعتکاف

اعتکاف کا لغوی معنی کسی چیز پر جم کر بیٹھ جانا اور نفس کو اس کے ساتھ لگائے رکھنا ہے۔ اور شرعاً تمام دنیاوی معاملات ترک کر کے عبادت کی نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر مسجد میں ٹھہرنے کا نام اعتکاف ہے۔ اعتکاف بیٹھنے والے کو ”مُعْتَكِف“ اور جائے اعتکاف کو ”مُعْتَكِف“ کہا جاتا ہے۔ اعتکاف سال کے دوران کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔ نبی ﷺ سے سوال کے مہینے کا اعتکاف بھی ثابت ہے، لیکن آپ ﷺ رمضان المبارک میں ہمیشہ اعتکاف بیٹھتے تھے۔ آپ ﷺ نے رمضان کے درمیانے عشرے کا بھی اعتکاف کیا ہے، لیکن افضل آخری عشرے کا ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ تَعَالَى ثُمَّ اعْتَكَفَ أَرْبَاعَهُ مِنْ بَعْدِهِ»

[بخاری، الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الأوائل.....: ۲۰۲۶]

”نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت کر دیا، پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اعتکاف کرتی تھیں۔“

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ فَاعْتَكَفَ عَامًا حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَ عَشْرِينَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ مِنْ صَبِيحَتِهَا مِنْ اعْتِكَافِهِ قَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيُعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَّاهِرَ»

[بخاری، أبواب الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر : ۲۰۲۷]

”رسول اللہ ﷺ رمضان کے درمیانے عشرے کا اعتکاف کرتے تھے۔ ایک سال آپ ﷺ نے حسب معمول اعتکاف کیا، جب اکیسویں رات ہوئی اور یہ وہ رات تھی جس کی صبح آپ ﷺ اپنے اعتکاف سے نکلتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ آخری عشرے کا بھی اعتکاف بیٹھے۔“

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكِفَهُ»

[أبو داود، الصيام، باب الاعتكاف : ۲۴۶۴۔ ابن ماجہ : ۱۷۷۱]

”رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز پڑھ کر اپنی جائے اعتکاف میں داخل ہو جاتے۔“

اعتکاف کے طریقے میں اہل علم کے دو اقوال ہیں: ① ایک قول یہ ہے کہ اعتکاف مسنون آخری عشرے کا ہے اور آخری عشرے کا آغاز بیس رمضان کا سورج غروب ہوتے ہی ہو جاتا ہے، لہذا معتکف کو چاہیے کہ وہ اکیسویں رات شروع ہوتے ہی مسجد میں آ جائے۔ رات بھر تلاوت قرآن، ذکر الہی اور تسبیح و تہلیل و قیام میں مصروف رہے اور نماز فجر ادا کر کے اپنے اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جائے۔ ② دوسرا موقف یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ ”آپ ﷺ نے آخری عشرے کا اعتکاف کیا۔“ اور دوسری حدیث میں ہے کہ ”اعتکاف کی جگہ میں آپ ﷺ فجر پڑھ کر داخل ہوتے۔“ لیکن اس حدیث میں یہ نہیں ہے

کہ وہ اکیس یا بیس کی صبح ہے۔ بہتر یہ ہے کہ معتکف بیس رمضان کی نماز فجر پڑھ کر اعتکاف کا آغاز کرے تاکہ آخری عشرے کی اکیسویں یعنی طاق رات جائے اعتکاف میں گزارے، کیونکہ اعتکاف لیلة القدر کی تلاش کا ایک ذریعہ ہے، جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ درمیانے عشرے کا اعتکاف کیا تو کئی صحابہ یہ اعتکاف کر کے گھروں کو چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ آخری عشرے کا بھی اعتکاف کرے۔“ اور یہ بیس رمضان کو فرمایا تھا۔ غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ آخری عشرے کی اکیسویں رات بعد از غروب آفتاب شروع ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسویں کے دن کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے اعتکاف کروایا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں رات کو بھی بلا سکتے تھے اور کہہ دیتے کہ تم نے اعتکاف توڑ دیا ہے، اب رات مسجد میں گزارو اور صبح فجر پڑھ کر اپنے اعتکاف کے مقام پر داخل ہونا۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر بیس کی صبح کو مسجد میں آجائے تو ذہنی طور پر لیلة القدر کی تلاش کے لیے تیار ہو جائے گا اور جائے اعتکاف سے مانوس بھی ہو جائے گا، اس طرح اس کی اکیسویں رات اعتکاف میں گزرے گی، جبکہ دوسرے موقف کے لحاظ سے ان کی اکیسویں رات جائے اعتکاف سے باہر گزرے گی جو کہ ایک نقص بھی ہے، لہذا زیادہ مناسب اور موزوں یہ ہے کہ بیسویں کی صبح کو مسجد میں آئے اور نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے معتکف میں تیار ہو کر بیٹھے۔ اس صورت میں دونوں احادیث پر عمل ہو جائے گا۔ صرف آخری عشرے سے ۱۲ گھنٹوں کا اضافہ ہوگا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ موقف ثانی مبنی بر احتیاط ہے وگرنہ اعتکاف تو ایک دن یا رات کا بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُنْتُ نَذَرْتُ فِي

الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ قَالَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ»

[بخاری، الاعتکاف، باب الاعتکاف لیلاً: ۲۰۳۲]

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی نذر کو پورا کر لو۔“

معلوم ہوا کہ اعتکاف ایک عشرے سے کم کا بھی ہو سکتا ہے۔

اعتکاف کی نیت

ہر عبادت کے لیے نیت لازمی ہے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» [بخاری: ۱] ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔“ لیکن اس کے لیے زبان سے کوئی تلفظ ادا کرنا ثابت نہیں، یہ دل کا فعل ہے۔ بعض لوگوں نے مسجد میں داخل ہو کر اعتکاف کے لیے ”نَوَيْتُ سُنَّةَ الْإِعْتِكَافِ“ ”میں نے اعتکاف کی سنت کی نیت کی“ کے الفاظ مختص کر رکھے ہیں، جو کہ غلط ہے۔

خواتین کا اعتکاف

عورتیں اگر اعتکاف بیٹھنا چاہیں تو وہ بھی مسجد میں ہی اعتکاف بیٹھیں گی۔ گھر میں اعتکاف کرنے کی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

”اور تم ان عورتوں سے جماع نہ کرو اس حال میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اعتکاف مسجد میں کیا جاتا ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مسجد میں اعتکاف کرنے کی حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔

مباحات اعتکاف

① حاجات ضروریہ کے لیے مسجد سے نکلنا۔ [بخاری: ۲۰۳۵]

② مسجد میں خیمہ لگانا۔ [بخاری: ۲۰۳۴]

مقالہ رسانیہ

- ④ معتکف کی بیوی اس سے ملاقات کے لیے مسجد میں آ سکتی ہے اور وہ بیوی کو محرم ساتھ نہ ہونے کی صورت میں گھر چھوڑنے جاسکتا ہے۔ [بخاری: ۲۰۳۵]
- ⑤ استحاضہ والی عورت اعتکاف کر سکتی ہے۔ [بخاری: ۲۰۳۷]
- ⑥ معتکف مسجد سے باہر اپنا سر نکال سکتا ہے اور اس کی بیوی حالت حیض میں بھی ہو تو اس کو کنگھی کر سکتی ہے اور اس کا سر دھو سکتی ہے۔ [بخاری: ۲۰۲۸، ۲۰۳۱]

ممنوعات اعتکاف

- ① جماع نہ کرے۔ [البقرة: ۱۸۷ - ابن أبي شيبة: ۹۲/۳ - عبد الرزاق: ۴/۳۶۳]
- ② بیمار پرسی کو نہ جائے۔
- ③ جنازے میں شریک نہ ہو۔
- ④ ضروری حاجت کے بغیر نہ نکلے۔ [أبو داود: ۲۴۷۳ - بیہقی: ۴/۳۱۷]

اعتکاف کا اختتام

آخری عشرہ چونکہ شوال کا چاند دیکھنے کے ساتھ یا رمضان کے تیس دن پورے ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے، لہذا اس کے ساتھ ہی اعتکاف بھی ختم ہو جاتا ہے۔ معتکف آخری عشرہ پورا ہوتے ہی اعتکاف ختم کر دے۔ ہمارے ہاں جو معاشرے میں یہ بات رائج ہے کہ اعتکاف سے اٹھنے والے کے گلے میں ہار ڈالے جاتے ہیں، اپیشل اٹھانے کے لیے خاندان و برادری کے لوگ آ کر ملاقات کرتے ہیں، یہ ساری باتیں بے دلیل ہیں۔

لیلة القدر اور اس کی فضیلت

لیلة القدر کا معنی ہے عزت و شرف والی رات۔ چونکہ اس مبارک رات میں قرآن مجید نازل ہوا ہے، اس وجہ سے اس رات کو شرافت و بزرگی، بڑائی اور مرتبہ حاصل ہے۔ قرآن مجید میں اس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے پوری سورت نازل فرمائی ہے۔ جسے سورة القدر کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ مَفْرَ ۚ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ [القدر]

”یقیناً ہم نے اس قرآن کو قدر والی رات میں نازل کیا۔ آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں ہر کام کے سرانجام دینے کو اللہ کے حکم سے فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں۔ یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے۔“
دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ ۚ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۚ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۚ أَفَرَأَيْتُمْ عِندَنَا مَا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ [الدخان: ۳ تا ۵]

”یقیناً ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں نازل کیا۔ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں اس رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ معاملہ ہماری جانب سے ہے اور ہم بھیجنے والے ہیں۔“

بعض لوگوں نے اس آیت کریمہ کی مراد پندرہ (۱۵) شعبان کو قرار دیا ہے جسے عرف عام میں شب براءت بھی کہتے ہیں، لیکن یہ تفسیر درست نہیں ہے، کیونکہ قرآن کی نص صریح سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ یہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا ہے۔ اسے ہی سورہ دخان میں لیلہ مبارکہ قرار دیا گیا ہے اور یہ رات رمضان المبارک میں ہی ہے، کیونکہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

”ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔“
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا اور دوسری آیات سے معلوم ہوا کہ وہ اس ماہ کی اس رات میں نازل ہوا ہے جسے شب قدر کہتے ہیں۔ یہ رات

بڑی بابرکت ہے۔ ایک تو اس میں قرآن جیسی کتاب ہدایت کا نزول ہوا، دوسرے اس میں فرشتوں اور روح الامین جبرئیل علیہ السلام کا نزول ہوا، تیسری بات یہ ہے کہ اس میں سارے سال میں ہونے والے معاملات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر قرار دی گئی ہے۔

شب قدر کا قیام

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

[بخاری، فضل لیلۃ القدر، باب فضل لیلۃ القدر: ۲۰۱۴]

”جس نے شب قدر کا قیام ایمان و ثواب سمجھ کر کیا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔“

شب قدر کی تلاش

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوَتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ»

[بخاری، فضل لیلۃ القدر، باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر.....: ۲۰۱۷]

”شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے اور ان راتوں میں سے کوئی رات متعین نہیں۔ یہ رات بعض دفعہ اکیسویں رات کو بھی پائی گئی ہے۔

[بخاری: ۲۰۱۶۔ مسلم: ۱۱۶۷ اور بعض دفعہ ستائیسویں رات کو بھی۔ مسلم:

[۷۶۲]

شب قدر کے لیے محنت و کوشش کرنا

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ»

[مسلم، الاعتكاف، باب الإجهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان: ۱۱۷۵]

”رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں عبادت کی جس قدر محنت و کوشش کرتے وہ اس کے علاوہ کسی وقت میں نہیں کرتے تھے۔“

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَ أَحْيَا لَيْلَهُ وَ أَبْقَى أَهْلَهُ»

[بخاری، فضل ليلة القدر، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان: ۲۰۲۴]

”جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر بستہ ہو جاتے اور اپنی رات کو زندہ رکھتے اور اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے۔“

شب قدر کی دعا

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول!

«أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، مَا أَقُولُ فِيهَا؟ قَالَ، قُولِي: اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي»

[ترمذی، الدعوات، باب في فضل سؤال العافية والمعافة: ۳۵۱۳]

”اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ لیلۃ القدر کون سی رات ہے تو میں اس میں کیا کہوں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو کہہ، اے میرے اللہ! یقیناً تو معاف کرنے والا ہے، سخی

ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے معاف کر دے۔“

شب قدر کی علامات

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« تَصْبُحُ الشَّمْسُ صَبِيحَةً تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِثْلَ الطُّسْتِ لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ حَتَّى تَرْتَفِعَ » [أبو داود، تفریع شهر رمضان، باب فی لیلة القدر: ۱۳۷۸]

”شب قدر کی صبح کو سورج بلند ہونے تک اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ وہ ایسے ہوتا ہے جیسا کہ تھالی (پلیٹ)۔“

ایک دوسری حدیث میں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« أَيُّكُمْ يَذْكُرُ حِينَ طَلَعَ الْقَمَرُ وَهُوَ مِثْلُ شَيْءٍ جَفْنَةٍ » [مسلم، الصیام، باب فضل لیلة القدر والحث علی طلبہا..... : ۱۱۷۰]

”تم میں سے کون اسے یاد رکھتا ہے (اس رات) جب چاند نکلتا ہے تو ایسے ہوتا ہے جیسے بڑے تھال کا کنارہ۔“

تیسری حدیث میں، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةٌ سَمْحَةٌ طَلْقَةٌ لَا حَارَّةَ وَلَا بَارِدَةَ تَصْبُحُ شَمْسُهَا صَبِيحَتَهَا ضَعِيفَةً حَمْرَاءَ » [مسند البزار: (۴۸۶/۱)، مسند طیالسی: (۳۴۹)، ابن خزیمہ: (۲۳۱/۳)]

”شب قدر آسان و معتدل رات ہے جس میں نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ ہی سردی۔ اس کی صبح سورج اس طرح طلوع ہوتا ہے کہ اس کی سرخی مدہم ہوتی ہے۔“ شیخ سلیم الہمالی اور شیخ علی حسن عبد المجید نے [صفة صوم النبی: ۹۰] میں اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا آیات و احادیث صحیحہ سے شب قدر کی بہت زیادہ فضیلت معلوم ہوتی ہے لہذا اس عظیم رات میں قیام، تلاوت قرآن اور کثرت دعا جیسے امور بخشش کو ضرور اختیار کیجیے اور اپنی بخشش کا سامان پیدا کریں۔ وہ انسان کتنا ہی بد نصیب ہوگا جسے یہ ماہ مبارک نصیب ہو لیکن اس نے جہنم سے رہائی نہ کروائی۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا

صدقۃ الفطر

رمضان المبارک کے روزوں میں بسا اوقات انسان سے کوتاہی و لغزش صادر ہو جاتی ہے جس کے ازالے کے لیے صدقۃ فطر فرض قرار دیا گیا ہے اور اس کی ادائیگی سے غرباء و مساکین اور فقراء و حاجت مندوں کی مدد بھی ہو جاتی ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ»

[أبو داود، الزكاة، باب زكاة الفطر : ۱۶۰۹]

”رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ فطر روزے دار کو لغو اور شہوت انگیز گفتگو سے پاک کرنے کے لیے اور مساکین کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کیا اس کا صدقہ مقبول ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔“

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤْذَى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ»

[بخاری، الزكاة، باب فرض صدقة الفطر : ۱۵۰۳ - مسلم : ۹۸۴]

”رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مسلمانوں کے غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے پر فرض کیا ہے اور لوگوں کے نماز عید کی طرف نکلنے سے پہلے اس کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔“

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

« كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ »

[بخاری، الزکاة، باب صدقة الفطر صاع من طعام : ۱۵۰۶ - مسلم : ۹۸۵]

”ہم عہد نبوی میں صدقہ فطر ایک صاع گندم یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پیڑ یا ایک صاع مٹھی نکالا کرتے تھے۔“

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام اور جو چیز زیر استعمال ہو اس میں سے نکالنا چاہیے۔ اس کی مقدار ایک صاع ہے، جس کا وزن سوا دو سیر ہے۔ صدقہ فطر کی ادائیگی نماز عید سے پہلے ہونی چاہیے۔ اس کی ادائیگی نماز عید سے چند دن پہلے بھی ہو سکتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :

« وَكَانُوا يُعْطَوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ يَوْمٌ أَوْ يَوْمَيْنِ »

[بخاری، الزکاة، باب صدقة الفطر على الحر والمملوك : ۱۵۱۱]

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے صدقہ فطر دیتے تھے۔“

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب صدقہ فطر پر محافظ مقرر کیا گیا اور شیطان تین راتیں مسلسل اس ڈھیر سے چوری کے لیے آتا رہا، بالآخر اس نے آیت الکرسی کے بارے میں بتا کر جان چھڑائی۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ : (۲۱۲۳)، بخاری : (۲۳۱۱) یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ فطر عید سے چند روز قبل بھی جمع کیا جاسکتا ہے۔

رمضان المبارک اور قرآن مجید

رمضان المبارک اور قرآن مجید کا آپس میں گہرا ربط اور تعلق ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کا نزول رمضان المبارک میں ہوا، شاید اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کیا کرتے تھے۔

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

« كَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ
يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ »

[بخاری، الصوم، باب أجود ما كان النبي ﷺ يكون في رمضان : ۱۹۰۲]

”جبریل علیہ السلام رمضان المبارک کی ہر رات آخر ماہ تک نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ انھیں قرآن مجید سناتے تھے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

« كَانَ يَعْزُضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً
فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ »

[بخاری، فضائل القرآن، باب كان جبريل يعرض القرآن على النبي ﷺ : ۴۹۹۸]

”جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ پر ہر سال ایک مرتبہ قرآن حکیم پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ جس سال فوت ہوئے تو انھوں نے دو مرتبہ آپ پر قرآن حکیم پڑھا۔“

لہذا ہر مسلمان شخص کو رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تلاوت کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے۔

رمضان المبارک اور خیرات

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

« كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ
مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ..... فَإِذَا لَقِيَهُ
جِبْرِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ »

[بخاری، الصوم، باب أجود ما كان النبي ﷺ يكون في رمضان : ۱۹۰۲]

”نبی کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں جب آپ ﷺ سے جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تب بہت زیادہ سخاوت کیا کرتے

تھے..... جبریل علیہ السلام کی ملاقات کے وقت رسول مکرم ﷺ تیز چلتی ہوا سے بھی زیادہ تخی ہوتے تھے۔“

لہذا ہمیں بھی رمضان المبارک میں صدقہ و خیرات کثرت سے کرنا چاہیے۔ مجاہدین، مدارس اسلامیہ، فقراء و مساکین، یتیم و بیواؤں، محتاج و تنگ دست، افلاس زدہ، خستہ حال، کم مایہ، مفلوک الحال، برہنہ پا، قلاش و بے نوا افراد کی بھرپور مدد کرنی چاہیے تاکہ وہ عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور عید الفطر کی خوشیوں میں باسانی شرکت کر سکیں۔

رمضان المبارک اور عمرہ

رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت سے بہرہ مند ہونا حج کے اجر و ثواب کے برابر ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

« قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَأَةَ مِنَ الْأَنْصَارِ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَحْجِي مَعَنَا؟ قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ لَنَا إِلَّا نَاضِحَانِ - فَحَجَّ أَبُو وَلَدِهَا وَابْنُهَا عَلَى نَاضِحٍ وَتَرَكَ لَنَا نَاضِحًا نَنْضِعُ عَلَيْهِ قَالَ فَإِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَأَعْتَمِرِي فَإِنَّ عُمْرَةً فِيهِ تَعْدِلُ حَجَّةً »

[مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان : ۱۲۵۶]

”نبی ﷺ نے ایک انصاری عورت سے فرمایا: تمہیں ہمارے ساتھ حج کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ اس نے کہا، ہمارے پاس پانی لانے والے صرف دو اونٹ ہیں، ایک اونٹ پر میرا شوہر اور بیٹا حج کے لیے گئے ہیں اور ایک ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں جس پر ہم پانی لاد کر لاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب رمضان آجائے تو عمرہ کر لینا، بلاشبہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔“



مسائل عید الفطر

عید کا لفظ ”عود“ سے مشتق ہے جس کا معنی لوٹنا اور پھرنا ہے۔ عید کو یا تو عید اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے یا اس لیے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت و بخشش اور فضل و مغفرت لوٹاتا ہے۔ عربوں کی اصطلاح میں ہر وہ اجتماع جو خوشی اور مسرت کا اجتماع ہو ”عید“ کہلاتا ہے۔

[مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح : (۲۱/۵)]

مدینہ میں لوگ جاہلیت کے دستور کے مطابق دو عیدیں مناتے تھے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

« قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ: مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَبَدَ لَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ »

[أبو داود، الصلوة، باب صلوة العیدین : ۱۱۳۴ - مستدرک حاکم : ۱ / ۲۹۴ -

بیہقی : ۲۷۷/۳]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے ہجرت کر کے) مدینہ طیبہ تشریف لائے اور ان کے لیے کھیل کود کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے کودتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : ”یہ دو دن کیا ہیں؟“ انھوں نے کہا، ہم جاہلیت میں ان دنوں میں کھیلا کرتے تھے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”یقیناً اللہ وحدہ لا شریک نے تمہارے لیے ان دنوں کا بہتر بدل عطا فرمایا ہے اور وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر ہیں۔“

کفار و مشرکین مکہ زمانہ جاہلیت میں یومِ نیروز اور یومِ مہرجان بطورِ عید مناتے تھے۔ نیروز فارسی کے لفظ نوز سے معرب ہے، یعنی نیا دن۔ یہ شمسی سال کا پہلا دن ہے، جس میں سورج برج حمل کی طرف پھرتا ہے اور مہرجان یومِ المیزان کا پہلا دن ہے۔ یہ دونوں گرمی اور سردی کے لحاظ سے معتدل ہوتے ہیں اور ان میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔ قدیم حکماء نے ان دو دنوں کو سیر و تفریح کے لیے منتخب کیا تھا اور ان کے زمانے کے لوگوں نے اپنے حکماء کی عقلوں کے کمال کا عقیدہ رکھتے ہوئے ان کی اس مسئلہ میں تقلید کی اور ان دنوں کو عید کے طور پر منانا شروع کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے آکر اسے باطل قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان دنوں کا بہتر بدل امت مسلمہ کو دے دیا گیا۔

عید الفطر سن دو ہجری شروع ہوئی۔ علامہ عبید اللہ رحمائی مبارکپوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ أَوَّلَ عِيدِ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِيدُ الْفِطْرِ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الْهِجْرَةِ“ [مرعاة المفاتيح: (۲۱/۵)]

”اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ نبی ﷺ کی پہلی نماز عید، عید الفطر ہے جو دو (۲) ہجری میں شروع ہوئی۔“

کیونکہ رمضان المبارک کے روزے (۲ھ) میں فرض ہوئے تو اس حساب سے عید الفطر (۲ھ) کو مقرر ہوئی اور عید الاضحیٰ کا مہینہ شوال کے بعد ہے۔ چنانچہ پہلی عید، عید الفطر ہے۔ یہی بات تقریباً علامہ محمد بن اسماعیل یمنی رحمۃ اللہ نے سبل السلام: (۸۳/۲) اور علامہ ابن اثیر جزیری رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ الکامل: (۲۳/۲) میں درج کی ہے۔

لہذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ عید کے دن کو سنت نبوی کے مطابق گزاریں۔ عید کے دن کھیل کود، تماشا، فلم بینی، لہو و لعب، کوتاہی و غفلت، عیش و عشرت، ہنسی و مذاق، ٹھٹھا و مسخرہ پن، فسق و فجور اور رنگ رلیاں منانے میں نہ گزاریں بلکہ اللہ غفور و رحیم کے آگے اپنے گناہوں کے جبلِ عظیم کو رکھ کر سجدہ ریزی کرتے ہوئے معافیاں مانگیں، جہاد کی تربیت و ٹریننگ کی خاطر کمر بستہ ہو جائیں، کیونکہ عید کے دن لشکرِ روانہ کرنا بھی سنت نبوی ہے۔ خصوصاً نوجوان طبقہ

احکام رمضان اور مسائل عید الفطر

اپنی جوانی کو بروئے کار لاتے ہوئے جہاد کی تربیت لے کر رزم گاہوں اور میدان کارزار میں شریک ہوں تاکہ کفر کے ظلم و ستم، جبر و استبداد اور بربریت و تسلط سے مسلمانوں کو آزاد کرایا جائے اور عالم اسلام کو دنیا کے ہر گوشے پر بلند کیا جائے۔ اصل عید مجاہد کی ہی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وادی کفر میں اتر کر کفر کی سطوت و حشمت کا خاتمہ کرتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لَيْسَ الْعَيْدُ لِمَنْ لَيْسَ الْجَدِيدُ
إِنَّمَا الْعَيْدُ لِمَنْ خَافَ الْوَعِيدُ

عید اس شخص کی نہیں جس نے نیا لباس زیب تن کیا

بلکہ عید صرف اس کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر گیا

مسلمانوں کو عیدوں کی خوشیاں و مسرتیں مناتے ہوئے صدیاں بیت گئیں، لیکن غلامانہ زندگی آج تک موجود ہے۔ مسلمان یہود و ہنود کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ پچاس سے زائد اسلامی ممالک کے سربراہان یہود و نصاریٰ کے ذہنی طور پر غلام ہیں۔ مسلمانوں کے ممالک میں کفریہ قوانین اور دستور رائج ہیں۔ قبلہ اول یہود کے پنجہ استبداد کا مشق ستم بنا ہوا ہے۔ باری مسجد کے خون کے چھینٹے مسلمانان عالم کو شب و روز دعوت جہاد دے رہے ہیں۔ چیچنیا، کوسوفلیا، کشمیر اور فلسطین وغیرہ جیسے مظلوم ممالک مسلمانوں کی غیرت ایمانی کا چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ ہزاروں مائیں، بہنیں، بیٹیاں اپنی عفت و عصمت کی چادریں تار تار کر دیاں بیٹھی ہیں، لیکن اسلامیان عالم خواب غفلت کی لمبی چادریں تان کر سوئے ہوئے ہیں۔ عید کی خوشیاں اپنے حقیقی جو بن کے ساتھ اس دن منانے کا مزہ آئے گا جب ہر سو، چار داگ عالم میں پرچم اسلام لہرائے گا تو کفر کا تسلط، غرور، نخوت، تکبر، رعوت، آن بان شان اور تعلی و شنی خاک آلود ہوگی اور یہ مسلمانوں کے غلام و نوکر ہوں گے۔ جزیے کی تھیلی بیت المال میں جمع ہوگی اور حدود اسلام کا نفاذ ہوگا۔ ان شاء اللہ!

احکام عید

جوں ہی رمضان المبارک کا مہینا اختتام پذیر ہوگا تو عید کا چاند مسلمانوں کے لیے فرحت و سرور، بخشش و مغفرت اور رضوان و رحمت کا پیغام لیے طلوع ہوگا تو اس کو دیکھ کر وہی دعا پڑھیں جو رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر پڑھتے ہیں۔

① غسل کرنا: ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غسل کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو روزانہ غسل کرو۔ اس نے کہا، جس غسل کو غسل کہا جاتا ہے میں اس کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ غسل جمعہ، عرفہ، قربانی اور عید الفطر کے دن ہے۔“

[بیہقی، صلاة العیدین، باب غسل العیدین : (۲۷۸/۳)، مسند شافعی : (۳۸۵)]

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موطا امام مالک : (۱۷۱/۱)، عبد الرزاق : (۳۰۹)، ابن ابی شیبہ : (۱۷۲/۱)، بیہقی : (۲۷۸/۳)، میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے احکام العیدین للفریابی (۸۰) میں عید کے دن غسل کرنا بسند صحیح ثابت ہے۔

② اگر عید کے روز جمعہ ہو تو عید کی نماز پڑھ لیں، پھر جمعہ کی رخصت ہے۔

[أبوداؤد : (۱۰۷۰)، ابن خزيمة : (۱۴۶۴)، مستدرک حاکم : (۲۸۸/۱)]

③ عید کے لیے نہ اذان ہے اور نہ ہی تکبیر۔ [مسلم : (۸۸۵)]

④ عید کے روز عید گاہ میں عید کی نماز کے علاوہ کوئی نفل نماز نہیں۔ [بخاری (۹۶۴)،

(۹۸۹)، مسلم : (۸۸۴)]

⑤ نبی ﷺ عید الفطر کی نماز سے پہلے کچھ کھا کر نکلتے اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد کھاتے۔

[ابن خزيمة : (۱۴۲۶)، ابن حبان : (۵۹۳)]

⑥ راستہ بدل کر آنا۔ [بخاری : (۹۸۶)]

⑦ عید الفطر کے روز طاق کھجوریں کھانا مسنون ہے۔ [بخاری : (۹۵۳)]

⑧ عید کی نماز کا وقت وہی ہے جو اشراق کی نماز کا ہے۔ [أبوداؤد : (۱۱۳۵)]

رمضان المبارک اور مسائل عید الفطر

- ⑨ گھر سے لے کر عید گاہ تک تکبیرات کہنا۔ [بیہقی: (۲۷۹/۳)]
- ⑩ عید کی نماز بستی سے باہر نکل کر ادا کرنا۔ [بخاری: (۹۵۶)، مسلم: (۸۸۹)]
- ⑪ عید گاہ میں منبر کا نہ ہونا۔ [بخاری، باب الخرج إلى المصلی بغیر منبر: (۱۸۹)]
- ⑫ عید کے دن بچوں کا اچھے اشعار کہنا بھی جائز ہے۔ [بخاری: (۹۵۲، ۹۴۹)]

عید گاہ میں عورتوں کا جانا

عیدین کی نماز میں عورتوں کو بھی لازمی شرکت کرنی چاہیے۔ جو عورتیں ایام ماہواری میں ہوں وہ بھی عید گاہ کی طرف جائیں تاکہ وہ مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہو جائیں۔ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

«أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحَيْضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَ ذَوَاتِ الْحُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَ دَعَوَتَهُمْ، وَ يَعْتَزِلُ الْحَيْضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا حِلْبَابٌ؟ قَالَ: لِنَتْلِسُهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ حِلْبَابِهَا»

[بخاری، الصلاة، باب وجوب الصلاة في الشباب: ۳۵۱۔ مسلم: ۸۹۰]

”ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم عیدین کے دن حیض والی اور پردہ دار دو شیزاؤں کو نکالیں تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک ہو جائیں اور حائضہ عورتیں نماز والی جگہ سے علیحدہ رہیں۔ ایک عورت نے کہا، اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس بڑی چادر نہ ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے اس کی ساتھ والی چادر اوڑھا دے۔“

عورتیں عید گاہ کی طرف زیور پہن کر جاسکتی ہیں۔ صحابیات رضی اللہ عنہن عید کے روز زیور پہن کر گئی تھیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وعظ و نصیحت کی اور صدقے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں اتار کر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈال دیں۔

[بخاری، العلم، باب عظة الإمام النساء و تعليمهن: ۹۸]

تکبیرات عید

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ (۹) ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرہ (۱۳) ذی الحجہ کی عصر تک تکبیرات کہتے تھے۔ [بیہقی: ۲۷۹]

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن گھر سے لے کر عید گاہ تک تکبیریں کہتے جاتے۔ [بیہقی: ۲۷۹/۳]

تکبیرات کے الفاظ

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ الفاظ کہتے تھے:

«اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، اللَّهُ أَكْبَرُ وَ أَجَلُ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ

الْحَمْدُ» [ابن ابی شیبہ: (۴۸۹/۱، ۴۹۰)]

❁ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اس طرح تکبیرات کے الفاظ آئے ہیں:

«اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا» [بیہقی: ۳۱۶/۳]

نماز عید ادا کرنے کا طریقہ

نبی کریم ﷺ عید گاہ پہنچ کر پہلے دو رکعت نماز کی امامت کراتے، پھر خطبہ دیتے اور لوگ صفوں میں بیٹھے رہتے، خطبہ میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے اور حکم دیتے، پھر واپس لوٹتے۔ [بخاری: ۹۵۶۔ مسلم: ۸۸۹]

اس کا طریقہ یہ ہے کہ با وضو ہو کر قبلہ رخ ہوں اور نماز عید کی نیت کے ساتھ دو رکعت نماز اس طرح ادا کریں کہ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کندھوں یا کانوں تک اٹھائیں، پھر سینے پر باندھ لیں۔ دعائے افتتاح پڑھیں اور پھر قراءت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

❁ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«التَّكْبِيرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْأُولَى وَخَمْسٌ فِي الْآخِرَةِ وَالْقِرَاءَةُ

رمضان المبارک اور مسائل عید الفطر

بَعْدَهُمَا كَلَيْتُهُمَا» [أبو داود، الصلاة، باب التكبير في العيدين: (١١٥١) يهقي :
(٢٨٥/٣)، دار قطنی : (٤٨/٢)]

”عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات ہیں اور قراءت ان کے بعد ہے۔“

یہی حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد اور ابوداؤد میں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، مسند احمد میں سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مسند بزار میں موجود ہے۔ مزید تفصیل کے لیے امام فریابی رضی اللہ عنہ کی کتاب ”احکام العیدین“ ملاحظہ ہو۔ نیز یہ کثرت شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

تمام تکبیرات کے ساتھ رفع الیدین کریں اور ہاتھ باندھ لیں، کیونکہ قیام میں بالاتفاق ہاتھ باندھے جاتے ہیں۔ تکبیرات کے بعد سورہ فاتحہ پڑھیں۔ اس کے بعد امام پہلی رکعت میں سورہ (ق) یا سورہ (الاعلیٰ) پڑھے۔ [مسلم: (٨٩١، ٨٧٨)] پھر رفع الیدین کے ساتھ تکبیر کہہ کر رکوع کریں۔ غرض پھر جیسے عام طور پر نماز پڑھتے ہیں پڑھیں، اس طرح رکعت مکمل کر کے اٹھیں۔ دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں مع رفع الیدین کہیں اور اس رکعت میں امام فاتحہ کے بعد سورہ قمر یا غاشیہ پڑھے۔ [مسلم: (٨٩١، ٨٧٨)] پھر حسب معمول رکعت مکمل کریں۔

نماز سے فارغ ہو کر خاموشی سے امام کا خطبہ سنیں۔ نماز عید کا صرف ایک خطبہ ہی مسنون ہے۔ جمعہ کی طرح دو خطبے کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔

نماز عید کے بعد جہادی قافلوں کی روانگی

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعْظُهُمْ وَيُوصِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ فَإِنْ

كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطْعَهُ أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ»

[بخاری، العیدین، باب الخروج إلى المصلی بغیر منبر: ۹۵۶]

”نبی کریم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے تھے۔ سب سے پہلے نماز عید ادا کرتے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھ جاتے۔ آپ ﷺ انھیں وعظ و نصیحت کرتے اور حکم دیتے۔ اگر آپ ﷺ کوئی لشکر روانہ کرنا چاہتے تو اسے بھیجتے یا کسی اور کام کا حکم کرنا ہوتا تو حکم دیتے، پھر واپس پلٹتے۔“

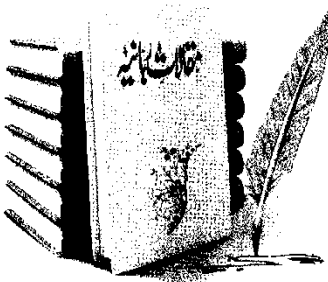
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو عیدین کے موقع پر جہاد جیسے اہم ستون کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ مسلمانوں کا امام وعظ و نصیحت بھی کرے اور جہاد کے لیے جہاں جہاں ضرورت ہو قافلے بھی روانہ کرے، کیونکہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ان کے اندر جذبہ جہاد بیدار کرنا، ان کے مردہ ضمیر کو غیرت ایمانی کی جلا بخشنا، تربیت و تدریب پر ابھارنا اور معسکرات کی طرف نکالنا علماء و خطباء کا کام ہے۔ لہذا اس اہمیت کو کبھی بھی پس پشت نہ ڈالیں۔ عید کے دن فنون حرب اور جنگی کھیلوں کا مظاہرہ کیا جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب العیدین میں باب الحراب والدرق یوم العید بانہ کہ حبشہ کے لوگوں کا برچھوں اور ڈھالوں سے کھیلنے کا ذکر جس حدیث میں وارد ہوا ہے، اس کا ذکر کیا ہے اور یہ کھیل نبی ﷺ نے خود بھی دیکھا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے کھڑا کر کے دکھایا۔ ملاحظہ ہو بخاری: ۹۵۰۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم عید کے روز اگر کوئی کھیل کھیلتا چاہیں تو وہ ایسا ہو جس کا اسلام کو فائدہ ہو۔ اسلامی کھیلوں میں گھڑ سواری، تیراکی، پیدل چلنا اور نشانہ بازی وغیرہ شامل ہیں، جن کا اسلام کو فائدہ ہے۔ اس لیے فضول کھیل ترک کر کے جہادی کھیل کھیلیں اور لوگوں کو ان کی اہمیت بتلا کر ان کے اندر جذبہ جہاد پیدا کریں تاکہ امت مسلمہ اپنے شان دار اور تابناک ماضی کو از سر نو زندہ کر سکے، اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

تراویح کا مفہوم

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَجُدْ لَهُمْ تَأْفِيكًا لَكَ ۖ عَلَىٰ أَنْ يُبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا
مَّحْبُودًا [بنی اسرائیل : ۷۹]



« كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً » [بخاري: ۱۱۴۷]

”رسول اللہ ﷺ رمضان میں نماز (تراویح) کیسے پڑھتے تھے۔ تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، چاہے رمضان کا مہینا ہو یا غیر رمضان، گیارہ (۱۱) رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔“



تراویح کا مفہوم

لفظ تراویح علماء کی طرف سے ایک اصطلاحی نام ہے ورنہ احادیث رسول ﷺ میں کہیں بھی یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اسے حدیث کی رو سے قیام رمضان، صلوٰۃ رمضان اور قیام اللیل وغیرہ الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو تین دن قیام کیا تھا اس کو تراویح کا نام دیا گیا۔ یہ بات احناف کے ہاں بھی مسلم ہے۔ [مراقی الفلاح: ۲۳۳ مطبوعہ دمشق ۱ اور رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوق دیکھا کہ وہ بکثرت اس نماز میں شریک ہو رہے ہیں تو آپ نے جماعت کو ترک کیا اور فرمایا:

① « خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ »

[بخاری، الأذان، باب إذا كان بين الإمام..... : ۷۲۹]

”مجھے تم پر صلاۃ اللیل کی فرضیت کا ڈر ہے۔“

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

② « خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ فَتَعَجِزُوا عَنْهَا »

”میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر صلوٰۃ اللیل فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ۔“

[مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان : ۷۶۱/۱۷۸]

بخاری، الجمعة، باب من قال بعد الخطبة أما بعد : ۹۲۴]

علامہ طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کرتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے فرمایا:

مقالات ربانیہ

③ « خَشِيتُ أَنْ يَكْتُوبَ عَلَيْكُمْ قِيَامُ اللَّيْلِ » [طحاوی : ۲۴۲/۱]

”مجھے تم پر قیام اللیل کے فرض ہونے کا خدشہ ہے۔“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی مسند میں یہ الفاظ بھی روایت کرتے ہیں :

« مَخَافَةٌ أَنْ يُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ قِيَامُ هَذَا الشَّهْرِ »

”تم پر اس ماہ (یعنی رمضان) کے قیام کی فرضیت کے خوف سے چھوڑ رہا ہوں۔“

[مسند أحمد ۶/۱۸۳، ح : ۲۵۵۰۰]

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تراویح کو قیام اللیل قرار دیا ہے اور یہ آپ کی قولی احادیث ہیں۔ لہذا قیام رمضان، قیام اللیل، صلوٰۃ رمضان، صلوٰۃ اللیل وغیرہ رات کی اس نماز کو کہا جاتا ہے جو عشاء کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے ادا کی جاتی ہے، اسے ہی رمضان المبارک میں تراویح کا نام دیا گیا ہے۔

لہذا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ تراویح کا کوئی مسنون عدد ثابت نہیں۔ قیام اللیل کی رکعت میں وارد شدہ تمام احادیث صحیحہ، مرفوعہ، صریحہ تراویح کی رکعات کی تعداد کے دلائل ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ہی نماز کے نام ہیں، البتہ مختلف مواقع پر ان کی کیفیت مختلف وارد ہوئی ہے اور یہ بات محل نزاع سے خارج ہے، لیکن چونکہ احناف کیفیت کا الزام بھی ہمیں دے رہے ہیں، اس لیے ان کے دلائل کی تردید میں ہم بھی کیفیت کا الزامی جواب نقل کریں گے۔

سنت تراویح

دلائل

دلیل نمبر ۱: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے :

« كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيْمَا بَيْنَ أَنْ يَقْرَعَ مِنْ

صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَهِيَ الْتِي يَدْعُو النَّاسَ الْعَتَمَةَ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى

تراویح کا مفہوم

عَشْرَةَ رُكْعَةٍ يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رُكْعَتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ»
[مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل و عدد ركعات النبي ﷺ : ۱۲۲/۷۳۶]

”رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فجر تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے۔“
عشاء کی نماز کو لوگ ”عتمہ“ بھی کہتے ہیں۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے قیام اللیل کی تعداد گیارہ (۱۱) رکعات تھی۔
دلیل نمبر ۲: ابوسلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«أَتَيْتُ عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَتْ كَانَتْ صَلَاتُهُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً مِنْهَا رُكْعَتَا الْفَجْرِ» [صحیح ابن خزیمہ: ۳/۳۴۱، ح: ۲۲۱۳، مسلم: ۷۳۸]
”میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور ان سے رسول اللہ ﷺ کی رمضان کے مہینے میں نماز کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا، آپ کی نماز تیرہ (۱۳) رکعات تھی اور ان میں سے دو فجر کی رکعتیں تھیں، یعنی آپ گیارہ (۱۱) رکعات پڑھا کرتے تھے۔“

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں آپ کا قیام گیارہ (۱۱) رکعت تھا اور قیام رمضان کا معنی احتناف بھی تراویح ہی کرتے ہیں۔
دلیل نمبر ۳: ابوسلمہ بن عبد الرحمن رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

«كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رُكْعَةً» [بخاری، صلاة التراويح، باب قیام النبي ﷺ باللیل : ۱۱۴۷، مؤطا امام محمد: ۱۴۲۔ مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل و عدد ركعات النبي ﷺ في الليل : ۱۲۵/۷۳۸]

مقالہ ریاضیہ

”رسول اللہ ﷺ رمضان میں نماز (تراویح) کیسے پڑھتے تھے۔ تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، چاہے رمضان کا مہینا ہو یا غیر رمضان، گیارہ (۱۱) رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔“

شہدہ: اس کا نماز تراویح سے قطعاً کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ نماز تہجد کے متعلق ہے۔
ازالہ اولاً: پیچھے ذکر کردہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے یہ بات واضح ہو چکی کہ آپ ﷺ نے رمضان کی نماز کی جب جماعت ترک فرمائی تو فرمایا تھا:
«حَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ قِيَامُ اللَّيْلِ»

[طحاوی: (۱/۲۴۲) للامام أبو جعفر طحاوی حنفی]

”مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں تم پر قیام اللیل فرض نہ کر دیا جائے۔“

اس بات پر احناف بھی متفق ہیں کہ رمضان میں آپ نے جو تین دن جماعت کرائی وہ آپ کی تراویح تھیں، لہذا معلوم ہوا کہ تہجد فی رمضان اور تراویح میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ کی زبان پاک نے قیام اللیل کہا جس کا ترجمہ احناف تہجد ہی کرتے ہیں۔
ثانیاً: سائل نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو سوال پوچھا وہ خاص رمضان کی نماز کے متعلق تھا جس کا ترجمہ دوسرے لفظوں میں تراویح ہے۔ اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کہیں کہ سیدہ عائشہ کا جواب سائل کے سوال کے مطابق نہیں ہے۔ سائل تراویح کے متعلق پوچھتا ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جواب تہجد کے متعلق دیتی ہیں، یعنی سوال گندم جواب چنا، یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فقہت و علم کے بالکل خلاف اور شایان شان نہیں۔ یا یہ کہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب سائل کے سوال کے مطابق ہے لیکن سائل کے سوال سے ایک بات زائد بتا دی جو اسی سوال کے متعلق تھی جسے سائل نے دریافت نہیں کیا، یعنی افادہ زائدہ کے طور پر۔ کیونکہ تہجد اور تراویح دونوں آپس میں بے تعلق نہیں جو غیر رمضان میں تہجد کہلاتی ہے وہی رمضان میں تراویح ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا مدلول عام ہے وہ رمضان، غیر رمضان، جماعت اور انکی

تراویح کا مفہوم

تمام صورتوں کو شامل ہے، تراویح اس مدلول کا ایک خاص فرد ہے اور یہ بات کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ عام اور اس کے خاص فرد میں تعلق ہوتا ہے۔

ثالثاً: نبی ﷺ سے رمضان میں تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ پڑھنا کسی بھی صحیح حدیث سے قطعاً ثابت نہیں۔ اور اعتراض کرنے والے سب مل کر بھی یہ بات ثابت نہیں کر سکتے کہ ان تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ نے تراویح کے علاوہ تہجد بھی ادا کی ہو۔ معترضین کا کہنا ہے کہ رمضان میں تہجد علیحدہ اور تراویح علیحدہ ہے، اگر اس اصول کو سامنے رکھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے رمضان میں ۲۳ رکعات، یعنی ۲۰ تراویح اور تین وتر پڑھے، پھر اس رات کو ۱۱ رکعات یعنی (۸+۳ وتر) پڑھے تو لازم آتا ہے کہ آپ نے ایک رات میں دو وتر ادا کیے ہوں جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا وَتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ» ”ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔“

[ترمذی، الوتر، باب ما جاء لا وتران في ليلة : ۴۷۰]

چونکہ آپ کے قول و فعل میں تضاد نہیں، اس لیے آپ نے رات میں صرف ایک بار وتر پڑھے اور وہ گیارہ (۱۱) رکعات ثابت ہیں تیس (۲۳) نہیں۔ لہذا ثابت ہوا آپ کی تراویح گیارہ (۱۱) رکعات تھیں تیس (۲۳) رکعات نہ تھیں۔

رابعاً: امام محمد بن حسن الشیبانی جو کہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور جن کے اکثر اقوال اور فتاویٰ پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے، انھوں نے اپنے مؤطا میں صفحہ (۱۴۱) پر ”باب قیام شہر رمضان و ما فيه من الفضل“ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کو درج کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام محمد کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح کے ساتھ ہے، کیا امام محمد جیسا فقیہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کا تعلق تو تراویح سے نہیں ہے اور میں اسے قیام رمضان کے باب میں درج کر رہا ہوں۔ علاوہ ازیں اس پورے باب میں تعداد تراویح کے متعلق امام محمد نے کوئی اور حدیث ذکر نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک تراویح گیارہ (۱۱) رکعات تھیں اور آخر میں فرماتے ہیں:

”وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ“

”ان تمام باتوں پر ہمارا عمل ہے۔“

علاوہ ازیں اس حدیث کو:

① امام بخاری نے کتاب صلوٰۃ التراویح، باب قیام النبی باللیل: (۱۱۴۷)

بخاری مع فتح الباری: (۲۵۰/۴) میں۔

② امام بیہقی نے باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان

السنن الكبرى: (۴۹۵/۲، ۴۹۶) میں۔

③ علامہ زیلعی حنفی نے نصب الراية ”فصل في قيام شهر رمضان“ (۱۵۳/۲) میں۔

④ علامہ ابن ہمام حنفی نے فتح القدیر شرح ہدایہ ”فصل في قيام رمضان“ (۴۰۷/۱) میں۔

⑤ علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی الحنفی نے مرقا الفلاح شرح نور الايضاح ”فصل في

صلاة التراویح“ (۶۲۲۴) میں۔

⑥ علامہ ابن نجیم حنفی نے کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق: (۶۶-۶۷) میں۔

⑦ علامی نیوی حنفی نے آثار السنن ”باب التراویح بثمان ركعات“ (۳۸۹) پر

درج کر کے تسلیم کیا کہ اس حدیث کا تعلق تراویح کے ساتھ بدرجہ اتم ہے۔

خامساً: مولانا انور شاہ کاشمیری لکھتے ہیں:

”وَلَا مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيمٍ أَنَّ تَرَاوِيحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ

رَكَعَاتٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِي رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى

التَّرَاوِيحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلَى حِدَةٍ فِي رَمَضَانَ بَلْ طَوَّلَ التَّرَاوِيحَ وَبَيَّنَّ

التَّرَاوِيحَ وَالتَّهَجُّدَ فِي عَهْدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكُنْ فَرْقٌ فِي الرُّكَعَاتِ

بَلْ فِي الْوَقْتِ وَالصَّفَةِ“ [العرف الشدي: (۲۸۱/۱)]

”یہ بات تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ نبی ﷺ کی تراویح آٹھ (۸)

تراویح کا مفہوم

رکعات تھی اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہ ہو سکا کہ آپ ﷺ نے رمضان میں تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھی ہوں، نبی ﷺ کے زمانے میں تراویح اور تہجد کی رکعات میں کوئی فرق نہیں تھا بلکہ صفت اور وقت میں فرق تھا۔“

اسی بات کو مفصل طور پر علامہ انور شاہ کاشمیری کی تقریر بخاری فیض الباری: (۴۲۰/۲) میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی نے اپنے مجموعۃ الفتاویٰ اردو: (۱/۲۲۹) پر اور علامہ یوسف بنوری نے معارف السنن: (۵۵۳/۵) پر تسلیم کیا ہے۔ مذکورہ بالا تصریحات بالخصوص علمائے احناف کے حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا تعلق تراویح کے ساتھ ہے اور رمضان میں تہجد اور تراویح کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا بالکل غلط ہے، حقیقت میں یہ ایک ہی نماز کے دو نام ہیں، کیا ان علماء کی عقل و فکر معترضین جتنی بھی نہ تھی، جنہیں آج معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے متعلق ہے تراویح کے متعلق نہیں۔

سادساً: نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

[بخاری، الصوم، باب من صام رمضان..... : ۱۹۰۱۔ مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان..... : ۷۶۰]

”جس نے لیلۃ القدر کا قیام ایمان و ثواب سمجھ کر کیا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔“

اور یہ بات ظاہر ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہے تو کیا قیام رمضان اور قیام لیلۃ القدر دو الگ الگ نمازیں ہیں؟ ہر ذی شعور انسان یہ سمجھتا ہے کہ قیام لیلۃ القدر کوئی الگ نماز نہیں بلکہ وہی نماز ہے جسے تراویح کہا جاتا ہے، اس لیے نام کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی، اسی طرح قیام اللیل یا صلوة اللیل جو رمضان میں ادا ہوتی ہے وہ تراویح ہی ہے علیحدہ نماز یعنی تہجد نہیں۔

شبه: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں گیارہ رکعات اور پورے سال کا ذکر ہے، انہیں پھر

پورا سال تین وتر پڑھنے چاہئیں حالانکہ یہ پورا سال ایک وتر پڑھتے ہیں۔

ازالہ، اولاً: معترض نے یہ بات تسلیم کر لی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (۱۱) رکعات پر دلالت کرتی ہے، اب یہ کہنا کہ پورا سال تین وتر ادا نہیں کرتے بالکل غلط ہے، یہ روایت پورا سال تین وتر کے دوام پر دال نہیں کیونکہ دیگر صحیح احادیث میں وتر کی تعداد ایک، تین، پانچ وغیرہ بھی مذکور ہے، اس لیے ہم وتر تین سے زائد بھی پڑھتے ہیں اور تین سے کم، یعنی ایک بھی۔

ثانیاً: معترض کا یہ الزام اور بہتان ہے کہ ہم پورا سال ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں ہم تو بحمد اللہ تعالیٰ ان مختلف رکعات وتر پر عمل کرتے رہتے ہیں جو احادیث صحیحہ میں وارد ہیں۔
شبہ: ان کے نزدیک تین وتر پڑھنا ناجائز ہیں۔

ازالہ: معترض نے فتاویٰ اہل حدیث کا جو حوالہ دیا ہے اس میں یہ مسئلہ حدیث نبوی:

«لَا تُؤْتِرُوا بِثَلَاثٍ تُشَبِّهُوهُ بِالْمَغْرِبِ»

[السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/۳۱، ح: ۵۰۱۱]

سے ثابت ہے کہ تین وتر اس طرح نہ پڑھو کہ مغرب سے مشابہت لازم آئے، مطلقاً تین کی ممانعت نہیں، یہ اعتراض کرنے والے کی کج فہمی اور کم عقلی پر دال ہے۔

شبہ: غیر مقلدین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے رمضان میں وتر پڑھنا ثابت نہیں۔

ازالہ: مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا حوالہ انھیں مفید نہیں کیونکہ انھوں نے اپنے علم کی بات کی ہے اور یہ مسلم قاعدہ ہے کہ عدم علم عدم شی کی دلیل نہیں ہوتا، جیسا کہ مولوی سرفراز صفدر صاحب لکھتے ہیں:

”عدم علم عدم شی کی دلیل نہیں ہوتی۔“ احسن الکلام: (۲۶۲/۱) لہذا اعتراض کرنے

والے کو ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

قارئین کرام! یہ تھے معترضین کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر اعتراضات۔ ہمارے اس جواب سے معترضین کی حدیث رسول کے ساتھ زیادتی اور باطل تاویلات کا پول کھل گیا

تراویح کا مفہوم

ہے اور واضح ہو گیا کہ یہ حدیث گیارہ (۱۱) رکعات تراویح پر بدرجہ اتم دلالت کرتی ہے۔
دلیل نمبر ۴: اس مسئلہ کی تائید سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

« صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَالْوُتْرَ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْقَابِلَةِ اجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ يُخْرِجَ إِلَيْنَا فَلَمْ نَزَلْ فِي الْمَسْجِدِ حَتَّى أَصْبَحْنَا فَدَخَلْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَجَوْنَا أَنْ تَخْرُجَ عَلَيْنَا فَتُصَلِّيَ بِنَا فَقَالَ كَرِهْتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوُتْرُ »

[صحیح ابن خزيمة: (۱۳۸/۲)، (۱۰۸۰)، صحیح ابن حبان: (۶۲/۵) تا ۶۴]

ح: ۲۴۰۹ ط مؤسسة الرسالة، قیام اللیل: (۲۵۲)، الأوسط لابن المنذر: (۱۶۸/۵)]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعات (نماز) اور وتر

پڑھائے، اگلی رات ہم مسجد میں جمع ہوئے اور یہ امید تھی کہ آپ ہمارے پاس

آئیں گے، ہم صبح تک مسجد میں رہے، پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر

کہا، یا رسول اللہ! ہمیں امید تھی کہ آپ آکر ہمیں نماز پڑھائیں گے؟ آپ نے

فرمایا: ”میں نے ناپسند کیا کہ کہیں تم پر صلوٰۃ الوتر فرض نہ ہو جائے۔“

اس حدیث سے جہاں آٹھ رکعات تراویح ثابت ہوئیں وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ رات

کی اس نماز کو ”صلوٰۃ الوتر“ بھی کہتے ہیں اور دیگر احادیث میں جو اوپر مذکور ہوئیں اسے آپ

نے قیام اللیل بھی فرمایا، جس سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ اس نماز کو صلوٰۃ اللیل، قیام اللیل،

صلوٰۃ فی رمضان، قیام رمضان اور صلوٰۃ الوتر کہنا صحیح و درست ہے۔

شبہ: اس حدیث کی سند میں محمد بن حمید کذاب و ضعیف ہے۔

ازالہ: اس روایت کو یعقوب بن عبد اللہ سے محمد بن حمید کے علاوہ کئی ثقہ محدثین بیان

کرتے ہیں۔

① ابو الریج الزہرائی۔ مسند ابی یعلیٰ (۳۳۶/۳، ۳۳۷) صحیح ابن حبان۔

② عبد الاعلیٰ بن حماد۔ مسند ابی یعلیٰ، اکامل لابن عدی (۵/۱۸۸۸)۔

③ مالک بن اسماعیل۔ ابن خزیمہ (۲/۱۳۸)۔

④ عبید اللہ بن موسیٰ۔ ابن خزیمہ (۲/۱۳۸)۔

لہذا یہ اعتراض مردود ہے کیونکہ محمد بن حمید کے علاوہ ثقہ محدثین بھی اسے بیان کرتے ہیں۔ جب اس روایت کو یعقوب بن عبد اللہ سے یہ ثقات محدثین بیان کرتے ہیں تو محمد بن حمید کا ضعیف ہونا یہاں مضرب نہیں۔

شعبہ: عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہے۔

ازالہ: اولاً: عیسیٰ بن جاریہ جمہور علماء کے نزدیک ثقہ صدوق یا حسن الحدیث ہے۔

① امام ابو زرعہ نے فرمایا: ”لَا بَأْسَ بِهِ“

② ابن حبان نے ثقات میں درج کیا، خلاصہ خزرجی (۲/۳۱۶)۔

③ علامہ بیہقی نے عیسیٰ بن جاریہ کی حدیث کی تحسین کی ہے، مجمع الزوائد: (۷۷/۲) اور (۱۸۸/۲) پر اس کی توثیق کی ہے۔

④ امام بویہری نے زوائد سنن ابن ماجہ میں اس کی حدیث کی تحسین کی ہے۔ رقم الحدیث (۴۲۴۱)، طب۔ دار الکتاب العلمیۃ، زوائد ابن ماجہ علی ہاش ابن ماجہ: ۴/۲۲۵ (۴۳۱۷) ⑤ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں درج کیا۔

⑥ امام بخاری نے تاریخ کبیر (۶/۳۸۵) پر اسے ذکر کر کے طعن نہیں کیا جو عند الاحناف توثیق ہے، ملاحظہ ہو ”قواعد فی علوم الحدیث“ ظفر احمد تھانوی، ص: (۲۲۳، ۳۵۸)۔

⑦ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری: (۳/۱۰) میں اس کی حدیث پر سکوت کیا جو عند الاحناف اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے، قواعد فی علوم الحدیث: (۸۹)، احسن الکلام ص: (۲۲۰)۔

⑧ امام منذری نے اس کی ایک حدیث کو باسناد جید کہا۔ الترغیب والترہیب: (۵۰۷/۱)۔

⑨ امام ابوحاتم الرازی نے الجرح والتعديل: (۲/۲۷۳) پر ذکر کر کے کوئی جرح نہیں کی،

تراویح کا مفہوم

جو عند الاحناف توثیق ہے، قواعد فی علوم الحدیث: (۳۵۸) لہذا یہ جمہور کے نزدیک ثقہ راوی ہے۔

ثانیاً: علامہ ذہبی (جن کے متعلق ظفر احمد تھانوی صاحب لکھتے ہیں ”وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْتِقْرَاءِ التَّامِّ فِي نَقْدِ الرِّجَالِ“ (قواعد فی علوم الحدیث یعنی ۷۳) یعنی راویوں کے اوپر نقد کرنے میں مکمل استقراء کے مالک ہیں) مولانا سرفراز صدر لکھتے ہیں: ان جیسا آج تک کوئی ناقد رجال پیدا نہیں ہوا۔ (احسن الکلام ص: ۱۰۶)، میزان الاعتدال: (۳/۳۱۱) پر یہی روایت درج کر کے فرماتے ہیں ”إِسْنَادُهُ وَسْطٌ“ اس حدیث کی سند حسن درجے کی ہے اور حسن حدیث قابل حجت ہوتی ہے۔

مولانا سرفراز صفدر صاحب لکھتے ہیں وسط یعنی درمیانے درجے کا راوی ہے جس کی حدیث حسن سے کم نہیں۔ [خزائن السنن: ۱۸۱/۱]

ثالثاً: ظفر احمد تھانوی صاحب قواعد فی علوم الحدیث ص (۷۲) پر رقم طراز ہیں:

”إِذَا كَانَ الرَّاوي مُخْتَلِفًا فِيهِ وَثَقَّهُ بَعْضُهُمْ وَضَعَفَهُ بَعْضُهُمْ فَهُوَ حَسَنُ الْحَدِيثِ“

”جب کوئی راوی مختلف فیہ ہو بعض نے اسے ثقہ اور بعض نے ضعیف کہا ہو تو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے۔“

یہی بات (۷۵، ۷۷) پر بھی درج ہے۔ اسی طرح اشرف علی تھانوی کی کتاب احیاء السنن: (۱/۳۶، ۴۴، ۴۶، ۷۲، ۷۳، ۷۹، ۸۰، ۸۶، ۸۷، ۹۰، ۹۶، ۹۸، ۱۰۳) ملاحظہ کریں۔ لہذا تمھارے اپنے گھر کی شہادت کے مطابق یہ روایت حسن ہے اور قابل حجت ہے۔

انھی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات ان کی
انھی کی محفل سنو راتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

دلیل نمبر ۵: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہا، یا رسول اللہ! میرے گھر کی عورتوں نے رمضان کی رات مجھ سے کہا ہم قرآن نہیں

جانتیں، ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گی۔

«فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ أُوتِرْتُ فَكَانَتْ سُنَّةَ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا» [مجمع الزوائد: (۷۷/۲) أبي يعلى: (۱۸۰۱، ۳۳۶/۳)]

”میں نے انھیں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے آپ نے اس پر کچھ نہیں کہا، یہ آپ کی رضا مندی والی سنت بن گئی۔“

علامہ بیہقی فرماتے ہیں ”إسناده حسن“ اس حدیث کی سند حسن ہے اور مولوی سرفراز صدر صاحب لکھتے ہیں ”اپنے وقت میں اگر علامہ بیہقی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی؟“ [احسن الکلام: (۲۳۳/۱)]

حکم فاروقی

دلیل نمبر ۶: امام مالک محمد بن یوسف سے وہ سائب بن یزید سے بیان کرتے:

«أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَبِيَّ بَنَ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ»

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تميم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ (۱۱) رکعات پڑھائیں۔“

[مؤطا امام مالك: (۱۱۴/۱) ط أخری ص (۹۸) بیہقی: (۴۹۶/۲) معانی الآثار للطحاوي: (۱۹۳/۱) كنز العمال: (۴۰۷/۸) معرفة السنن والآثار: (۳۶۸، ۳۶۷، ۲) قيام الليل، ص: (۲۰۰) شرح السنة: (۱۲۰/۴) مشکوة المصابيح ص: (۱۱۵) الأحاديث المختارة، المذهب للذهبي: (۴۶۱/۲) علامہ نیوی حنفی لکھتے ہیں: ”إسناده صحيح“ [آثار السنن ص (۳۹۲)۔ اس سند کے تمام راوی زبردست ثقہ ہیں]

(۱) امام مالک جن کی ثقاہت پر سب متفق ہیں ابن حجر فرماتے ہیں:

الفقيه امام دار الهجره رأس المتقين و كبير المثبتين تقريب (۳۲۶) ”امام

مالک فقیہ، مدینہ کے امام، متقیوں کے سردار اور ثابت قدم رہنے والوں کے قائد ہیں۔“

تراویح کا مفہوم

(۲) محمد بن یوسف الکندی ثقہ ثبت۔ تقریب، ص (۳۲۵)۔

(۳) سائب بن یزید صحابی صغیر۔ تقریب (۱۱۶)

سیدنا تمیم داری اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کا لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھانا

دلیل نمبر ۷: امام ابوبکر بن ابی شیبہ بواسطہ یحییٰ بن سعید از محمد بن یوسف از سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي وَ تَمِيمٍ فَكَانَا يُصَلِّيَانِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً» [ابن أبي شيبة: (۳۹۲/۲)]

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما پر جمع کیا وہ دونوں گیارہ (۱۱) رکعات پڑھاتے تھے۔“

اسی حدیث کو امام ابوزید عمر بن شیبہ البصری یحییٰ بن سعید کے واسطے سے اپنی کتاب تاریخ المدینۃ المنورہ (۷۱۳/۱) پر لائے ہیں۔
اس روایت کی سند بھی غایت درجہ کی صحیح ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ (۱۱) رکعات

دلیل نمبر ۸: امام سعید بن منصور از عبد العزیز بن محمد از محمد بن یوسف از سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً»

”ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ (۱۱) رکعات پڑھتے تھے۔“

[التعليق الحسن على آثار السنن: (۳۹۲/۱)، الحاوی للفتاوی: (۳۴۹/۱)]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس سند کے متعلق فرماتے ہیں:

”و فی مصنف سعید ابن منصور فی غایۃ الصحۃ“

[الحاوی : ۳۵۹/۱]

”یہ روایت بہت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔“

ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا مبارک عمل بھی گیارہ رکعات تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بھی یہی تھا، اسی کے مطابق سیدنا ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما نے گیارہ رکعات تراویح پڑھائیں اور ان کے پیچھے پڑھنے والوں نے بھی اس پر عمل کیا۔ معلوم ہوا کہ اجماع صحابہ بھی گیارہ (۱۱) رکعات پر تھا۔ کسی بھی صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا میں رکعات پڑھنے کا عمل یا حکم موجود نہیں۔

امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

”وَالصَّحِيحُ أَنْ يُصَلِّيَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قِيَامَهُ فِيمَا غَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْأَعْدَادِ فَلَا أَصْلَ لَهُ“
”صحیح بات یہی ہے کہ گیارہ رکعات پڑھی جائیں جو کہ نبی ﷺ کی نماز اور قیام ہے، اس کے علاوہ جو اعداد ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔“

[عارضۃ الأحوذی شرح ترمذی : (۱۹/۴)]

علمائے احناف کے نزدیک بھی گیارہ رکعات تراویح سنت نبوی ہے

① امام ابن ہمام حنفی ہدایہ کی شرح فتح القدیر (۴۰۷/۱) پر رقم طراز ہیں:

”فَتَحْصُلُ مِنْ هَذَا كُلِّهِ أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً“
”اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تراویح گیارہ رکعات مع وتر ہی سنت رسول ﷺ ہے۔“

② علامہ ابن نجیم حنفی کی معتبر کتاب البحر الرائق : (۶۷۲، ۶۷۷)

③ علامہ شرنبلالی حنفی کی معتبر کتاب مراقی الفلاح، ص: (۲۲۳، ۲۲۴)

④ علامہ سید احمد طحاوی حنفی کا معتبر حاشیہ طحاوی علی مراقی الفلاح، ص: (۲۲۳)

تراویح کا مفہوم

- ⑤ طحاوی حاشیہ در مختار: (۲۹۵/۱)
- ⑥ علامہ زیلیعی حنفی کی معتبر کتاب نصب الرأیہ: (۱۵۳/۲)
- ⑦ ملا علی قاری حنفی کی معتبر کتاب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: (۳۷۹/۳)
- ⑧ فقہ حنفی کی معتبر کتاب احسن المسائل اردو ترجمہ کنز الدقائق: (۳۶)
- ⑨ علامہ محمد یوسف بنوری حنفی کی معتبر کتاب معارف السنن شرح ترمذی: (۵۴۴/۵)
- ⑩ علامہ عبدالحق دہلوی حنفی کی معتبر کتاب ما ثبت بالسنۃ، ص: (۳۶۳)
- ⑪ علامہ خلیل احمد سہارنپوری حنفی حاشیہ صحیح بخاری: (۱۵۴/۱)
- ⑫ حاشیہ مشکوٰۃ، ص: (۱۱۵)
- ⑬ ظفر احمد عثمانی تھانوی کی (اعلاء السنن: ۶۹/۷) باب التراویح، ط ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی۔

- ⑭ مولوی احسن نانوتوی حنفی حاشیہ کنز الدقائق، ص: (۳۶)
 - ⑮ علامہ انور شاہ کاشمیری حنفی کی معتبر کتاب العرف الشذی، ص: (۲۸۱)
- علمائے احناف کی ان پندرہ معتبرہ کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ نبی ﷺ کی سنت تراویح گیارہ (۱۱) رکعات ہیں۔ امید ہے کہ معترض اور اس کے حواری اگر احادیث صحیحہ نہ مانیں تو اپنے علماء کے حوالے ضرور تسلیم کر کے سنت کی مخالفت ترک کر دیں گے۔

دلائل احناف کا جائزہ

معرضین نے سب سے پہلے بیس تراویح کو رسول اللہ ﷺ سے ثابت کرنے کے لیے ابن ابی شیبہ (۳۹۴/۲) اور السنن الکبریٰ (۴۹۶/۲) سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس (۲۰) رکعات پڑھا کرتے تھے۔

جواب: معرضین کی پہلی خیانت

معرضین نے یہ روایت پیش کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے، سنن کبریٰ کے مذکورہ

صفحہ پر اس طرح الفاظ ہیں:

«كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ عَشْرِينَ رَكْعَةً»

”رسول اللہ ﷺ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعات پڑھتے تھے۔“

یہ الفاظ ان کے عمل کے خلاف تھے کیونکہ یہ پورا مہینہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے ہیں، اس لیے ان الفاظ کو حذف کرنے میں ہی خیر سمجھی گئی۔

تنبیہ: معترضین کے ساتھ اصل اختلاف تعداد رکعات میں ہے، اس کی کیفیت میں نہیں، لیکن اعتراض کرنے والے نے گیارہ (۱۱) رکعات پر بحث کے ضمن میں اس کی کیفیت کا بھی تذکرہ کیا ہے، اس لیے وہ اپنی نماز کی کیفیت کو بھی سامنے رکھیں اور پیش کردہ روایت پر بھی غور کریں۔ نیز میزان الاعتدال، الکامل لابن عدی اور تہذیب الکمال میں بھی ”غیر جماعۃ“ کے الفاظ ہیں۔

معترضین کی دوسری خیانت

دوسری خیانت اور بددیانتی یہ کی گئی کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کے متصل بعدی اس کی اسنادی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”فرد به أبو شيبه ابراهيم بن عثمان العبسي الكوفي وهو ضعيف“

”اس روایت کو بیان کرنے میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کوفی منفرد ہے اور وہ

ضعیف ہے۔“

چونکہ یہ الفاظ معترضین کے مصنوعی قصر کو منہدم کر دیتے تھے اور ان کی دلیل کا تار و پود بکھیر دیتے تھے، اس لیے معترض نے اسے شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا اور اس پر مستزاد یہ کہ ڈکار تک نہیں لیا۔

وضاحت

اولاً: درحقیقت یہ روایت اس قابل ہی نہیں کہ اس سے بیس (۲۰) رکعات تراویح

تراویح کا مفہوم

کے سنت ہونے پر بنیاد رکھی جائے، کیونکہ تمام محدثین کرام رحمہ اللہ کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کوئی کو امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام ابو داؤد، امام ابو حاتم رازی، امام ابوزرعہ رازی، امام صالح الجزرہ، امام ابن سعد، امام دارقطنی، امام بخاری، امام ابوالفتح ازدی، امام ترمذی، امام نسائی، امام دولابی، امام جوزجانی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام بیہقی، امام ابوعلی نیشاپوری، امام شعبہ بن حجاج، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ذہبی، امام ابن عدی، امام ابن جوزی، امام سیوطی، امام مزی، امام خزرجی وغیرہ رحمہم نے ”ضعیف، لیس، بثقة، متروک الحدیث، منکر الحدیث، ساقط رجل مذموم“ جیسے القابات سے نوازا ہے۔ بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”مجمع علی ضعفه“ ”اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔“ اور اس کے ہم معنی کلام امام سیوطی نے الحاوی للفتاویٰ (۲۳۸/۱) پر

پایا کیا ہے۔ تہذیب التہذیب جدید: (۱/۹۴-۹۵) رقم (۲۵۷)، الکامل فی ضعف الرجال لابن عدی: (۱/۲۴۱)، کتاب المجروحین لابن حبان: (۱/۲۳۹)، میزان الاعتدال للذهبی: (۱/۴۸)، خلاصة خزرجی: (۱/۵۰-۵۱)، کتاب الضعفاء والمتروکین لابن جوزی: (۱/۴۱)، کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی: (۱/۲۸۳)، کتاب الضعفاء الکبیر للعقيلي: (۱/۵۹)، کتاب الجرح والتعديل: (۲/۱۱۵)، کتاب الضعفاء الصغیر للبخاری: (۵) التاریخ الکبیر للبخاری: (۱/۳۱۰)، التلخیص الحبییر: (۲/۲۱)، تقریب ص: (۲۲)، کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی: (۴۵)۔

علمائے احناف کی تصریحات

درج ذیل حنفی علماء نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے:

- ① علامہ شوق نیوی التعلیق الحسن، ص: (۳۹۸)۔
- ② علامہ انور شاہ کاشمیری العرف الشذی: (۲۸۱)۔
- ③ علامہ یوسف بنوری معارف السنن: (۵۳۶/۵)۔
- ④ علامہ زبلی نصب الرأی: (۲/۱۵۳)۔

مقالہ ثانیہ

- ⑤ علامہ عبدالحی لکھنوی التعلیق الممجد: (۱۴۱)، مجموعۃ الفتاویٰ: (۳۲۵/۱)۔
- ⑥ مولوی تقی عثمانی درس ترمذی: (۶۵۹/۲)۔
- ⑦ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: (۳۸۱/۳)۔
- ⑧ علامہ ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ: (۴۰۷/۱)۔
- ⑨ علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح: (۲۲۳)۔
- ⑩ خلیل احمد سہارنپوری حاشیہ بخاری، ص: (۱۵۴-۲۶۹)، حاشیہ مشکوٰۃ، ص: (۱۱۵)۔
- ⑪ علامہ عبدالحق دہلوی ماثبت بالسنۃ، ص: (۲۸۶)۔
- ⑫ مولوی زکریا کاندھلوی اوجز المسائل: (۳۹۷/۱)۔
- ⑬ حبیب الرحمن اعظمی رکعات تراویح، ص: (۵۹)۔
- ⑭ مولوی غلام رسول سعیدی شرح مسلم: (۴۹۶/۲)۔
- ⑮ مولوی ابویوسف محمد شریف دلائل المسائل، ص: (۹۱)۔
- ⑯ مفتی احمد یار خاں جاء الحق: (۲۳۳/۲)۔

ان ائمہ کرام اور حنفی علماء کی تصریحات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ابوشیبہ کے ضعف پر ائمہ محدثین کا اجماع ہے، کسی بھی قابل ذکر امام سے اس کی توثیق نہیں ملتی۔
ثانیاً: یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں گیارہ (۱۱) رکعات کا ذکر ہے۔

① حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا مَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوَتْرَ فِإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ وَقَدْ عَارَضَهُ حَدِيثُ عَائِشَةَ هَذَا الَّذِي فِي الصَّحِيحَيْنِ مَعَ كَوْنِهَا أَعْلَمُ بِحَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلًا مِنْ غَيْرِهَا“ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

[فتح الباري شرح صحيح بخاري: ۲۵۴/۴]

تراویح کا مفہوم

”سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جسے ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے، اس کی سند ضعیف ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیحین میں مروی حدیث اس کے خلاف ہے، باوجود اس کے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسروں کی نسبت آپ کے رات کے حالات کو زیادہ جانتی تھیں۔“

④ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر شرح ہدایہ (۴۰۷/۱) پر رقم طراز ہیں:

”وَأَمَّا مَا رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ وَالطَّبْرَانِيُّ وَعِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً سِوَى الْوُتْرِ فَضَعِيفٌ بِأَبِي شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ جَدُّ الْإِمَامِ أَبِي بَكْرٍ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِهِ مَعَ مُخَالَفَتِهِ لِلصَّحِيحِ“

”ابن ابی شیبہ کی مصنف، طبرانی اور بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیس (۲۰) رکعات والی روایت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ہیں کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کے ضعف پر اتفاق ہے اور صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے۔“

⑤ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق (۶۶۲-۶۷۷) پر رقم ہیں:

”ذَكَرَ الْمُحَقِّقُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ مَا حَاصِلُهُ أَنَّ الدَّلِيلَ يَقْتَضِي أَنَّ تَكُونَ السُّنَّةَ مِنَ الْعَشْرِينَ مَا فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا ثُمَّ تَرَكَهُ خَشْيَةً أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْنَا وَالْبَاقِي مُسْتَحَبٌّ وَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ ذَلِكَ كَانَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوُتْرِ كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ فَإِذَا كَانَ يَكُونُ الْمَسْنُونُ عَلَى أَصُولٍ مَشَائِخَنَا ثَمَانِيَةً مِنْهَا وَالْمُسْتَحَبُّ اثْنَا عَشَرَ“

”محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دلیل اس

مقالات ربانیہ

بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بیس (۲۰) رکعات میں سے اتنی مقدار سنت ہو جو رسول اللہ ﷺ نے پڑھی، پھر ہمارے اوپر فرضیت کے ذر سے ترک کر دی اور باقی مستحب ہیں اور صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ وتر سمیت گیارہ (۱۱) رکعات ہیں، تو اس طرح ہمارے مشائخ کے اصول کے مطابق سنت تراویح آٹھ (۸) رکعات ہیں اور بارہ مستحب۔“

④ علامہ زلیعی نے نصب الرأیہ: (۱۵۳/۲)۔

⑤ علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے ”فتح سر المنان فی تائید مذهب النعمان“ ص: (۶۹۲) بحوالہ خاتمہ احناف۔

⑥ ما ثبت بالسنة، ص: (۲۸۶) پر۔

⑦ علامہ عبدالحق نے التعلیق الممجد، ص: (۱۴۲)۔

⑧ علامہ ابو الطیب محمد بن عبد القادر سندھی نقشبندی نے شرح ترمذی: (۴۲۳/۱) پر تقریباً یہی معارضہ پیش کیا ہے۔

ثالثاً: ائمہ محدثین نے بیس (۲۰) رکعات تراویح والی اس روایت کو ابوشیبہ کی منکر روایات میں شمار کیا ہے، ملاحظہ ہو:

① علامہ عینی رحمہ اللہ کی عمدۃ القاری: (۳۳۹/۵) ط مصر۔

② علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال: (۴۸/۱)۔

③ امام ابن عدی کی الكامل فی ضعفاء الرجال: (۲۴۰/۱)۔

④ امام مزی کی تہذیب الکمال: (۶۰/۱) قلمی۔

ائمہ محدثین کی ان توضیحات سے معلوم ہوا کہ بیس رکعات تراویح والی روایت انتہائی ضعیف، منکر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی صحیح حدیث کے خلاف ہے۔

معترضین کی دوسری دلیل

نبی ﷺ نے لوگوں کو دو راتیں بیس رکعات نماز تراویح پڑھائی۔ [التلخیص الحیر: (۲۱/۲)]

تراویح کا مفہوم

جواب معترض کی تیسری خیانت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر: (۲/۲۱) پر اس روایت کے متصل بعد فرمایا: ”مُتَّفَقٌ عَلَى صَحَّتِهِ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ دُونَ عَدَدِ الرُّكْعَاتِ“ مسئلہ تراویح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ثابت ہے جس کی صحت پر اتفاق کیا گیا ہے اور بیس رکعات کی تعداد درست نہیں۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو بیس (۲۰) کے عدد کو ضعیف قرار دیا، لیکن معترض نے یہ عبارت حذف کر کے بددیانتی کا ثبوت دیا اور اپنے مفید مطلب نہ پا کر اس کو ہضم کر گئے۔ علاوہ ازیں امام سیوطی نے الحاوی للفتاویٰ: (۱/۳۵۰) پر نقل کیا کہ یہ روایت منکر ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس منکر روایت پر احناف کا عمل بھی نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دو راتیں نماز پڑھائی، یہ سارا مہینا بیس (۲۰) رکعتیں پڑھ کر اپنی پیش کردہ حدیث کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ منکر روایت صحیح احادیث کے بھی معارض ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں تین راتوں کے نماز پڑھانے کا ذکر ہے۔

معترض کی کج فہمی

صلوٰۃ الرسول ص (۳۳۴) پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کی سند کو صحیح سمجھ کر درج کیا ہے۔

جواب: معترض اتنے کج فہم اور عقل سے پیدل ہیں کہ انھیں اتنا بھی علم نہیں کہ کسی عالم کا کسی روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہوتا وگرنہ لازم آئے گا کہ تمام کتب احادیث میں منقول شدہ روایات درست ہوں جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ایک عام طالب علم بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اگر کوئی عالم کسی روایت کے مطابق عمل کرے یا فتویٰ دے تو یہ بات بھی اس روایت کی صحت کی دلیل نہیں، کیونکہ روایت کے صحیح ہونے کی کچھ شرائط ہیں جو کہ کتب اصول میں موجود ہیں۔ معترض نے اگر کسی صحیح استاد

مقالہ نمبر ۱۰

سے اصول حدیث کو پڑھا ہوتا تو یہ غلطی نہ کرتے۔ امام ابن صلاح کی مشہور کتاب علوم الحدیث ص: (۵۳) میں مرقوم ہے:

”إِنَّ عَمَلَ الْعَالِمِ أَوْ فُتْيَاهُ عَلَى وَفْقِ حَدِيثٍ لَيْسَ حُكْمًا مِنْهُ بِصَحَّةٍ
ذَلِكَ وَكَذَلِكَ مُخَالَفَتُهُ لِلْحَدِيثِ لَيْسَتْ قَدْحًا مِنْهُ فِي صِحَّتِهِ وَلَا
فِي رَاوِيهِ“

”کسی عالم کا عمل یا فتویٰ کسی روایت کے موافق ہو تو وہ اس کی جانب سے اس روایت کی صحت کا حکم نہیں، اور اسی طرح کسی روایت کی مخالفت اس کی صحت میں جرح کا باعث نہیں اور نہ ہی اس روایت کے راوی کے ضعف کا سبب ہے۔ یہی بات تدریب الراوی: (۳۱۵/۱) الفیہ عراقی، ص: (۴۲) اور التقدید والايضاح، ص: (۱۲۱) وغیرہ میں موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکیم صادق صاحب نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ اس روایت سے پہلے صحیح بخاری کے حوالے سے درج کیا ہے، اس کے بعد ابن عباس والی اس سند پر مشتمل روایت درج کی ہے، جب ایک مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو تو اس کے تحت ضعیف روایت کو لانا مضر نہیں ہوتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ کیا معترضین اس سند کو صحیح تسلیم کر کے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہو جائیں گے یا کہ ”میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو“ پر عمل پیرا ہوں گے۔

معترضین کی فضول بھرتی

اس کے بعد معترضین نے فضول بھرتی کرنے اور اشتہار کو پر کرنے کے لیے صلاۃ الرسول کی تائید علماء اہل حدیث سے پیش کی جس کا مذکورہ مسئلہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں، چونکہ معترض کا دامن بیس (۲۰) رکعات تراویح کی مسنونیت پر دلائل پیش کرنے سے بالکل عاری ہے، اسی لیے ادھر ادھر کی فضول باتوں سے اپنے اشتہار کو بزعم خود مزین کرنا چاہتے ہیں۔

مقرضین کی تیسری دلیل

سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں بیس (۲۰) رکعات پڑھی گئیں۔
بحوالہ سنن کبریٰ بیہقی: (۴۹۶/۲)۔

جواب مقرضین کی چوتھی خیانت

① یہ روایت درج کرنے میں بھی اعتراض کرنے والے نے خیانت سے کام لیا اور
”عِشْرِينَ رَكْعَةً وَ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ“ کے درمیان الفاظ کو حلوہ سمجھ کر نگل گئے۔
امام بیہقی کی اس روایت میں یہ الفاظ ہیں:

« قَالَ وَ كَانُوا يَقْرَأُ وَ بِالْمِئِينَ وَ كَانُوا يَتَوَكَّنُونَ عَلَى عُصِيَّتِهِمْ فِي
عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ »

”وہ سو آیات پر مشتمل سورتیں پڑھتے اور عہد عثمان میں قیام کی شدت کی بنا پر اپنی
لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔“ یہ ٹکڑا درمیان سے حذف کر دیا گیا تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ہماری نماز
کی کیفیت تو اس طرح نہیں۔ احناف بیس (۲۰) رکعات پر تو عامل ہیں لیکن اس روایت میں
بیان کردہ کیفیت سے چشم پوشی کرتے ہیں، کیونکہ اکثر مساجد میں بیس (۲۰) رکعات تراویح
کو آدھے گھنٹے میں تقریباً ختم کر دیا جاتا ہے، اس کی مثال ہمارے گاؤں میں موجود ہے۔

② اس روایت میں یزید بن خصیفہ راوی ہے، جسے امام احمد نے منکر الحدیث کہا ہے،
ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال: (۴۳۰/۴) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبھی ایسی روایات
بیان کرتا ہے جن کو ثقہ راوی بیان نہیں کرتے۔ تو ایسا راوی جب اپنے سے اوثق کی
مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے جو کہ ضعیف کی اقسام سے ہے اور اصول
حدیث کی رو سے ایسی روایت رد کر دی جاتی ہے۔ سائب بن یزید سے محمد بن یوسف
گیارہ (۱۱) رکعات بیان کرتے ہیں۔ (موطا وغیرہ) جبکہ ابن خصیفہ بیس (۲۰)
رکعات اور محمد بن یوسف اوثق راوی ہے، لہذا یہ روایت شاذ ہوگی۔

مقالہ اثبات ربانیت

③ ابن خنیفہ کی روایت میں گنتی کے لحاظ سے اضطراب ہے، یہ کبھی گیارہ (۱۱) بیان کرتا ہے اور کبھی بیس (۲۰)۔

④ سائب سے بیان کرنے والا محمد بن یوسف اس کا بھانجا ہے، اس قرابت کی بنا پر اس کی روایت اپنے ماموں سے دوسروں کی نسبت زیادہ صحیح ہوگی اور یہ گیارہ (۱۱) رکعات ہی بیان کرتا ہے۔

⑤ محمد بن یوسف کی روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ہے، اس لیے یہ مقبول ہے اور ابن خنیفہ کی مردود۔

⑥ اس روایت میں عہد عمر رضی اللہ عنہ میں لوگوں کے پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا حکم گیارہ (۱۱) رکعات ہے۔ (موطا وغیرہ) اس لیے سنت خلافت گیارہ (۱۱) رکعات ہی ہوگی۔

معترضین کی چوتھی دلیل

یزید بن رومان بیان کرتے ہیں کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں لوگ تینیس (۲۳) رکعات پڑھتے تھے۔ موطا مالک، ص: (۴۳)، سنن الکبریٰ: (۳۹۶/۲)۔

جواب: علاہ زبلیعی رضی اللہ عنہ نے نصب الرأیہ: (۱۵۴/۲) میں اور علامہ نیوی رضی اللہ عنہ نے التعلیق الحسن: (۳۹۶) میں لکھا ہے:

”يَزِيدُ بْنُ رُومَانَ لَمْ يَدْرِكْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“
 ”یزید بن رومان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔“ اسی طرح امام نووی نے المجموع: (۴/۳۳) پر لکھا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت محرم ۲۳ھ کو ہوئی۔ الفاروق: (۱۸۰) اور یزید بن رومان کی وفات ۱۳۰ھ میں ہوئی۔ تہذیب: (۲۰۵/۶)، خلاصۃ الاحکام: (۱۶۹/۳)۔

اگر اس کی عمر ایک صدی بھی فرض کریں تب بھی اس کی پیدائش شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے

تراویح کا مفہوم

سات سال بعد ہوئی، لہذا اصول کے لحاظ سے یہ روایت منقطع اور ناقابل حجت ہے۔

مقرضین کی پانچویں دلیل

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو بیس (۲۰) رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔ ابن ابی شیبہ: (۳۹۳/۲)۔

جواب: علامہ نیوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ لَمْ يُذَكِّرْكَ عُمَرَ“

کہ ”یحییٰ بن سعید نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔“، التعلیق الحسن: (۳۹۶) لہذا یہ روایت بھی منقطع و ضعیف ٹھہری۔ اعلاء السنن: (۷۰۷)۔

مقرضین کی چھٹی دلیل

مالک نے یزید بن نصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید سے بیس (۲۰) رکعات تراویح نقل کی ہیں۔ فتح الباری: (۲۵۳/۴)، نیل الاوطار: (۲۹۸/۲)۔

جواب: ① مؤطا کے متداول نسخوں میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی، اس لیے مقرضین یا تو امام مالک کی کسی کتاب کی طرف راہنمائی کریں یا ابن حجر و شوکانی سے لے کر امام مالک تک اس کی سند پیش کریں۔

② یزید بن نصیفہ کی یہ روایت منکر ہے، جیسا کہ تیسری دلیل کے تحت گزر چکا ہے۔

مقرضین کی ساتویں دلیل

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما پر جمع کیا کہ وہ انھیں بیس رکعات پڑھائیں۔ عبد الرزاق: (۲۶۰/۴)۔

جواب: ① عبد الرزاق آخر عمر میں نابینے ہو گئے، ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔ امام ابن الصلاح فرماتے ہیں:

”عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ ذَكَرَ أَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ أَنَّهُ عَمِيَ فِي آخِرِ
عُمُرِهِ فَكَانَ يُلَقِّنُ فَيَتَلَقَّنُ فَسَمَاعٌ مَنْ سَمِعَ مِنْهُ بَعْدَ مَا عَمِيَ لَا شَيْءَ“

[علوم الحديث ص: ۱۹۶]

”امام احمد نے ذکر کیا کہ عبد الرزاق آخر عمر میں نابینا ہو گیا تو اسے لقمہ دیا جاتا یہ اسے
قبول کر لیتا جس نے اس سے نابینا ہونے کے بعد سنا اس کا سماع کوئی شے نہیں۔“
اور عبد الرزاق سے اسحاق بن ابراہیم الدبري نے آخری عمر میں سنا ہے اور اسی نے
کتاب الصوم روایت کی ہے جس میں یہ روایت موجود ہے اور اسحاق بن ابراہیم الدبري
① صاحب حدیث نہ تھا ② مصنف میں اس نے بہت سے مقام پر تحیف سے کام لیا
③ عبد الرزاق کی مصنف میں اس نے بہت غلطیاں کیں، جن پر ائمہ نے مستقل کتابیں
لکھیں۔ ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال: (۱۸۱/۱) لہذا الدبري کا مصنف کو روایت کرنا اور اس
میں اغلاط کا شکار ہونا اس بات پر دال ہے کہ اس کی بیان کردہ روایت درست نہیں۔
امام ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قَدْ وَجَدْتُ فِيمَا رَوَيْ عَنِ الطَّبْرَانِيِّ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ
الدَّبَرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَحَادِيثَ اسْتَنْكَرْتُهَا جِدًّا فَأَحَلْتُ أَمْرَهَا
عَلَى ذَلِكَ فَإِنَّ سَمَاعَ الدَّبَرِيِّ مِنْهُ مُتَأَخِّرٌ جِدًّا“

[علوم الحديث ص: ۱۹۶]

”میں نے دبري کی عبد الرزاق سے کافی منکر روایات پائی ہیں اور معاملہ یہاں تک
پہنچا کہ اس کا سماع عبد الرزاق سے بہت متاخر ہے۔“ اسی طرح میزان میں یہ بھی موجود
ہے کہ عبد الرزاق کی وفات کے وقت اس کی عمر چھ سات سال کے قریب تھی۔ لہذا یہ
روایت کسی طرح بھی درست نہیں۔

④ امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا میں مروی شدہ روایت جس میں ابی بن کعب اور تمیم داری رحمہ
کو بیس (۲۰) رکعات پڑھانے کا حکم دیا گیا اس کے خلاف ہے۔

تراویح کا مفہوم

معترضین کی آٹھویں دلیل

عبد العزیز بن رفیع بیان کرتا ہے کہ ابی بن کعب مدینہ میں بیس (۲۰) تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے، ابن ابی شیبہ (۳۹۳/۲)۔

جواب: ① علامہ نیوی ڈیٹا لکھتے ہیں:

”عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ رَفِيعٍ لَمْ يُدْرِكْ أَبِي بَنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“

”عبد العزیز نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔“ التعلیق الحسن: (۳۹۷) لہذا یہ روایت

بھی منقطع ٹھہری۔

② سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا اس کے بھی خلاف ہے۔

③ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اپنے عمل کے بھی خلاف ہے۔ مجمع الزوائد: (۷۷/۲)۔

معترضین کی نویں دلیل

ابوالحسناء کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ تراویح میں رکعات پڑھائیں۔ سنن کبریٰ: (۲۹۷/۲) ابن ابی شیبہ: (۳۹۳/۲)۔

جواب معترضین کی پانچویں خیانت

معترضین نے یہ روایت سنن کبریٰ بیہقی سے نقل کی ہے، لیکن امام بیہقی نے اس حدیث پر جو حکم لگایا معترضین نے اسے کالامرغن ”کوا“ سمجھ کر چالیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَفِي هَذَا الْأَسْنَادِ ضَعْفٌ“ ”اس سند میں کمزوری ہے۔“

اس سند کے ضعف کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ ابوالحسناء مجہول ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

ابوالحسناء کے متعلق فرماتے ہیں: ”مَجْهُولٌ مِنَ السَّبَاعَةِ“ تقریب: (۴۰۱) ”یہ ساتویں

طبقے کا مجہول راوی ہے۔“ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَا يُعْرَفُ“ ”یہ معروف نہیں“

المغنی فی الضعفاء: (۷۴۰۶) علامہ نیوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”مَذَارُ هَذَا الْأَثَرِ عَلَى أَبِي الْحَسَنِ وَهُوَ مَجْهُولٌ“

[آثار خیر، ص: ۲۴۷]

”اس روایت کا دار و مدار ابوالحسن پر ہے اور وہ مجہول آدمی ہے۔“

تہذیب: (۳۳۷/۲) (۹۴۳۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ابوالحسن کے درمیان دو واسطے ہیں، لہذا ایسے مجہول راوی کی روایت سے استدلال مقترض جیسا مجہول ہی کر سکتا ہے۔

دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی سند میں ابوسعید البقال سعید بن مرزبان منکر الحدیث راوی ہے۔ امام فلاس نے اسے ”متروک الحدیث“ امام ابن معین نے ”لَا يُكْتَبُ حَدِيثُهُ“ امام ابن عدی نے فرمایا کہ یہ من جملہ ضعیف راویوں سے ہے۔ امام بخاری اسے ”منکر الحدیث“ کہتے ہیں۔ امام نسائی نے ضعیف کہا۔ میزان الاعتدال: (۱۵۸/۴) اور میزان: (۶/۱) پر مرقوم ہے کہ امام بخاری جسے منکر الحدیث کہیں اس سے روایت لینا جائز نہیں۔ امام ابن حبان نے کثرت سے وہم کرنے والا اور فحش غلطیاں کرنے والا کہا۔ کتاب الضعفاء والمترکین لابن جوزی: (۳۲۶، ۳۲۵/۱) تیسری وجہ یہ ہے کہ ابوسعید البقال مدلس بھی ہے اور روایت بھی معنعن ہے اور اصول حدیث میں صراحت ہے کہ مدلس کی معنعن روایات حجت نہیں۔

مقرضین کی دسویں دلیل

سلسلی سے مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قاریوں کو بلا کر ایک کو حکم کیا کہ وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھائے۔ مسند اہل بیت، ص: (۳۰۲)، بیہقی: (۴۹۶/۲)۔

جواب: ① اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے، جسے امام ابن معین، امام نسائی، امام بخاری، امام ابن عدی، امام ابو حاتم، امام عقیلی، امام ذہبی، امام ابن حبان، امام ابوزر عہ رازی

تراویح کا مفہوم

نے ضعیف قرار دیا ہے۔ الضعفاء الكبير للعقيلي: (۲۱۲/۱)، میزان: (۵۹۶/۱)، کتاب الضعفاء والمتروکین لابن جوزي: (۲۳۳/۱) الجرح والتعديل: (۱۴۲/۳) علامہ نیوی رٹش نے بھی اسے ضعیف کہا۔ التعلیق: (۳۹۹)۔

② اس کے استاد عطاء بن السائب کا آخر عمر میں حافظہ بگڑ گیا تھا۔ میزان: (۷۰/۳)، تہذیب: (۱۳۱/۴)، الکواکب النیرات ص: (۶۳)، نہایۃ الاغیاط: (۲۴۷)۔

اور امام طحاوی رٹش نے کہا، شعبہ، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید کی روایت اس سے حافظے کی خرابی سے قبل ہے، باقی سب کی بعد میں، لہذا حماد بن شعیب کی روایت اس کے حافظہ بگڑنے کے بعد کی ہے، لہذا قابل حجت نہیں اور یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

معتبرین کی گیارہویں دلیل

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی شہیر بن شہل میں رکعات پڑھاتے تھے۔ سنن کبریٰ: (۳۹۶/۲)، ابن ابی شیبہ: (۳۹۳/۲)۔

جواب: اس روایت میں تین کمزوریاں ہیں: ① سفیان ثوری مدلس ہیں۔ مجموعہ رسائل اوکاڑوی: (۳۳۱/۳)۔ خزائن السنن مولوی سرفراز صفدر: (۷۷/۲)، التعلیق الحسن نیوی: (۱۹۳)، توضیح السنن شرح آثار السنن: (۶۱۵/۱)، آئینہ تسکین الصدور: (۹۳)۔ اور یہ عن سے بیان کرتے ہیں اور مدلس کی معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے۔

② ان کے استاد ابواسحاق بھی مدلس ہیں۔ طبقات المدلسین: (۴۲) اور انھیں اختلاط بھی ہو گیا تھا۔ نہایۃ الاغیاط: (۲۷۳) اور یہ روایت بھی معنعن ہے۔

③ عبد اللہ بن قیس مجہول راوی ہے۔ میزان: (۴۷۳/۲)، تہذیب: (۲۳۵/۳)، تقریب: (۱۸۵)۔ علامہ نیوی رٹش لکھتے ہیں:

”عَبْدُ اللَّهِ بْنُ قَيْسٍ لَا يَدْرِي مَنْ هُوَ تَفَرَّدَ عَنْهُ أَبُو إِسْحَاقَ“

”عبد اللہ بن قیس مجہول آدمی ہے اس کا پتا نہیں یہ کون ہے اور اس سے روایت کرنے

میں ابواسحاق منفرد ہے۔“ اتعلیق الحسن: (۴۰۰) لہذا یہ روایت ان تین علل کی بنا پر ضعیف ٹھہری۔

معترضین کی بارہویں دلیل

ابوالخثری رمضان میں ۲۰ رکعات پڑھاتے تھے۔ ابن ابی شیبہ: (۳۹۳/۲)۔
جواب: اس کی سند میں خلف راوی مجہول ہے۔ علامہ نیوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”فِيهِ خَلْفٌ لَا أَعْرِفُ مَنْ هُوَ“

”اس میں خلف راوی ہے جسے میں نہیں جانتا کون ہے۔“ اتعلیق الحسن: (۴۰۰)
قارئین کرام! اعتراض کرنے والے کی یہ بارہ دلیلیں تھیں جن کی وضاحت ہم نے کر دی ہے کہ ان میں سے ایک بھی قابلِ حجت نہیں اور احتاف کے پاس ایک بھی ایسی صحیح حدیث موجود نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ یا کسی خلیفہ راشد کا بیس (۲۰) رکعات پر عمل یا حکم ثابت ہو۔
اس کے بعد اعتراض کرنے والے نے اہل مدینہ، اہل مکہ، اہل کوفہ، اہل بغداد، اولیائے کرام اور ائمہ اربعہ کا عمل پیش کیا ہے جس میں تلخیص اور علمی خیانت سے کام لیا ہے۔

معترضین کی چھٹی خیانت

اہل مدینہ کا عمل نقل کرتے ہوئے معترض لکھتے ہیں کہ داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں عمر بن عبد العزیز اور ابان بن عثمان کے زمانہ میں بیس (۲۰) رکعات تراویح سولہ نقل، یعنی چھتیس (۳۶) رکعات اور تین (۳) وتر پڑھتے دیکھا۔ [ابن ابی شیبہ: ۳۹۳/۲]
ابن ابی شیبہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

”أَدْرَكْتُ النَّاسَ بِالْمَدِينَةِ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ يُصَلُّونَ سِتَّةً وَ ثَلَاثِينَ رَكْعَةً وَ يُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ“

”میں نے مدینہ میں لوگوں کو عمر بن عبد العزیز اور ابان بن عثمان کے دور میں چھتیس رکعات اور تین وتر پڑھتے پایا۔“

تراویح کا مفہوم

معتزین نے یہاں پر ہاتھ کی صفائی سے چھتیس (۳۶) رکعات میں سے بیس (۲۰) کو تراویح اور سولہ (۱۶) کو نفل بنا دیا ہے۔ حالانکہ اس روایت میں کسی بھی لفظ کا یہ معنی نہیں، چونکہ $۳۶ + ۳ = ۳۹$ رکعات معتزین کے مذہب کے خلاف ہیں، یہ بیس (۲۰) سے زائد نہیں پڑھتے تو اہل مدینہ کے عمل کو اپنے مطابق بنانے کے لیے یہ تحریف معنوی کر ڈالی۔ اور امام ترمذی کے قول کے تحت خود ہی اعتراض کرنے والے نے اہل مدینہ کے نزدیک اکتالیس (۴۱) رکعات تسلیم کر لیں۔

دوسری بات، احناف کے نزدیک مسائل کے استنباط کے لیے اولہ اربعہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ کسی شہر کا عمل حجت نہیں، اگر اہل مدینہ یا مکہ وغیرہ کا عمل حجت ہے تو سابقہ اصولوں کو منسوخ کر کے اولہ اربعہ کے بجائے اولہ خمسہ بنا لیں۔

تیسری بات اگر اہل مدینہ و مکہ کے لوگوں کا عمل حجت ہے تو وہاں پر رفع الیدین، آمین بالجہر، فاتحہ خلف الامام اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا عمل موجود ہے، آخر اس سے نفرت کیوں؟ اور اہل مدینہ و مکہ کا عمل یہاں حجت کیوں نہیں رہتا؟!

چوتھی بات، امام محمد جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انھوں نے مدینہ والوں کے خلاف چار جلدوں میں ایک کتاب بنام ”کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ“ کیوں لکھی اور عمل اہل مدینہ کا رد کیوں کیا؟!

شبہ: ائمہ اربعہ بھی بیس تراویح کے قائل تھے۔

ازالہ: یہ بھی جھوٹ ہے۔ امام مالک سے دو قول مروی ہیں، ایک چھتیس (۳۶) رکعات کا جیسا کہ تمھاری کتاب المدومۃ الکبریٰ: (۱۹۳/۱-۱۹۴) میں ابن قاسم نے لکھا کہ وہ انتالیس (۳۹) سے کم نہیں کرتے تھے۔ اور دوسرا قول گیارہ (۱۱) رکعات کا اسے وہ اپنے لیے پسند کرتے تھے، جیسا کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری: (۳۵/۵) میں نقل کیا ہے۔ الامام الحافظ ابو محمد عبد الحق بن عبد الرحمن الاشہبلی الاندلسی المالکی اپنی معروف کتاب

”الصلاة والتجديد“ کے صفحہ (۲۸۷) پر رقم طراز ہیں:

”وَقَالَ أَشْهَبُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ مَالِكٍ الَّذِي أَخَذَ بِهِ لِنَفْسِي فِي قِيَامِ رَمَضَانَ هُوَ الَّذِي جَمَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَيْهِ النَّاسُ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَهِيَ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أُدْرِي مَنْ أَحَدَثَ هَذَا الرَّكُوعَ الْكَثِيرَ“

”اھب بن عبدالعزیز امام مالک رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ تراویح کے متعلق جو بات میں اپنے لیے اختیار کرتا ہوں وہ گیارہ (۱۱) رکعات ہے، جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور وہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے اور میں نہیں جانتا کہ کس نے (گیارہ سے) زیادہ نماز (تراویح) ایجاد کی ہے؟“

امام مالک کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ وہ گیارہ (۱۱) رکعات تراویح سنت سمجھتے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بھی یہی تھا، جسے انھوں نے اپنی موطا میں ذکر کیا اور ان کا اپنا عمل بھی اسی پر تھا۔

نیز امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ مروی نہیں جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا:

”قَالَ أَحْمَدُ رُوِيَ فِي هَذَا اللَّوْنِ وَلَمْ يَقْضِ فِيهِ بِشَيْءٍ“

[ترمذی، الصوم، باب ما جاء في قيام رمضان : ۸۰۶]

”اس بارے مختلف روایتیں ہیں انھوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔“

لہذا معترضین کا کہنا کہ ائمہ اربعہ بھی اس پر متفق تھے، جھوٹ اور علمی بددیانتی ہے جو کہ اہل علم کا شیوہ نہیں۔

شبہ: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اہل مدینہ کے نزدیک اکتالیس (۴۱) اور اکثر اہل علم کے نزدیک بیس (۲۰) رکعات ہیں اور یہی سیدنا علی اور سیدنا عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تراویح کا مفہوم

ازالہ: امام ترمذی رحمہ اللہ جیسے محدثین کی عبارات کو سمجھنے کے لیے بھی عقل و شعور سے

ہے، جس سے بعض مقلدین بالکل پیدل ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”مَا رَوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَ عُمَرَ وَ غَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَشْرِينَ رَكْعَةً“ [ترمذی، الصوم، باب ما جاء في قيام رمضان: ۸۰۶]

”سیدنا علی، عمر اور دیگر صحابہ سے بیس کی (تعداد) روایت کی گئی ہے۔“

امام ترمذی نے روئے مجہول کا صیغہ ذکر کر کے بتا دیا کہ یہ روایتیں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ

سکتیں، کیونکہ روئے صیغہ تملیض ہے جو کہ ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ تفصیل کے لیے اصول

حدیث کی کتاب تدریب الراوی: (۲۹۷/۱) وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔

شبہ: جن محدثین نے عدد تراویح میں مذاہب ذکر کیے ہیں وہ آٹھ رکعات کا مذہب کسی

کا ذکر نہیں کرتے۔

ازالہ: یہ بھی اعتراض کرنے والے کی کم علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے، اپنے ہی مذہب

کے محقق علامہ عینی کی عمدۃ القاری: (۳۵۷-۳۵۶) کا مطالعہ کریں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے

آٹھ مذاہب ذکر کیے اور آخری قول گیارہ (۱۱) رکعات کا ذکر کیا اور فرمایا:

”هُوَ اخْتِيَارُ مَالِكٍ لِنَفْسِهِ وَ اخْتَارَهُ أَبُو بَكْرٍ بْنُ الْعَرَبِيِّ“

”یہ مذہب امام مالک نے اپنے لیے اختیار کیا اور اسی طرح امام ابو بکر بن العربی نے

بھی۔“ ان کی عارضۃ الا حوزی شرح ترمذی: (۱۹/۴) ملاحظہ ہو۔

امام مالک کا مختار مذہب ہی صحیح ہے جو کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

حکم کے مطابق ہے، باقی مذاہب دلائل سے خالی ہیں اور جو دلیل کے لحاظ سے قوی مذہب

ہو اسے اختیار کرنا چاہیے۔

شبہ: غیر مقلدین کے نزدیک تراویح کا کوئی عدد معین نہیں۔

ازالہ: ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے گیارہ (۱۱) رکعات کا ثبوت

ہے، جس کے دلائل اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ جتنے بھی ہمارے علماء کے معترضین نے

حوالے دیے، ان کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنے قول سے عدد معین نہیں کیا تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور قول کی صراحت بھی معترضین کے اشتہار میں موجود ہے، اس لیے یہ کج فہمی اور بے شعوری کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں یہی بات مولوی غلیل احمد سہارنپوری نے حاشیہ بخاری (۲۶۹/۱) پر ملا علی قاری کی مرقاۃ کے حوالے سے لکھی ہے۔

شبہ: غیر مقلدین کا آٹھ رکعت تراویح سے انکار۔ دستور المقتی: (۱۴۰)

ازالہ: یہ بھی معترضین کا جھوٹ ہے، ہمیں دستور المقتی کی وہ عبارت لکھ کر بھیج دیں جس میں آٹھ کا انکار ہو۔ رہا دستور المقتی سے یہ مطلب کشید کرنا تو یہ سراسر بددیانتی اور کم علمی ہے، کیونکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے وتر و تہجد کی مختلف کیفیات ذکر کی ہیں جو مختلف حالات میں آپ نے اپنائی تھیں اور یہ کیفیات اپنی جگہ پر درست ہیں ان سے انکار نہیں۔

دوسری بات اگر وتر کی مختلف تعداد کی بنا پر آٹھ کا انکار لازم آتا ہے تو تمھارے متقدمین علماء نے آٹھ کو سنت رسول ذکر کیا اور تم موجودہ بیس (۲۰) کو سنت رسول قرار دیتے ہو، اس اختلاف کی بنا پر پھر یہی ظاہر ہوا کہ تمھارے ہاں بھی بیس عدد مسنون تراویح کا تعین نہیں۔ فما ہو جو ابکم فہو جو ابنا۔

شبہ: شیعہ کی طرح غیر مقلدین نے نماز تراویح سے انکار کر دیا۔

ازالہ: اگر تہجد و تراویح کو ایک نماز سمجھنے سے تراویح کا انکار اور شیعہ کی موافقت ہے تو یہ فتویٰ شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کاشمیری اور مولانا عبدالحی لکھنوی پر لگنا چاہیے جنھوں نے اس میں فرق کو غلط قرار دیا۔ لہذا جو فتویٰ ہمارے اوپر عائد کرتے ہو اسے ان مذکورہ بزرگوں پر بھی چسپاں کر دو۔

شبہ: غیر مقلدین کے نزدیک وتر ایک، تین، پانچ اور اس سے زیادہ بھی ہیں۔

ازالہ: یہ تعداد حدیث رسول سے ثابت ہے، اس لیے ہمارا نبی ﷺ کی سنت مبارک پر عمل اور تمھارا اس سے فرار ہے۔ ملاحظہ ہو کتب احادیث۔

شبہ: امام ہاتھ میں قرآن پڑھ کر نماز تراویح پڑھا سکتا ہے۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۶/۳۵۸)۔

تراویح کا مفہوم

ازالہ: یہ مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام انھیں مصحف دیکھ کر جماعت کراتا تھا۔ ملاحظہ ہو قیام اللیل للمروزی: (۱۶۸) ہمارے نزدیک تو تراویح میں یہ عمل جائز ہے جبکہ اپنے گھر کی خبر لیں۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اپنی کتاب الاشباہ والنظائر: (۴۱۸) پر لکھتے ہیں:

”وَلَوْ نَظَرَ الْمُصَلِّي إِلَى الْمُصْحَفِ وَقَرَأَ مِنْهُ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ لَا إِلَى فَرْجِ امْرَأَةٍ بِشَهْوَةٍ“

”اگر نمازی قرآن دیکھ کر تلاوت کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر نماز میں عورت کی شرم گاہ بنظر شہوت دیکھے تو نماز فاسد نہیں۔“

شبہ: امام بیٹھ کر قرآن پڑھے اور مقتدی بھی بیٹھ کر سنیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (دستور المقتی)
ازالہ: یہ مسئلہ تو دستور المقتی میں صحیح مسلم کی حدیث کے حوالے سے ہے، اگر آپ میں جرأت ہے تو اس حدیث پر نقد کریں، دوسری بات کہ یہی مسئلہ آپ کی فقہ میں بھی موجود ہے۔ علامہ ابوبکر الحداد السبکی قدوری کی شرح الجوہرۃ النيرة (۱۱۹/۱) پر لکھتے ہیں:

”وَلَوْ صَلَّى الْإِمَامُ التَّرَاوِيحَ قَاعِدًا لَغَيْرِ عُدْرٍ فَاقْتَدَى بِهِ قَوْمٌ قِيَامًا قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوزُ عَلَى أَصْلِهِ أَنْ اقْتِدَاءَ الْقَائِمِ بِالْقَاعِدِ لَا يَجُوزُ وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ وَقِيلَ يَجُوزُ عِنْدَ الْكُلِّ وَهُوَ الصَّحِيحُ كَذَا فِي الْفَتَاوَى“

”اگر امام بغیر عذر کے تراویح بیٹھ کر پڑھائے اور مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں تو امام محمد کے نزدیک اصلاً جائز نہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ سب کے نزدیک جائز ہے اور یہی بات صحیح ہے جیسا کہ فتاویٰ میں موجود ہے۔“

اسی طرح آگے لکھا ہے کہ جب مقتدی کھڑا ہو اور امام بیٹھا ہو تو اقتدا صحیح ہے، لیکن افضل صورت یہ ہے کہ مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھ لیں تاکہ امام کی مخالفت لازم نہ آئے۔
شبہ: غیر مقلدین کے نزدیک تراویح مسجد میں پڑھنا افضل نہیں، لہذا یہ مسجدیں ہمارے

مقالہ رمانیہ

حوالے کر دو اور خود گھر میں جا کر پڑھیں۔

ازالہ: فقہ حنفی کی کتاب الجوہرۃ النیرہ (۱۱/۱) پر لکھا ہے:

”فَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَهَا فِي بَيْتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ“

”امام ابوحنیفہ کے نزدیک تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے۔“

یہی مذہب طحاوی حنفی نے اختیار کیا۔ (۲۳۳/۱) لہذا اگر تم واقعی امام ابوحنیفہ کے مقلد ہو تو اپنے امام کے فتویٰ کے مطابق تراویح گھروں میں پڑھو۔

هَذَا مَا عِنْدِي وَاللَّهِ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

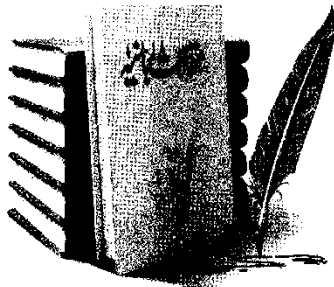


www.KitaboSunnat.com

قسطوں کا کاروبار

شریعت کی نظر میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ [البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹]



«لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْلَ الرِّبَا وَ مُؤْكَلَهُ
وَ كَاتِبَهُ وَ شَاهِدِيهِ وَقَالَ: «هُمْ سَوَاءٌ» [مسلم: ۱۵۹۸]

”رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے
اور اس کے دو گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: یہ (گناہ میں) برابر (کے
شریک) ہیں۔“

قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

حرام امور کی مذمت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَالِلِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ؟»

”لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو جو چیز بھی مل جائے، وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ نہ دیکھے گا کہ وہ حلال ہے یا حرام۔“ (یعنی حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جائے گی)

[بخاری، کتاب البیوع، باب من لم یبال من حیث کسب المال : ۲۰۵۹]

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتْنًا كَقَطْعِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَ يُمَسِّي كَافِرًا، أَوْ يُمَسِّي مُؤْمِنًا وَ يُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا»

”ان فتنوں کے پیش آنے سے پہلے (نیک) اعمال میں جلدی کرو جو تاریک رات کی ٹکڑیوں کی مانند ہوں گے (کہ اس وقت) آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا، یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہو جائے گا،

(اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ) وہ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے متاع کی خاطر بیچ ڈالے گا۔“

[مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی المبادرة بالأعمال قبل تظاهر الفتن : ۱۱۸]

نیز حرام کھانے والے کے لیے سخت وعید بھی بیان فرمائی :

« لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، النَّارُ أُولَىٰ بِهِ »

”وہ گوشت جس نے حرام سے پرورش پائی، جنت میں داخل نہیں ہوگا (اور جس گوشت نے حرام سے نشوونما پائی ہو) اس کے لیے جہنم کی آگ ہی اولیٰ ہے۔“

[مسند أحمد : ۳/۳۲۱، ح : ۱۴۴۵۴۔ وهو حديث حسن، الموسوعة الحديثية : (۳۳۲/۲۲)، وصححه ابن حبان، الموارد : (۱۵۶۹)، والحاكم : (۴۲۲/۴) ووافقه الذهبي]

[تنبيه : عبد الرحمن بن سابط کا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، دیکھیے الجرح والتعديل : (۲۴۰/۵ ت ۱۱۳۷) لہذا اس روایت کی سند حسن ہے]

اور دوسری روایت میں ہے کہ (حرام خور طویل سفر طے کرتا ہے اور) آسمان کی طرف اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے کہتا ہے: ”اے میرے رب! اے میرے رب! جب کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا پہننا حرام اور حرام ہی سے اس نے پرورش پائی تو پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو؟“ [مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقة من الکسب : ۱۰۱۵]

اس پر فتن دور میں حلال و حرام کا فرق اب ختم ہوتا چلا جا رہا ہے اور لوگ مختلف حیلوں اور طریقوں سے حرام خوری میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔

سود کی حرمت

حرام کاموں میں سب سے بڑا حرام کام سود ہے، جس نے عالمگیر شکل اختیار کر لی ہے اور یہ چیز بنکوں کی شکل میں امت مسلمہ پر مسلط ہو چکی ہے، حالانکہ سود کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے :

قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ٢٧٨﴾ [البقرة: ٢٧٨، ٢٧٩]

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور (اصل رقم کے علاوہ) وہ حصہ چھوڑ دو جو باقی بچ جائے سود سے، اگر تم واقعی مومن ہو۔ پس اگر (سود سے) باز نہ آؤ گے تو اللہ اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْلَ الرِّبَا وَ مُؤْكَلَهُ وَ كَاتِبَهُ وَ شَاهِدِيهِ وَقَالَ: «هُمْ سَوَاءٌ»

”رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے دو گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: یہ (گناہ میں) برابر (کے شریک)

ہیں۔“ [مسلم، کتاب المساقاة، باب لعن أكل الربا و مؤكله: ١٥٩٨]

نیز سیدنا عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سود کا ایک درہم جسے آدمی جان بوجھ کر کھائے چھتیس (مرتبہ) زنا (کرنے) سے زیادہ گناہ رکھتا ہے۔“

[مسند أحمد: (٢٢٥/٥)، ح: (٢٢٠١٦)، سنن دارقطنی، (١٦/٣)، ح:

١ (٢٨١٩]

[تنبیہ: اس کی سند حسن ہے۔ حافظ بزار کا یہ فرمانا: ”وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي مِلْجَكَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْظَلَةَ“ بلا دلیل ہے، لہذا اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔]

تجارت میں سود

تجارت میں قرض کی صورت میں بھی سود وصول کیا جاتا ہے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ آسان اقساط پر چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔ یہی اشیاء جب نقد خریدی جائیں تو ان

کی قیمت کم ہوتی ہے لیکن ادھار اور آسان اقساط کی صورت میں ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاحْلِلْ لِلَّهِ الْبَيْعَ وَحَرِّمِ الرِّبَا﴾ [البقرة: ۲۷۵]

”اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“

عصر حاضر میں قسطوں پر اشیاء خریدنے اور بیچنے والا کاروبار عروج پر ہے، لوگ آسان اقساط پر مختلف اشیاء مثلاً: نیکھے، واشنگ مشین، فریج، ٹیلی ویژن، موٹر سائیکل اور دوسری گاڑیوں کے ٹائر اور آلائے رم وغیرہ خریدتے ہیں اور ان چیزوں کی نقد اور ادھار قیمتوں میں کافی فرق ہوتا ہے، ایک چیز اگر نقد دس ہزار روپے میں ملتی ہے تو وہی چیز قسطوں کی صورت میں بارہ ہزار روپے کی ہے، اب یہ دو ہزار روپے جو اس کی قرض رقم کے ساتھ وصول کیے جا رہے ہیں ان کی حیثیت شرعی اعتبار سے کیا ہوگی، ظاہر ہے یہ کھلا سود ہے۔

اس مسئلہ کو یوں سمجھ لیں کہ کوئی آدمی کسی کمپنی یا دکان سے دس ہزار روپے اس شرط پر قرض لیتا ہے کہ وہ یہ قرض رقم دس ہزار کے بجائے بارہ ہزار روپے آسان قسطوں میں ادا کرے گا، ظاہر بات ہے کہ یہ سود ہے۔ اسی طرح دوسرا شخص دس ہزار روپے قرض لینے کے بجائے دس ہزار روپے کی کوئی چیز اس صورت میں خریدتا ہے کہ وہ اس چیز کے بارہ ہزار روپے آسان قسطوں میں بطور قرض ادا کرے گا، ظاہر بات ہے اس شخص کے ذمے تو دس ہزار روپے ہی واجب الادا تھے، لیکن قرض لینے کی وجہ سے اس کی اصل رقم میں دو ہزار روپے کا اضافہ کر دیا گیا ہے، لہذا یہ بھی سود ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«الرِّبَا فِي النَّسِئَةِ، وَفِي رَوَايَةٍ: قَالَ لَا رَبَا فِيمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»

[بخاری، البيوع، باب بيع الدينار بالدينار نساء: ۲۱۷۸، ۲۱۷۹۔ مسلم:

[۱۵۹۶]

”سود ادھار میں ہوتا ہے۔“ اور ایک روایت میں ہے: ”جو چیز نقد بیچی جائے اس میں سود نہیں ہے۔“

قسطوں کا دوبار شریعت کی نظر میں

قسطوں کی صورت میں جو ادھار کے بدلے قیمت زیادہ کی جاتی ہے اس کے ناجائز ہونے کی درج ذیل دلیلیں ہیں:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ»

[ترمذی، البیوع، باب ما جاء في النهي عن بيعتين في بيعة: ۱۲۳۱- نسائی :

۴۶۳۶- صحیح ابن حبان: ۹۷۳- المنتقى لابن جارود: ۶۰۰]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کی دو قیمتیں مقرر کرنے سے منع کیا ہے۔“

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

«مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا»

[أبو داود، کتاب البیوع، باب فیمن باع بیعتین فی بیعة: (۳۴۶۱) مستدرک

حاکم: (۴۵/۲)، اس حدیث کو امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے، اسی طرح امام

ابن حزم نے اٹھلی: (۱۶/۹) میں اور علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ

(۴۱۹/۵، ح: ۲۳۲۶) میں حسن قرار دیا ہے]

”جو شخص کسی چیز کی دو قیمتیں مقرر کرے گا وہ یا تو کم قیمت لے گا، یا پھر وہ سود ہوگا۔“

③ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَا تَحُلْ صَفْقَتَانِ فِي صَفْقَةٍ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَعَنَ أَكْلَ الرِّبَا وَمُؤْكَلَهُ وَشَاهِدِيَهُ وَكَاتِبَهُ»

[صحیح ابن حبان: (۵۰۲۵)، مسند أحمد: (۱/۳۹۳، ح: ۳۷۲۵)، المعجم

الأوسط للطبرانی: (۲/۳۶۴)]

”ایک عقد میں دو معاملے کرنا حلال نہیں ہے اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود

کھانے والے پر، کھلانے والے پر، اس کے گواہوں پر اور اس کے لکھنے والے پر

لعنت کی ہے۔“

④ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«صَفْقَتَانِ فِي صَفْقَةٍ رِبًا أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ إِنْ كَانَ بِنَقْدٍ فَبِكَذَا وَإِنْ

كَانَ بِنَسِيئَةٍ فَبِكَذَا»

[المصنف لابن أبي شيبة: (٣٠٧/٤، ح: ٢٠٤٥٤)، المصنف لعبد الرزاق: (١٣٧/٨، ح: ١٤٦٣٣)]

”ایک عقد میں دو معاملے کرنا سود ہے، (اس کا مطلب یہ ہے کہ) ایک شخص کہے کہ اگر تم نقد خریدو گے تو اتنے روپے میں اور اگر ادھار خریدو گے تو اتنے روپے میں۔“

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت سے واضح ہو گیا کہ کسی چیز کی نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت جدا جدا مقرر کرنا درست نہیں، بلکہ ادھار کی صورت میں زیادہ وصول کی گئی قیمت سود ہے۔

روایان حدیث اور محدثین و فقہاء نے ان احادیث کی یہ وضاحت کی ہے:

① امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ (يَعْنِي ابْنَ عَطَاءٍ) يَعْنِي يَقُولُ هُوَ لَكَ بِنَقْدٍ بَعَشْرَةَ وَ بِنَسِيئَةٍ بَعَشْرِينَ“

[السنن الكبرى للبيهقي: (٣٤٣/٥، تحت ح: ١٠٨٧٨)، السلسلة الصحيحة: (٤٢٠/٥)]

”عبد الوہاب بن عطاء فرماتے ہیں یعنی دکان دار یوں کہے کہ یہ چیز تیرے لیے نقد دس روپے میں اور ادھار بیس روپے میں ہے۔“

② امام ابن قتیبہ غریب الحدیث (۱۸/۱) میں فرماتے ہیں:

”وَمِنْ الْبُيُوعِ الْمَنْهِي عَنْهَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ وَهُوَ أَنْ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ السِّلْعَةَ إِلَى شَهْرَيْنِ بِدَيْنَارَيْنِ وَإِلَى ثَلَاثَةِ أَشْهُرٍ بِثَلَاثَةِ دَنَانِيرٍ وَهُوَ بِمَعْنَى بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ“ [السلسلة الصحيحة (٤٢٠/٥، ح: ٢٣٢٦)]

”اور منع کردہ خرید و فروخت میں سے (ایک یہ ہے کہ) ایک سودے میں دو شرطیں لگانا اور وہ یہ ہے کہ آدمی دو ماہ تک سودا فروخت کرے دو دیناروں میں اور تین ماہ

تسوں کا کارہا شریعت کی نظر میں

تک تین دیناروں میں اور یہ حدیث «بَيَّعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ» کا معنی ہے۔
 ② امام محمد بن نصر المروزی نے ”کتاب السنۃ“ رقم (۱۶۲)، طبع دوم (۲۰۱) میں ایک قول نقل کیا ہے:

”أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ إِنْ كَانَ يَنْقُذُ فَيْكَذَا وَكَذَا، وَإِنْ كَانَ إِلَى أَجَلٍ فَيْكَذَا وَكَذَا“

”آدی یوں کہے کہ اگر سودا نقد ہے تو قیمت اس اس طرح اور اگر ادھار ہے تو اس اس طرح ہے۔“

مذکورہ بالا قول مسند احمد: (۳۹۸/۱، ج: ۳۷۸۲) میں سماک بن حرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ سماک بن حرب معروف تابعی ہیں، جنہوں نے اسی (۸۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا ہے اور وہ اس حدیث کے راوی ہیں اور ان کی تفسیر و توضیح اس مقام پر دوسرے لوگوں سے مقدم ہے، اس لیے کہ راوی حدیث اپنی روایت کا مفہوم دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔
 ③ امام محمد بن نصر المروزی نے ”کتاب السنۃ“ رقم (۱۶۶)، طبع دوم (۲۰۵) میں اور امام عبد الرزاق نے المصنف (۱۳۷/۸، ج: ۱۳۶۲۹) میں صحیح سند کے ساتھ قاضی شریح سے حرف بہ حرف ان کا قول اوپر ذکر کردہ حدیث کے مطابق نقل کیا ہے۔

⑤ امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے ایوب نقل کرتے ہیں:
 ”أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَقُولَ: أَيْبَعُكَ بِعَشْرَةِ دَنَانِيرٍ نَقْدًا أَوْ بِخُمْسَةِ عَشْرٍ إِلَى أَجَلٍ“ [المصنف لعبد الرزاق: (۱۳۶/۸، ج: ۱۴۶۳۰)]
 ”وہ مکروہ سمجھتے تھے کہ کسی کو یوں کہیں کہ میں تمہیں (یہ چیز) نقد دس دینار میں اور ادھار پندرہ دینار میں فروخت کروں گا۔“

⑥ امام طاووس کہتے ہیں:
 ”إِذَا قَالَ هُوَ بِكَذَا وَكَذَا إِلَى كَذَا وَكَذَا، وَبِكَذَا وَكَذَا إِلَى كَذَا وَكَذَا فَوْقَ الْبَيْعِ عَلَى هَذَا فَهُوَ بِأَقْلَى الثَّمَنِ إِلَى أَبْعَدِ الْأَجَلَيْنِ“

[المصنف لعبد الرزاق : (۱۳۶/۸، ح : ۱۴۶۳۱)]

”جب آدمی یوں کہے کہ فلاں چیز اتنی اتنی رقم کے ساتھ فلاں فلاں مدت تک اور اتنی اتنی رقم کے ساتھ فلاں فلاں مدت تک، تو بیع واقع ہو جائے گی اور اس کے لیے دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہوگی اور دو مدتوں میں سے دور کی مدت ہوگی۔“

⑥ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بھی یہی بات منقول ہے۔ [عبد الرزاق : (۱۴۶۳۲)]

⑧ امام اوزاعی کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ [معالم السنن از خطابی : (۹۹/۵)]

⑨ امام نسائی رحمہ اللہ نے باب ”بَيِّعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ“ کی وضاحت میں لکھا ہے :
”وَهُوَ أَنْ يَقُولَ أَيْبُكَ هَذِهِ السِّلْعَةُ بِمِئَةِ دِرْهَمٍ نَقْدًا أَوْ بِمِئَتِي دِرْهَمٍ نَسِيئَةً“ [نسائی، البيوع، باب : (۷۳)]

”میں تمہیں یہ سودا نقد سو (۱۰۰) درہم میں اور ادھار دو سو (۲۰۰) درہم میں فروخت کرتا ہوں۔“

⑩ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (۳۴۷/۱۱، ح : ۴۹۷۳) میں فرمایا ہے :
”ذَكَرَ الزَّحَرِيُّ عَنْ بَيْعِ الشَّيْءِ بِمِئَةِ دِينَارٍ نَسِيئَةً وَبِتِسْعِينَ دِينَارًا نَقْدًا“
”کسی چیز کو ادھار سو (۱۰۰) دینار میں اور نقد نوے (۹۰) دینار میں بیچنے پر زہرو تو بیع کا بیان۔“

⑪ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”أَنْ يَقُولَ بِعْتُكَ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً وَبِأَلْفٍ نَقْدًا فَأَيُّهُمَا شِئْتُ أَخَذْتُ بِهِ وَهَذَا بَيْعٌ فَاسِدٌ وَعِلَّةُ النَّهْيِ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ وَلِزَوْمِ الرِّبَا عِنْدَ مَنْ يَمْنَعُ بَيْعَ الشَّيْءِ بِأَكْثَرِ مِنْ سَعْرِ يَوْمِهِ لِأَجْلِ النَّسِيئَةِ“

[سبل السلام، کتاب البيوع، باب شروطہ ونہی عنہ]

”آدمی یوں کہے کہ میں تجھے یہ چیز دو ہزار میں ادھار بیچتا ہوں اور نقد ایک ہزار میں، تمہیں جس طرح پسند ہو لے لو، یہ بیع فاسد ہے..... اور اس سے منع کی علت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت مقرر نہیں کی گئی اور پھر اس میں سود ہے اس شخص کے

قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

ہاں جو ادھار کی وجہ سے اس دن کے بھاؤ سے زیادہ قیمت لیتا ہے۔“

⑫ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا يَبْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ أَيْبَعُكَ هَذَا الثَّوبَ بِثَمَنٍ بَعَشْرَةَ وَبَنَسِيئَةٍ بَعَشْرِينَ“

[ترمذی، البیوع، بعد الحدیث: ۱۲۳۱]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے اور اس حدیث کی تفسیر میں بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ایک چیز میں دو بیعوں کا معنی یہ ہے کہ وہ کہے میں تجھے یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا بیچوں گا۔“

⑬ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَقَوْلُهُ وَلَا شَرْطَانَ فِي بَيْعٍ، فَهُوَ أَنْ يَقُولَ بِعْتُكَ هَذَا الْعَبْدَ بِأَلْفٍ نَقْدًا أَوْ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، فَمَعْنَاهُ مَعْنَى الْبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ“

[شرح السنة: ۱۴۵/۸، ح: ۲۱۱۲]

”نبی ﷺ کا فرمان: ”ایک سودے میں دو شرطیں جائز نہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یوں کہے کہ میں تجھے یہ غلام نقد ایک ہزار میں اور ادھار دو ہزار میں فروخت کرتا ہوں۔ اس کا معنی ”بِیْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ“ کا معنی ہے۔“

مذکورہ بالا ائمہ محدثین کی توضیحات سے واضح ہو گیا کہ نقد اور ادھار کے فرق پر بیع کرنا درست نہیں اور ادھار کی وجہ سے جو قیمت زائد لگائی جاتی ہے وہ سود کے زمرے میں آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان: «فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا» کے مطابق واضح سود ہے اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

شبہات کا ازالہ

شبہ: جو علماء قسطوں والی مروج بیع کو جائز کہتے ہیں انھوں نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی

ہے کہ اس میں ممانعت کا سبب اور علت قیمت کا مجہول ہونا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب بائع کہتا ہے کہ یہ چیز نقد سو (۱۰۰) روپے میں اور ادھار ایک سو پچاس (۱۵۰) روپے میں اور خریدار کہے کہ مجھے منظور ہے اور یہ طے نہ ہو کہ ۱۰۰ روپے ادا کرنے ہیں یا ۱۵۰ روپے لہذا جب طے ہو گیا تو قیمت مجہول نہ رہی اور خریدار نے واضح کر دیا کہ وہ نقد لے گا یا ادھار ازالہ: اس قول کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں، ایک یہ کہ اس جگہ بیع میں جہالت کا ہونا مضر نہیں ہے، کیونکہ خریدار اور بائع دونوں باختیار ہیں اور وہ دونوں ہی اگر دو قیمتوں میں سے ایک قیمت کا تعین کیے بغیر جدا ہو جائیں اور بائع خریدار کو بعد میں طے اور خریدار اسے کہہ دے کہ مجھے ادھار منظور ہے، یا نقد منظور ہے اور وہ نقد پیسے اسے دے دے تو اس صورت میں کوئی ایسی جہالت نہیں پائی جاتی جو بیع کی صحت کے لیے مضر ہو۔

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ہر جہالت بیع کی صحت کے لیے مضر نہیں ہوتی۔ اسی لیے نو اناج کے ڈھیر کی بیع جائز ہے اور اخروٹ، بادام اور تربوز وغیرہ کی چھلکے کے اندر ہی بیع درست ہے، حالانکہ ان سب میں جہالت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ جہالت غیر مضر ہے اور ادھار والی بیع میں ممانعت کی علت میں جو جہالت ذکر کی جاتی ہے وہ بھی غیر مضر ہے اور اگر اس کا مضر ہونا مان بھی لیا جائے تو پھر بھی ممانعت کی علت ہونا نہیں ہوگا، کیونکہ حقیقت میں اہل جہالت کی وجہ سے یہ ممانعت قطعاً نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ اگر یہ ممانعت قیمت کی جہالت کی وجہ سے ہوتی تو فرمان نبوی: ﴿لَا بَیْعَ اَوْ كَسْبُهُمَا اَوْ الرِّبَا﴾ ”اس بیچنے والے کے لیے کم مقدار والی قیمت ہے، یا پھر سود ہے“ کا اس کیا فائدہ اور کیا موقع محل رہتا ہے؟ اور یہ بات بلا شک و شبہ ہے کہ اس بیع سے ممانعت کی اصل وجہ رقم کی وہ زیادتی ہے جو دکان دار یا بائع ادھار کی وجہ سے وصول کرتا ہے۔

اس حدیث کی رو سے تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں، دکان دار یا تو کم مقدار والی قیمت کے ساتھ اپنی چیز بیچے گا اور وہ نقد کی قیمت ہے، یا پھر ادھار کی وجہ سے سودی اضافہ وصول کرے گا جس کی اس نے ادھار کی صورت میں شرط لگائی ہوئی تھی۔

قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

دوسرا شبہ: بعض اہل علم نے کہا ہے کہ «بِيعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ» کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کوئی چیز ایک مدت تک ادھار دیتا ہے، پھر اسی خریدار سے خود کم قیمت پر نقد خرید لیتا ہے، جسے بیع العینہ کہا جاتا ہے اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعَيْنَةِ وَ أَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَ رَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَ تَرَكَتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ»
[أبو داؤد، البيوع، باب في النهي عن العينة: (٣٤٦٢)، مسند أحمد: (٢٨/٢، ح: ٤٨٢٥)]

”جب تم بیع عینہ کرنے لگ جاؤ گے، گائے بیل کی دموں کو پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی کو پسند کر لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تمہارے اوپر ایسی ذلت مسلط کرے گا جو تم سے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہیں آؤ گے۔“

ازالہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ بیع عینہ بھی باطل ہے، اس لیے کہ یہ سود کا ذریعہ ہے اور اس کی حرمت پر بہت سارے آثار صحابہ دلالت کرتے ہیں اور حدیث نبوی: «نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ» کے عموم میں یہ بھی داخل ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان: «مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَمُهَا أَوْ الرِّبَا» ”جس نے ایک بیع میں دو بیعیں کیں تو اس کے لیے ان دونوں میں سے یا کم مقدار والی قیمت ہے، یا پھر سود ہے۔“ یہ فرمان اس بیع عینہ پر منطبق نہیں ہوتا اور نہ یہ بیع اس حدیث کا مصداق ہے۔ اس لیے کہ بائع یا دکان دار جب کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور پھر خود ہی اسے کم قیمت پر خرید لیتا ہے اس صورت میں: ”فَلَهُ أَوْ كَسَمُهَا أَوْ الرِّبَا“ کا کوئی معنی نہیں رہتا۔

جو لوگ قسطوں والی مروجہ بیع کو جائز قرار دیتے ہیں انہوں نے اس کے لیے مختلف دلائل کا سہارا لیا ہے:

مقالاتِ ربانیہ

پہلی دلیل: ان کا کہنا ہے کہ اشیاء اور معاملات میں اصل اباحت ہے، کسی بھی شے کے حرام ہونے کی دلیل چاہیے اور قسطوں والی بیع معاملات میں سے ایک معاملہ ہے، لہذا یہ مہل ہے اور اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

ازالہ: یہ بات تو درست ہے کہ اشیاء و معاملات میں اصل اباحت ہے، الا یہ کہ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل مل جائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس معاملے کے حرام ہونے کی کوئی دلیل ہے؟ تو یاد رہے کہ اس کے حرام ہونے کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: «مَنْ بَاعَ يَبْعَتَيْنِ فِيْ يَبْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوْ الرِّبَا» جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے اور اس طرح کچھ آثار صحابہ بھی جو بیان ہو چکے ہیں، لہذا یہ کہا درست نہیں کہ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

دوسرا یہ کہ سد الذرائع بھی اس اباحتِ اصلیہ کے خلاف دلیل ہے، یعنی ناجائز کاموں کی طرف لے جانے والے ذرائع اور وسائل کو روکنا..... یہ ایک شرعی قاعدہ ہے، عوام الناس کو ایسے فتاویٰ جات دے کر انھیں سودی کاموں پر دلیر کرنا ہے اور سودی معاملات کی راہ ہموار کرنا ہے، جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل: قسطوں والی بیع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت جائز ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾ [البقرة: ۲۷۵]

”اللہ تعالیٰ نے بیع حلال کی ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا

تِجَارَةً عَنْ تَرَافُؤٍ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ۲۹]

”اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، الا یہ کہ تمہاری

باہمی رضا مندی سے تجارت ہو۔“

تو قسطوں والی بیع بھی باہمی رضا مندی سے ہے۔

قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

تجزیہ: وہ بیوع اور تجارت جو شرعاً جائز نہیں وہ ان آیات کے عمومی حکم میں داخل نہیں ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ شراب، خنزیر اور گندم کی گندم کے بدلے کی بیشی سے اور ایک جانب سے نقد اور دوسری جانب سے ادھار اور نقدی بہ نقدی ایک طرف سے زائد وغیرہ جو بیوع کی قسمیں ہیں وہ جائز قرار پائیں، کیونکہ یہ بھی تو بیوع ہی ہیں، حالانکہ ان بیوع کے جواز کے یہ لوگ بھی قائل نہیں ہیں، کیونکہ یہ شرعاً حرام ہیں۔ اسی طرح قسطوں کی صورت میں ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنا بھی حلال نہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہے۔

تیسری دلیل: عقلی قیاس مروجہ قسطوں والے کاروبار کے حلال ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے کہ تاجر کو پورا اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز کی جتنی چاہے قیمت مقرر کر لے۔ کبھی وہ کسی خریدار کو ایک چیز تھوڑی قیمت میں دے دیتا ہے اور وہی چیز دوسرے خریدار کو زیادہ قیمت میں فروخت کر دیتا ہے۔ جب اس کے لیے یہ جائز ہے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ جو خریدار اسے قیمت ایک مدت بعد ادا کرتا ہے وہ اس سے زیادہ قیمت وصول کرے اور جو اسے نقد دیتا ہے وہ اس سے کم قیمت وصول کر لے۔

تجزیہ: جو لوگ اس قیاس کو عقلی کہہ کر جائز قرار دیتے ہیں یہ ایسے لوگوں کی عقل کے اعتبار سے تو جائز ہے جن کی عقل شریعت کی پابند نہیں ہے، بلکہ شرع پر حاکم بنی بیٹھی ہے، لیکن جن کی عقل شریعت کی پابند ہے ان کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ وہ نص کے مقابلے میں عقل سے کام نہیں لیتے۔ یہاں تو نص موجود ہے جس کا پیچھے تذکرہ ہو چکا ہے۔

ہاں تاجر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس قیمت کے ساتھ ادھار فروخت کرے جس کے ساتھ وہ اب نقد بیچنا چاہتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کی غربت یا دوستی کی وجہ سے وہ اسے کم قیمت پر بیچ دیتا ہے اور کبھی اسے روزانہ کا گاہک سمجھ کر کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے گاہکوں سے زیادہ قیمت وصول کر لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس بیع میں قیمت کی زیادتی اور اضافہ ادھار کی وجہ سے نہیں ہے۔

کیونکہ جس بیع میں قیمت کی زیادتی صرف ادھار کی وجہ سے ہو وہ منع اور حرام ہے۔ اس طرح کی بیع کی حقیقت یہ بن جاتی ہے کہ اس دکان دار یا بائع نے اس گاہک کے ساتھ قرض کا لین دین کیا ہے اور اس قرض میں زیادتی اور اضافہ کر لیا ہے، کیونکہ اسے اس پر کچھ صبر بھی کرنا پڑے گا۔ چنانچہ تاجر جب خریدار سے یہ کہے گا کہ یہ سامان ہے، اگر تو اس کی قیمت اب ادا کرتا ہے تو میں تجھے ایک ہزار کا فروخت کرتا ہوں، لیکن اگر تو مجھے اس کی قیمت ایک سال بعد ادا کرے گا تو میں تجھ سے ڈیڑھ ہزار روپے لوں گا، تو پھر اس بیع کی حقیقت یہ بنتی ہے کہ دراصل گاہک نے تاجر سے یہ سامان ابھی ایک ہزار کے بدلے خرید لیا ہے اور اپنے قبضے میں کر لیا ہے، چونکہ اب وقتی طور پر اس کے پاس ایک ہزار موجود نہیں ہے، اب یہ ہزار اس کے ذمہ قرض ہے جو اس نے سال بعد ادا کرنا ہے اور تاجر نے اسے زبان حال سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں تجھے اس شرط پر ایک سال کی مہلت دیتا ہوں کہ تو مجھے پانچ سو روپے زائد دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے یہ شخص خریدار کے ساتھ بیع کا معاملہ کرنے والا تاجر تھا، اب تاجر سے منتقل ہو کر ہزار کے بدلے پندرہ سو وصول کر کے سودی معاملہ کرنے والا بن گیا ہے اور یہی تو بعینہ سود ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کا یہ قیاس باطل ہے۔ اور صحیح عقلی قیاس یہ ہے کہ ادھار کی شکل میں نقد کی قیمت سے زیادہ وصول کرنا ہی زیادتی اور اضافہ ہے، جو سودی لین دین والا کرتا ہے، جو اس کے رأس المال سے زائد ہوتا ہے۔ چوتھی دلیل: نقد سے زیادہ قیمت کے ساتھ ادھار کی یہ بیع، بیع سلم ہی ہے، کیونکہ بیع سلم میں قیمت پہلے دی جاتی ہے اور سامان بعد میں وصول کیا جاتا ہے اور ادھار کی بیع میں سامان پہلے دیا جاتا ہے اور رقم بعد میں وصول کی جاتی ہے، لہذا یہ جائز ہے۔

تجزیہ: یہ قول بھی فاسد ہے اور قیاس باطل ہے، اس کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ بیع سلم یا بیع سلف کے مباح ہونے کی واضح دلیل موجود ہے اور اس ادھار والی بیع کی حرمت کی بھی واضح دلیل موجود ہے۔ تو جسے شرع نے حرام کیا ہو وہ اس طرح کیسے ہو سکتی ہے جسے شرع نے حلال کیا ہو۔ جس چیز کی حلت پر نص شرعی موجود ہو

فتوں کا کاواہد شریعت کی نظر میں

اس پر اسے کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے جس کی حرمت پر نص موجود ہو۔ ادھار والی اس مروجہ بیع کی حرمت پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: «مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا» موجود ہے۔ اور علماء، فقہاء و محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس کا مطلب نقد اور ادھار میں قیمت کے فرق کے ساتھ بیع بیان کیا ہے، جو پیچھے گزر چکا ہے اور بیع سلم کی حلت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اس وقت مدینہ والے سال، دو سال تک بیع سلم کیا کرتے تھے، یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا:

«مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَفِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَ وَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ

مَعْلُومٍ» [بخاری، السلم، باب السلم في وزن معلوم: ۲۲۴۰]

”جو شخص بھی بیع سلم کرے تو وہ ایک معین مدت تک معین ماپ اور معین وزن ہی میں کر سکتا ہے۔“

لہذا جو چیز نص اور دلیل سے حرام ہو اسے ایسی چیز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو نص اور دلیل سے حلال ہو، کیونکہ نص کی موجودگی میں قیاس باطل ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ بیع سلم بیع کے عام قاعدے سے مستثنیٰ اور مخصوص ہے اور جو چیز خود کسی عام قاعدے سے مخصوص ہو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا اور بیع میں عام قاعدہ یہی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شے کی بیع درست نہیں ہے اور بیع سلم کو اس قاعدے سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو [الوجیز فی اصول الفقہ: (ص: ۵۲) از عبدالکریم زیدان] جب اصل (مقیس علیہ) کسی عام قاعدے سے مستثنیٰ ہو تو اس پر کسی چیز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (الوجیز، ص: ۱۹۹)

بیع سلم پر اس بیع اجل (ادھار کی بیع) کو اس لیے بھی قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ بیع الاجل میں جو زیادہ قیمت لی جاتی ہے وہ صرف ادھار کی وجہ سے ہے جو عین سود ہے، جب کہ بیع سلم میں مدت اور ادھار کی وجہ سے پھلوں کی اصل قیمت

سے زائد کچھ بھی وصول نہیں کیا جاتا۔ لہذا دونوں میں فرق واضح ہے اور معترضین کا قیاس، قیاس مع الفارق ہے جو کہ باطل ہے۔

پانچویں دلیل: قسطوں والی مروجہ بیع کو جائز کہنے والوں نے آیت مداینہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ لَّعَنِي فَاكْتُبُوهُ﴾

[البقرة: ۲۸۲]

”اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے قرض کا معاملہ مقرر و معین مدت تک کرو تو اسے لکھ لو۔“

ان کا کہنا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقرر و معین مدت تک قرض کا معاملہ کیا جاسکتا ہے اور قسطوں والی بیع بھی مقرر مدت تک قرض کا معاملہ ہے، لہذا یہ جائز ٹھہرا۔
تجزیہ: اس آیت کریمہ کا ادھار والی مروجہ بیع سے نہ قریب کا تعلق ہے اور نہ دور کا، اس میں صرف قرض لکھنے اور اس پر گواہ مقرر کرنے کا حکم ہے۔ اس میں یہ بات موجود نہیں کہ ادھار کے بدلے زیادہ قیمت وصول کر سکتے ہو، لہذا اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ کرنا محض سیدہ زوری ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

چھٹا شبہ: ان لوگوں کا چھٹا استدلال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود ادھار والی بیع کی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری (۲۰۶۸) میں ہے، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار اناج خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی۔

تجزیہ: یہ بات تو درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی، جیسا کہ صحیح بخاری، کتاب الرهن میں موجود ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس حدیث میں یا اس طرح کی کسی دوسری حدیث میں یہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی کو وقتی قیمت سے زیادہ قیمت دے کر ادھار سودا لیا ہو؟ جو اس بات کا مدعی ہے وہ دلیل پیش کرے، بصورت دیگر وہ رسول اللہ ﷺ کے ذمے ایسا کام

قسطوں کا کلاہار شریعت کی نظر میں

لگا رہا ہے جو آپ ﷺ نے نہیں کیا، آپ کا فعل آپ کے قول کے خلاف نہیں ہو سکتا۔
ساتویں دلیل: رسول اللہ ﷺ نے دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ ادھار خریدا، آپ ﷺ نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ صدقے کے اونٹوں میں سے اونٹوں کے بدلے اونٹ خرید لے، انھوں نے دو دو اور تین تین اونٹیوں کے بدلے ایک ایک اونٹ ادھار لیا، لہذا ادھار کے بدلے اضافہ ہو سکتا ہے۔

تجزیہ: یہ حدیث مسند احمد: (۱۷۱/۲، ۲۱۶، ح: ۶۵۹۳، ۷۰۲۵)، ابوداؤد: (۳۳۵۷) اور دارقطنی: (۶۹/۳، ح: ۳۰۳۳، ۳۰۳۴) وغیرہ میں موجود ہے اور مکمل حدیث اس طرح ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان اونٹوں پر سوار کر کے ایک لشکر روانہ کروں جو میرے پاس تھے، چنانچہ میں نے اپنے اونٹوں پر لشکر کو سوار کیا حتیٰ کہ اونٹ ختم ہو گئے اور لشکر کے کچھ مجاہدین بچ گئے، ان کے لیے کوئی سواری نہ تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ بعض لوگ بچ گئے ہیں، ان کے لیے کوئی سواری نہیں بچی تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں صدقہ کے اونٹوں کے بدلے لوگوں سے ادھار اونٹ خرید لوں، تاکہ لشکر تیار ہو جائے اور جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو ہم انھیں وہ اونٹیاں دے دیں گے جو طے کی ہیں، تاکہ تم اس لشکر کو تیار کر کے روانہ کر دو۔“
سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”میں لوگوں سے صدقہ کی دو دو، تین تین اونٹیوں کے بدلے ایک ایک اونٹ لینے لگا، اس شرط پر کہ جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو ہم آپ کا قرض واپس کر دیں گے، حتیٰ کہ وہ لشکر میں نے تیار کر کے روانہ کر دیا، جب صدقے کے اونٹ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں وہ اونٹیاں ادا کر دیں۔“

یاد رہے کہ یہ بیع حیوانوں کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ نص اور دلیل صرف حیوان کی بیع کے متعلق وارد ہوئی ہے، اس سے عام قاعدہ اور ضبط اخذ نہیں کیا جاسکتا، جس سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ بات کو ختم کیا جائے اور وہ یہی ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں میں ایک طرف سے زائد وصول کر کے بیع کرنا جائز نہیں۔ جو لوگ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس حدیث

سے ادھار کی وجہ سے ہر طرح کی زیادتی وصول کرنے پر جواز کا استدلال کرتے ہیں وہ غلط کر رہے ہیں، کیونکہ ان کا قیاس ایسی جگہ ہے جہاں قیاس کی گنجائش ہی نہیں، ورنہ تو ایک دینار کے بدلے میں دو دیناروں کی ادھار بیع جائز ٹھہرے گی۔ اسی طرح ایک من گندم کی بیع دومن گندم کے ساتھ ادھار بھی جائز ہوگی، حالانکہ اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ ایک اونٹ کی دو اونٹوں کے بدلے بیع میں یہ شرط نہیں ہے کہ یہ بیع دو اونٹوں کے ایک اونٹ سے افضل ہونے کی وجہ سے ہے، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک اکیلا اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری (قبل الحدیث: ۲۲۲۸) میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: «قَدْ يَكُونُ الْبَعِيرُ خَيْرًا مِنَ الْبُعَيْرَيْنِ» ”کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے۔“ بہر حال مذکورہ حدیث حیوان کی حیوان کے ساتھ ایک طرف سے زیادتی کی ادھار بیع کے ساتھ ہی خاص ہے، عام قاعدہ نہیں ہے، ورنہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیع کئی بیشی کے ساتھ جائز ٹھہرے گی جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

آٹھویں دلیل: زیادہ قیمت کے ساتھ ادھار فروخت کرنے میں عوام الناس کے لیے آسانی ہے اور شریعت کے بہت سارے امور کا مواد تیسیر اور آسانی پر ہے۔ غریب لوگ جو ضروریات زندگی کی اشیاء یکشت قیمت ادا کر کے نہیں خرید سکتے وہ قسطوں کی صورت میں آسانی سے خرید سکتے ہیں اور دکان دار کو چونکہ قسطوں کی صورت میں لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے، وہ اس کے بدلے میں زیادہ قیمت وصول کر کے فائدہ اٹھا لیتا ہے اور اس طرح تاجر اور خریدار دونوں کو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

تجزیہ: قسطوں کے کاروبار کو جواز فراہم کرنے کے لیے جو دلیل ذکر کی جا رہی ہے یہ دلیل وہ لوگ بھی دیتے ہیں، جو خالص سودی کاروبار کرتے ہیں، جو شخص سود پر کسی سے قرض لیتا ہے وہ بھی اس مال یا جائیداد کو خرچ کرنے یا سرمایہ کاری کی ضرورت میں فائدہ اٹھا رہا ہے، پھر جب اسے آسانی ہوتی ہے تو اس وقت وہ اصل سے کچھ زائد رقم دے کر جس سے قرض

مفتوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

لیا ہوتا ہے اسے فائدہ پہنچا دیتا ہے، اس طرح قرض دینے والے اور لینے والے دونوں فائدہ حاصل کر لیتے ہیں، لہذا یہ سود بھی جائز ٹھہرا۔ (العیاذ باللہ)

ثابت ہوا کہ ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنے والوں کی دلیل سودی کاروبار پر بھی فٹ ہو رہی ہے اور سود خوریہ دلیل پیش کر کے سودی کاروبار چلا رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ واقعتاً آسانی کرنا چاہتے ہیں تو ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کیے بغیر بھی آسانی کر سکتے ہیں اور سود سے بھی بچ سکتے ہیں۔ کسی چیز کو مفتوں پر دینے میں خریدار پر آسانی ہے، لیکن اگر ساتھ قیمت زیادہ لگائیں گے تو تنگی بھی ہوگی اور سود بھی وصول ہوگا۔ تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو مہلت کیوں نہیں دیتا اور انتظار کیوں نہیں کرتا، تاکہ شرعی اور حقیقی آسانی ہو، جس کی اسلام نے ترغیب دی ہے اور اس پر اجر و ثواب بھی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنُقِضْ لَهُ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ [البقرة: ۲۸۰] ”اگر تنگ دست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دینا ہے۔“ اور مروجہ ادھار کی بیع روح اسلام کے خلاف ہے اور ایسے تاجروں سے لوگ اپنی مجبوری کی وجہ سے اشیاء خریدتے ہیں، اگر انھیں ایسا تاجر مل جائے جو ادھار کے بدلے زائد قیمت وصول نہ کرتا ہو تو لوگ اس سے اشیاء خریدیں گے، ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنے والوں سے قطعاً سود انہیں خریدیں گے۔ اس سے اس کے مال میں اضافہ بھی ہوگا، تجارت بڑھے گی اور لوگوں پر مہلت کی آسانی کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور جس تاجر کا بھتنا مال زیادہ فروخت ہوتا ہے اسے اتنا زیادہ نفع ملتا ہے اور اللہ کی رضا اس پر مستزاد۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر لوگوں کی حاجت اور ضرورت کی بنا پر حلت و حرمت کی بنیاد رکھی جائے تو پھر لوگ شرع میں ہر حرام کے حلال ہونے کی بھی دلیل بنا لیں گے۔

اصل تو یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز کو حلال بنایا وہ حلال ہے اور شریعت نے جسے حرام قرار دیا وہ حرام ہے، لوگوں کی حاجت اور ضرورت کو حلال و حرام میں دخل نہیں ہے۔ اور مروجہ مفتوں کا کاروبار حرام کاروبار میں داخل ہے اور رفع حرج اور ارادۂ یسر کا قاعدہ اس

پر فٹ نہیں ہوتا۔ جو لوگ نقد قیمت ادا کر کے سامان خریدنے کی ہمت نہیں رکھتے اور جو ہمت نہیں ہیں دونوں کو حلال پر اکتفا کرنا چاہیے اور حرام سے اجتناب کرنا چاہیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ [الطلاق: ۲]

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا ہے۔“
اور فرمایا:

﴿وَيَزِدْ لَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾

[الطلاق: ۳]

”اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے وہ اسے کافی ہے۔“

نویں دلیل: ادھار مال دینے والا اپنے مال کو خطرے میں ڈالنے والا ہے، کیونکہ اسے مکمل طور پر یقین نہیں ہوتا کہ ادھار لینے والا اسے وہ قرض واپس بھی کرے گا یا نہیں۔ جتنی مہلت لمبی ہوگی اتنا ہی خطرہ بڑھتا چلا جائے گا، لہذا ایسا دکان دار یا تاجر اس خطرے کو برداشت کرنے کی وجہ سے ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ازالہ: اس دلیل کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سود پر قرض دینے والے بھی بعینہ کی دلیل دیتے ہیں اور اس دلیل کی بنا پر تو سود بھی جائز ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ تاجر جو ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ چیز نقد تو سو (۱۰۰) روپے کی ہے اور ادھار ایک سو دس (۱۱۰) روپے کی اور خریدار کو اس نے مثلاً سال کی مہلت دے دی، تو اس نے حقیقت میں تمہیں وہ چیز سو (۱۰۰) روپے کی فروخت کی ہے اور آپ کے ذمے اس کے سو روپے ثابت ہو گئے تو جب بعد میں آپ اسے ۱۱۰ روپے دیں گے تو گویا آپ نے اس کے ۱۰۰ روپے کے بدلے میں اسے ۱۱۰ روپے دیے ہیں جو مرہم سود ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ انتظار اور مہلت کی وجہ سے مال کو خطرے میں ڈالنے والی دلیل بالکل نکی اور سود خوروں کو سود کا جواز فراہم کرنے والی ہے۔

فتنوں کا کاواہد شریعت کی نظر میں

دسویں دلیل: جمہور علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

تجزیہ: یہ بات اتفاقی ہے کہ جب کوئی مسئلہ کتاب و سنت کی دلیل سے واضح ہو تو کسی بھی شخص یا عالم کے قول کو نہیں لیا جاتا، بلکہ کتاب و سنت کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے اس بیع کا حرام ہونا ثابت ہو گیا تو پھر کسی قول کو نہیں دیکھا جائے گا، اور یہ بھی یاد رہے کہ علماء کی اکثریت اس بیع کے ناجائز ہونے کی طرف گئی ہے، جیسا کہ اوپر باحوالہ بحث گزر چکی ہے۔

اس بیع کی حرمت سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے اور کسی صحابی سے ان کی مخالفت ثابت نہیں ہے اور راویان حدیث اور فقہاء و محدثین نے بھی اس حدیث کی رو سے نقد اور ادھار میں فرق والی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔

گیارہویں دلیل: بعض لوگ جب کوئی دلیل فتنوں والی بیع کے جواز کی نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں: «مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا» والی حدیث ضعیف و شاذ ہے، اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

ازالہ: یہ حدیث صحیح ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح اور امام حاکم و امام ذہبی رحمہما نے اسے صحیح کہا ہے۔ اسے ابن الجارود: (۶۰۰)، ابن حبان: (۱۱۰۹)، نسخہ آخری: (۳۹۷۴) اور ابن حزم نے المحلی (۱۶۷۹)، مسئلہ: (۱۵۱۷) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں محمد بن عمرو حسن الحدیث ہے، لہذا یہ روایت قابل حجت ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ فتنوں والی مروجہ بیع، جس میں ادھار کے بدلے رقم بڑھائی جاتی ہے، اس میں سود شامل ہے۔

نوٹ: راقم جب یہ جواب تحریر کر رہا تھا تو ”سلسلة الأحاديث الصحيحة“ کی پانچویں جلد کے مطالعہ کے دوران علامہ البانی رحمہ اللہ کا قول پڑھا، انھوں نے قارئین کو نصیحت کی کہ شیخ عبد الرحمن عبد الخالق کا رسالہ ”القول الفصل في بيع الأجل“ اس مسئلہ میں بہت مفید اور یکتا ہے، تو اس کی تلاش میں فضیلۃ الشیخ عبد الرحمن ضیاء رحمہ اللہ سے جامعہ ابن تیمیہ میں ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ یہ رسالہ ان کے پاس موجود ہے، بلکہ انھوں نے اس کے

مقالہ رمانیہ

اکثر حصے کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے اور شفقت کرتے ہوئے یہ رسالہ اور اس کا ترجمہ عنایت فرمایا اور اس بحث کا اکثر حصہ اس رسالہ سے ماخوذ ہے۔

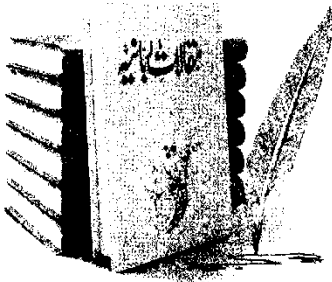
اللہ تبارک و تعالیٰ شیخ عبدالرحمن عبدالخالق اور فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان ضیاء صاحب کی حسنات میں اضافہ کرے اور سینئات سے درگزر فرمائے۔ راقم الحروف کو ایسے جید اور باہل علمائے کرام سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)



مجلس واحد کی تین طلاقیں

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ وَأَمَّا كَلِمَةٌ تَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ

[البقرة: ۲۲۹]



سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا:

« كَيْفَ طَلَّقْتُهَا؟ قَالَ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ : فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟
قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَأَرْجِعْهَا إِن شِئْتَ قَالَ فَرَجَعَهَا »
[مسند أحمد: (۲۶۵/۱، ح: ۲۳۹۱)] ”تم نے طلاق کیسے دی ہے؟

اس نے کہا، میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ ﷺ نے کہا: ایک ہی
مجلس میں؟ اس نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو صرف ایک طلاق
ہے اگر تم چاہو اس سے رجوع کر لو، تو اس نے رجوع کر لیا۔“

مجلس واحد کی تین طلاقیں

کتاب و سنت کی روشنی میں مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق، طلاق رجعی شمار ہوتی ہے۔ متعدد یکجائی طلاقیں، خواہ زبانی ہوں یا تحریر کی صورت میں، ایک کاغذ پر مرقوم ہوں یا الگ الگ تین کاغذوں پر، خواہ الفاظ طلاق، طلاق، طلاق کے استعمال ہوں یا اکٹھی تین طلاقیں کے، بہر صورت وہ ایک طلاق رجعی شمار کی جاتی ہے، جس میں مرد کو دورانِ عدت رجوع کا مکمل حق ہوتا ہے اور عدت گزر جانے پر نیا نکاح کر کے اپنا گھر دوبارہ آباد کر سکتا ہے، پھر اگر ایک طلاق کے بعد صلح کر لی اور دوبارہ طلاق دے دی تو دورانِ عدت پھر رجوع ہے اور عدت گزرنے پر نیا نکاح ہے، اسی طرح زندگی میں پھر کبھی تیسری طلاق بھی دے ڈالی تو اب رجوع کا حق ختم ہو چکا اور اس مرد پر مطلقہ عورت قطعی طور پر حرام ہو جائے گی۔ لوگوں نے جو اکٹھی تین طلاقیں دینے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے یہ ان کی جہالت کا شاخسانہ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ طلاق کا وقوع تب ہی ہوتا ہے جب اکٹھی تینوں دے دی جائیں، حالانکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا شریعت کے مطابق کتاب اللہ سے کھیلنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جب ایک آدمی نے اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَيُّلَعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ؟» «کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔» [نسائی، الطلاق، باب الثلاث المجموعۃ وما فیہ من التغلیظ: ۳۴۳۰]

لہذا کتاب اللہ سے کھیل کھیلنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ علمائے احناف کو اس کھیل و روش کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے نہ کہ انھیں حلالہ کا دروازہ دکھا کر مزید شرعی احکامات سے کھیل کھیلنے کا موقع دیا جائے۔ طلاق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الطَّلَاقُ مَرْثٌ فَأَمَّا كَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَرَينَهُ يُلْحِقَانِ﴾ [البقرة: ۲۲۹]

”طلاق (رجعی) دو دفعہ ہے یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں کلمہ ”مَرْثٌ“ قابل غور ہے جو کہ ”مَرَّةٌ“ کا ثنیہ ہے، جس کا معنی ایک بار یا ایک دفعہ ہے، تو ”مَرْثٌ“ کا معنی ہوا ”مَرَّةٌ بَعْدَ مَرَّةٍ“ یعنی ”ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ“ نہ کہ محض لفظی تکرار اور اس کی مثالیں قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ﴾ [النور: ۵۸]

”اے ایمان والو! تمہارے غلام لونڈیاں اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں: ① نماز فجر سے پہلے۔ ② دوپہر کے وقت جب تم آرام کے لیے اپنے کپڑے اتارتے ہو۔ ③ اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں۔“

اس آیت میں ”ثَلَاثَ مَرَّاتٍ“ تین دفعہ کا معنی واضح کیا گیا ہے کہ یہاں تین الگ الگ اوقات ہیں نہ کہ زمانہ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ”مَرْثٌ“ کے لفظ میں تفریق کا مفہوم شامل ہے، لہذا اس قاعدے کے مطابق ”الطَّلَاقُ مَرْثٌ“ کا معنی بھی لامحالہ طلاق دو دفعہ ہی ہے۔ اکٹھی دو طلاقیں ہرگز نہیں بلکہ دو الگ الگ مواقع میں دینا ہے اور ان ہر دو مواقع میں مرد کو دورانِ عدت رجوع کا حق حاصل ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”طَلَّقُوا مَرَّتَيْنِ يَعْنِي دَفْعَتَيْنِ“ (تفسیر الکبیر: ۱۰۳/۶)، (۸۳/۶) دار الکتب العلمیۃ بیروت) ”دو مرتبہ طلاق دو“ یعنی دو دفعہ طلاق دو۔ پھر مزید فرماتے ہیں: ”أَنَّ الطَّلَاقَ الْمَشْرُوعَ مُتَفَرِّقٌ لِأَنَّ الْمَرَّاتِ لَا تَكُونُ إِلَّا بَعْدَ

جلس واحد کی تین طلاقیں

تَفْرِيقٍ بِالْإِجْمَاعِ“ ”مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے کیونکہ بالاجماع ”مرات“ تفریق کے بعد ہی ممکن ہے۔“

علامہ زبیری رحمہ اللہ اپنی تفسیر ”الکشاف“ میں لکھتے ہیں: ”الطَّلَاقُ بِمَعْنَى التَّطْلِيقِ كَالسَّلَامِ بِمَعْنَى التَّسْلِيمِ أَيْ التَّطْلِيقُ الشَّرْعِيُّ تَطْلِيقٌ بَعْدَ تَطْلِيقَةٍ عَلَى التَّفْرِيقِ دُونَ الْحَمْعِ وَالْإِسْأَلِ دَفْعَةً وَاحِدَةً“ ”طلاق تطليق (طلاق دینے) کے معنی میں ہے، جیسا کہ سلام تسلیم (سلام کرنے) کے معنی میں ہے، یعنی شرعی طور پر طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد طلاق دی جائے الگ الگ، نہ کہ ایک ساتھ اور ایک دم اور ایک ہی بار میں۔“ مولانا اشرف علی تھانوی کے استاذ شیخ محمد تھانوی رحمہ اللہ حاشیہ (نسائی: ۲۹/۲) بحوالہ مجموعہ مقالات علمیہ ص (۲۶) پر لکھتے ہیں:

”الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ مَعْنَاهُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ فَالتَّطْلِيقُ الشَّرْعِيُّ عَلَى التَّفْرِيقِ دُونَ الْحَمْعِ وَالْإِسْأَلِ مَرَّةً وَاحِدَةً“ اسی طرح علامہ سندھی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فَإِنَّ مَعْنَاهُ التَّطْلِيقُ الشَّرْعِيُّ تَطْلِيقٌ بَعْدَ تَطْلِيقَةٍ عَلَى التَّفْرِيقِ دُونَ الْحَمْعِ وَالْإِسْأَلِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَلَمْ يَرِدْ بِالْمَرَّتَيْنِ التَّثْنِيَّةِ وَمِثْلُهُ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ أَيْ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ لَا كَرَّتَيْنِ اثْنَيْنِ“

[حاشیہ سندھی علی النسائی: ۴۵۳/۶]

”دونوں حنفی اکابر کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طلاق متفرق طور پر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہونی چاہیے نہ کہ ایک ہی بار اکٹھی طلاقیں۔ ”مرتین“ سے مراد تثنیہ نہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ”پھر نگاہ کو تو بار بار پھیر۔“ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رقم طراز ہیں:

”الْقِيَاسُ أَنَّ يَكُونُ الطَّلَاقَيْنِ الْمُجْتَمِعَيْنِ مُعْتَبَرَةً شَرْعًا وَإِذَا لَمْ يَكُنِ الطَّلَاقَيْنِ الْمُجْتَمِعَتَانِ مُعْتَبَرَةً لَمْ يَكُنِ الثَّلَاثُ مُجْتَمِعَةً مُعْتَبَرَةً بِالطَّرِيقِ الْأُولَى لَوْ جُودِهِمَا فِيهَا مَعَ زِيَادَةِ“

”اللہ تعالیٰ کے ”مَوْتَن“ فرمانے اور ”تَنْتَن“ نہ فرمانے میں ایک امر کی دلیل ہے کہ ایک ہی دفعہ دو طلاقیں دینی مکروہ ہیں، کیونکہ ”مرتَن“ کا لفظ عبارتاً تو تفریق پر دلالت کرتا ہے اور اشارتاً عدد پر اور ”الطلاق“ میں لام جنس کے لیے ہے اور جنس کے علاوہ کچھ نہیں پس قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ اکٹھی دو طلاقیں معتبر نہ ہوں اور جب دو طلاقیں معتبر نہ ہوئیں تین طلاقیں اکٹھی دے دینی بدرجہ اولیٰ معتبر نہ ہوں گی، کیونکہ تین میں دو کے علاوہ زیادتی ہے۔“ (تفسیر مظہری اردو: ۴۹۳/۱ ط بلوچستان)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ثُمَّ الْقَائِلُونَ اخْتَلَفُوا عَلَى قَوْلَيْنِ الْأَوَّلُ هُوَ اخْتِيَارُ كَثِيرٍ مِنْ عُلَمَاءِ الدِّينِ أَنَّهُ لَوْ طَلَّقَهَا اثْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا لَا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةً وَ هَذَا الْقَوْلُ هُوَ الْأَقْيَسُ لِأَنَّ النَّهْيَ يَدُلُّ عَلَى اسْتِمَالِ الْمُنْهَى عَنْهُ عَلَى مُفْسَدَةِ رَاحِحَةٍ وَالْقَوْلُ بِالْوُقُوعِ سَعْيٌ فِي ادِّخَالِ تِلْكَ الْمُفْسَدَةِ فِي الْوُجُودِ وَ أَنَّهُ غَيْرُ جَائِزٍ فَوَجَبَ أَنْ يَحْكَمَ بِعَدَمِ الْوُقُوعِ“

”کثیر علمائے دین کا کہنا ہے کہ جو شخص بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیتا ہے وہ صرف ایک ہی واقع ہوتی ہے اور یہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے، کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدہ اور خرابی پر مبنی ہے اور وقوع طلاق کا قائل ہونا اس مفسدہ اور خرابی کو وجود میں لانے کا باعث اور سبب ہے اور یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ طلاق کے نہ واقع ہونے کا حکم لگانا واجب ٹھہرا۔“ [التفسیر الكبير: ۱۰۳/۶]

مذکورہ بالا تصریح سے واضح ہو گیا کہ قرآن کا منشا یہ ہے کہ وقفہ بعد وقفہ طلاق ہو چاہیے نہ کہ ایک ہی دفعہ کئی طلاقیں۔ لہذا اکٹھی طلاقیں ایک رجعی طلاق کے حکم میں ہیں اور دو رجعی طلاقوں کے بعد اگر تیسری طلاق دے ڈالے تو عورت اس شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مجلس واحد کی تین طلاقیں

﴿إِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

[البقرة: ۱۳۰]

”پس اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے ڈالے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور شوہر سے نکاح کر لے۔“

جو لوگ اکٹھی تین طلاقیں نافذ کر دیتے ہیں وہ مرد کا حق رجوع ضبط کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حق اللہ نے اسے تفویض کیا ہے اور اللہ کا دیا ہوا حق ضبط کرنا سراسر نا انصافی اور ظلم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے طلاق کو حدود اللہ قرار دیا ہے، چنانچہ آیت کے آخر میں فرمایا:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الظَّالِمُونَ﴾ [البقرة: ۲۲۹]

”یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔“

معلوم ہوا کہ قانونِ الہی سے ہٹ کر طلاقیں دینا حدود اللہ سے تجاوز، ظلم اور تعدی ہے اور اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی ظلم اور کتاب اللہ سے مذاق ہے، جیسا کہ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ اس نے اپنی اہلیہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں تو آپ ﷺ غصے میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: «أُلْعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ» ”کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ میری موجودگی میں کھیلا جا رہا ہے۔“ (سنن النسائی: ۳۴۳۰۔ فتح الباری: ۳۶۲۹) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلنا ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ غضب ناک ہوئے، لہذا اکٹھی تین طلاقیں نافذ کر دینا ظلم و تعدی کا نفاذ ہے۔ اب اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ ملاحظہ ہوں۔

سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی اہلیہ کو طلاق دے ڈالی تو بڑے مغموم و رنجیدہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے اپنا معاملہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

« كَيْفَ طَلَّقْتُهَا؟ قَالَ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ : فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَأَرْجِعْهَا إِن شِئْتَ قَالَ فَرَجَعَهَا »

[مسند أحمد: (۱/۲۶۵، ح: ۲۳۹۱)، مسند أبي يعلى: (۲۴۹۵)، بیہقی:

(۷/۳۳۹)، فتح الباری: (۹/۳۶۳)، اغاثۃ اللہفان: (۱/۳۰۵) یہ روایت

داود بن حصین عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس سند کو بڑے بڑے

جلیل القدر ائمہ محدثین نے صحیح قرار دیا ہے، جیسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (مجموع الفتاویٰ:

۳۳/۶۷)، اعلام الموقعین: (۲/۲۷۱)، امام ابو یعلیٰ، (فتح الباری:

۹/۳۶۲)، امام ابن کثیر (تحفة الأحوذی: ۲/۱۹۶) امام یزید بن ہارون

(عون المعبود: ۲/۲۳۹) امام ابن تیمیہ (مجموع الفتاویٰ) محدث العصر

علامہ ناصر الدین الألبانی (إرواء الغلیل: ۷/۱۴۵)]

”تم نے طلاق کیسے دی ہے؟ اس نے کہا، میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔

آپ ﷺ نے کہا: ایک ہی مجلس میں؟ اس نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ

تو صرف ایک طلاق ہے اگر تم چاہو اس سے رجوع کرلو، تو اس نے رجوع کر لیا۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَهَذَا الْحَدِيثُ نَصٌّ فِي الْمَسْئَلَةِ لَا يَقْبَلُ التَّأْوِيلُ“

[فتح الباری: (۹/۳۶۲، ۴۵۶/۹) دار السلام الریاض]

”یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے جو کسی قسم کی تاویل قبول نہیں کرتی۔“

شیخ احمد شا کر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اسنادہ صحیح (مسند احمد: ۴/۱۲۳) امام شوکانی رحمہ

فرماتے ہیں:

”أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو يَعْلَى وَصَحَّحَهُ وَالْحَدِيثُ نَصٌّ فِي مَحَلِّ

النِّزَاعِ“ اس حدیث کو امام احمد اور ابو یعلیٰ نے بیان کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے اسے

صحیح قرار دیا ہے اور یہ حدیث محل نزاع میں نص ہے۔ (نیل الأوطار:

۷/۱۷) ط دار الفکر بیروت) نیز دیکھیں، ترمذی، باب ما جاء في

الزَّوْجَيْنِ الْمُشْرَكَيْنِ يَسْلُمُ أَحَدُهُمَا (تحفة الأحوذی: ۲/۱۹۶) المستدرک

على الصحيحين: (۲/۲۱۷) عمدة القاری للنعیمی: (۱/۲۷۳) نصب

الرأیہ (۳/۲۰۹، ۲۱۴)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرِ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أُنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»

[المصنف لعبد الرزاق: (۳۹۱/۶-۳۹۲، ح: ۱۱۳۳۶)، مسلم: (۱۴۷۲)، مسند أحمد: (۳۱۵/۱)، المستدرک للحاکم: (۲۱۳/۲)، سنن الدار قطنی: (۳۹۸۳)، السنن الکبری للبیہقی: (۳۳۶/۷)]

”رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں، اسی طرح ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی تھی، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، بلاشبہ جس کام میں لوگوں کے لیے سوچ و چار کی مہلت تھی اس میں انھوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے، کاش کہ ہم ان پر تینوں لاگو کر دیں تو انھوں نے یہ طلاق ان پر لاگو کر دی۔“

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عہد رسالت مآب جس میں دین کی تکمیل ہوئی، میں بھی اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق سمجھی جاتی تھی جس میں مرد کو رجوع کا حق حاصل ہوتا تھا اور یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک اسی طرح رہا پھر لوگوں کی غلت اور جلد بازی کے باعث انھوں نے سیاسی اور تہدید کی طور پر تین لاگو کر دیں۔ یہ معاملہ ان کا اجتہاد ہی تھا۔ اصل مسئلہ وہی ہے جو عہد رسالت میں بلکہ خود عہد فاروقی کی ابتدا میں تھا اور یہ بات بڑے بڑے حنفی علماء کو بھی تسلیم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سیاسی اور تہدید ہی تھا۔ انھوں نے عوام کو ڈرانے دھمکانے کے لیے بطور سزا یہ اقدام کیا تھا۔ اس سلسلہ میں حنفی اکابرین کی عبارات ملاحظہ ہوں:

① علامہ شیخ زادہ المعروف بداماد ہندی حنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ رقم طراز ہیں:

”وَأَعْلَمُ أَنَّ فِي صَدْرِ الْأَوَّلِ إِذَا أُرْسِلَ الثَّلَاثُ جُمْلَةً لَمْ يُحْكَمْ إِلَّا بِوُقُوعِ وَاحِدَةٍ إِلَى زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَعَالَى عَنْهُ ثُمَّ حَكَمَ

بُوقُوعِ الثَّلَاثِ لِكُثْرَتِهِ بَيْنَ النَّاسِ تَهْدِيدٌ“

[مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر : (۶/۲) مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت]

② علامہ محمد بن علی المعروف بالعلاء الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ صاحب درمختار رقم ہیں:

”وَأَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ إِذَا أُرْسِلَ الثَّلَاثُ جُمْلَةً لَمْ يُحَكَمْ إِلَّا بِبُوقُوعٍ وَاحِدَةٍ إِلَى زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ حَكَمَ بِبُوقُوعِ الثَّلَاثِ سَيَاسَةً لِكُثْرَتِهِ مِنَ النَّاسِ كَمَا فِي الْقَهْصَتَانِي عَنِ التَّمَرْتَاشِيِّ“

[الدرر المنتقى في شرح الملتقى : (۶/۲) - مطبوعه دار الكتب العلمية

بيروت تحت مجمع الانهر]

③ علامہ شمس الدین محمد قہستانی المتوفی ۹۵۳ھ نے جامع الرموز شرح نقایہ ص (۳۲۱) میں

اور ⑤ علامہ احمد بن محمد طحاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ جو کہ مشہور حنفی فقیہ اور علامہ شامی کے

استاد ہیں، نے طحاوی حاشیہ درمختار (۱۰۵/۲) میں تقریباً یہی عبارت درج کی ہے۔

ان چاروں حنفی فقہاء کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ صدر اول سے لے کر عہد عمر تک جب کوئی شخص اپنی اہلیہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا تو اس پر صرف ایک طلاق کا حکم لگایا جاتا تھا، پھر جب لوگوں نے کثرت سے طلاق دینا شروع کر دی تو عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس فعل حرام سے باز رکھنے کے لیے سیاسی اور تہدیدی طور پر تین طلاقوں کا نفاذ کیا اور یہ معاملہ حاکم وقت کا اجتہادی تھا اور اجتہاد بدلتا رہتا ہے، جیسے زمانے کے حالات و واقعات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے، اسی طرح ائمہ دین کے اجتہادات میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ جس کی بے شمار مثالیں فقہاء کی کتب میں موجود ہیں۔ اس کے برعکس شرعی نصوص میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ لہذا صحیح اور ناقابل تاویل مسئلہ یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں اور اس طلاق رجعی میں دورانِ عدت رجوع ہو سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو از سر نو نکاح کر کے خانہ آبادی ہو جاتی

مجلس واحد کی تین طلاقیں

ہے۔ جیسا کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ کو ان کے شوہر نے ایک طلاق دے دی۔ پھر عدت گزر جانے کے بعد ان دونوں کے درمیان رضامندی کا پروگرام ہونے لگا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ جو کہ اپنی ہمیشہ کے ولی تھے، نے نکاح میں رکاوٹ ڈال دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَكُنْ لَهُنَّ غَيْرَتٌ فَمَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ۲۳۲]

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انہیں ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔“

ملاحظہ ہو: [جزء من حدیث أبي الطاهر محمد بن أحمد الذهلي: (۶۵)، صحيح البخاري: (۵۱۳۱)۔ المعجم الكبير للطبراني: (۴۶۷/۲۰)، بيهقي: (۱۳۸/۷)، العجائب في بيان الأسباب لأبن حجر عسقلاني: (۵۹۰/۱)۔ الصحيح المسند من أسباب النزول للشيخ مقل بن هادي الوادعي ص: (۲۶)، تفسير النسائي (۲۵۸/۱) رقم الحديث (۶۱)]

جو لوگ اکٹھی تین طلاقیں کو نافذ کر کے حلالہ کا دروازہ دکھاتے ہیں، انہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان عالی یاد رکھنا چاہیے:

«لَعَنَ اللَّهُ الْمُحْلِلَ وَالْمُحْلَلَّ لَهُ»

”حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔“

یہ حدیث سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسند أحمد: (۳۱۴/۷)، ح: ۴۲۸۳، (۴۲۸۴)، نسائی: (۳۴۱۶)، ترمذی: (۱۱۲۰)، طبرانی کبیر: (۹۸۷۸)، بیهقی: (۷/۲۰۸)، ابن ابی شیبہ: (۴۸۸/۸) المسند الجامع مع فتح المنان: (۲۴۰۴)، مسند أبی یعلیٰ: (۴۶۸/۸)، ح: ۵۰۵۴) شرح السنة: (۲۲۹۳) میں۔

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند أحمد (۴۲/۱۴)، ح: ۸۲۸۷) مسند بزار کشف الاستار: (۱۴۴۲)، بیهقی: (۲۰۸/۷) میں مروی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مسند أحمد: (۶۷/۲، ح: ۶۳۵۱) مسند بزار: (۸۱۹، ۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲)، ابن ماجہ: (۱۹۳۵)، أبوداؤد: (۲۰۷۶)، ترمذی: (۱۱۱۹)، نسائی: (۵۱۱۹)، بیہقی: (۲۰۸/۷)، المسند الجامع: (۲۷۲/۱۳) میں۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے ابن ماجہ (۱۹۳۶) المستدرک (۱۹۸/۲-۱۹۹) المسند الجامع (۲۹/۱۳) میں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن ماجہ (۱۹۳۴)، المسند الجامع (۱۸۹/۹)۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے جامع ترمذی (۱۱۱۹) میں موجود ہے بلکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں حلالہ کرنے والے کو ادھار سائنڈ قرار دیا گیا ہے۔

پیر کرم شاہ بھیروی بریلوی نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن (۱۵۹/۱) میں طلاق کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ”اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کئی دوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جاسکتی، یہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔“ آج کل اس کا حل حلالہ کے باعث صد نفرین صورت میں تلاش کر لیا گیا ہے، اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کا یہ حکم پیش نظر رہے: «لَعَنَ اللَّهُ الْمُحْلِلَ وَ الْمُحْلَلَةَ» «حلالہ کرنے والے پر اللہ کی پھٹکار اور جس کے لیے حلالہ کیا جا رہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”اللہ کی قسم! اگر میرے پاس حلالہ کرنے اور کروانے والے لائے گئے تو میں انھیں رجم کر دوں گا۔“

[مصنف لعبد الرزاق، کتاب النکاح، باب التحلیل: ۲۱۱/۶ (۱۰۸۱۹)،

بیہقی: (۲۰۸/۷)، سنن سعید بن منصور: (۴۹/۲)۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”ہم حلالہ کو دور نبوی میں زنا شمار کرتے تھے۔“

مجلس واحد کی تین طلاقیں

المستدرک : (۲۱۷/۲)، بیہقی : (۲۰۸/۷)، التلخیص الحبیر : (۱۷۱/۲)، تحفة الأحوذی (۱۷۵/۲)۔

بلکہ فرماتے تھے: ”حلالہ کرنے والا مرد اور عورت اگر بیس سال بھی اکٹھے رہیں تو زانی ہوں گے۔“ [المغنی لا بن قدامہ : (۵۱/۱۰)، عبد الرزاق : (۲۱۱/۶)، ح : (۱۰۸۲۰)] طبع جدید [لہذا فعل حلالہ سے اجتناب کرتے ہوئے طلاق دہندہ اپنی مطلقہ سے عدت کے دوران رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو تجدید نکاح ہو سکتا ہے۔

پیر صاحب نے اپنے رسالہ ”دعوت فکر و نظر تین طلاقوں کا مسئلہ ص ۳۳۔ شائع کردہ۔ انجمن یا رسول اللہ۔ کراچی نمبر ۲۵“ میں اس مسئلہ پر فریقین کے دلائل اور ان کا محاکمہ کیا ہے اور اس میں اپنی رائے علمائے مصر اور علمائے جامعہ ازہر کے ساتھ ظاہر کی ہے۔ مصر میں ۱۹۲۹ء میں آن واحد کی تین طلاقوں کے اصول کو ختم کر کے یہ قانون بنایا گیا کہ اکٹھی متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق شمار ہوگی اور وہ رجعی ہوگی۔ یہی قانون سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں..... اردن نے ۱۹۵۱ء میں..... شام نے ۱۹۵۳ء میں..... مراکش نے ۱۹۵۸ء میں..... عراق نے ۱۹۵۹ء میں اور پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں نافذ کیا، ملاحظہ ہو Muslim Law Reform از طاہر محمود۔

طاہر محمود صاحب لکھتے ہیں، ۱۹۲۹ء میں ایک دوسرا قانون نمبر ۲۵ منظور ہوا جس میں طلاق کے احکام میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔ جسے علمائے مصر نے منظور کیا۔ شرعی عدالتوں میں اب اسی قانون کے مطابق عمل ہو رہا ہے اور جامعہ ازہر کے کلیۃ الشریعہ کے درجہ تخصص القضاء میں داخل نصاب ہے۔ اس قانون کی دفعہ نمبر ۳ ہے: ”الطَّلَاقُ الْمُقْتَرَنُ بِعَدَّةٍ لَفْظًا وَ إِشَارَةً لَا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةً“ [الدلیل المرشد فی القوانين والأوامر للمحاكمة الشرعية، ص : ۳۸۳]

”یعنی ایسی طلاق جو تعداد کے ساتھ لفظاً یا اشارتاً ملائی گئی ہو وہ صرف ایک واقع ہوتی ہے۔“ کرم شاہ صاحب کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں: ”اس ناچیز کی ناقص رائے میں تو ان

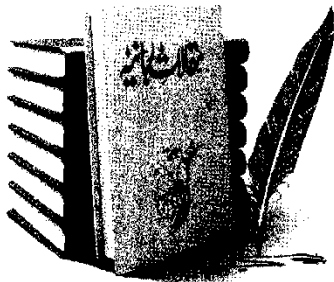
مقالہ ربا نیہ

حالات میں علمائے مصر اور علمائے جامعہ ازہر کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا رائج ہے۔“
 کتاب و سنت کے مذکورہ بالا دلائل صحیحہ صریحہ اور جید حنفی علماء کی عبارات سے یہ بات
 اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق، طلاق رجعی کے
 حکم میں ہیں، جس میں مرد دورانِ عدت رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو از سر نو
 نکاح کر کے دونوں اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔ حلالے جیسے لعنتی عمل سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔
 اللہ تبارک و تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق بخشے کہ وہ اپنے گھروں کو صحیح طہ
 پر کتاب و سنت کے مطابق ڈھال لیں اور ہر طرح کے دنگا و فساد، لڑائی جھگڑوں اور
 تنازعات و اختلافات سے مکمل اجتناب کریں۔ والعلم عند اللہ!



جنات اور جادو ٹونے کی شرعی حیثیت

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَنُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ
الْأَناسِ السَّحَرَةُ [البقرة: ۱۰۲]



رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ
وَ خُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ » [مسلم: ۲۹۹۶]

”فرشتے نور سے پیدا کیے گئے اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور
آدم (علیہ السلام) کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تمہارے لیے بیان کی گئی (یعنی
مٹی سے)۔“

جنات اور جادو ٹونے کی شرعی حیثیت

جنات اور جادو ٹونے کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے، ان سب کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس کی مخلوق میں سے جنات بھی ہیں، جن کا مستقل وجود ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اسی طرح جنات کو بھی پیدا فرمایا۔ انسان کی تخلیق مٹی سے اور جنات کی آگ سے کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْۤا اِلَّا اِبْلٰسَ ۖ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّٰجِدِيْنَ ۝۱۰ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۚ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۖ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۱﴾ [الأعراف: ۱۲، ۱۱]

”البتہ تحقیق ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری تصویر بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ (اللہ تعالیٰ نے کہا) جب میں نے تمہیں حکم دیا تو سجدہ کرنے سے (تو) تجھے کون سی چیز مانع ہوئی؟ اس نے کہا، میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“
دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْۤا اِلَّا اِبْلٰسَ ۖ كَانَ مِنَ الْبٰغِيْنَ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۝۵۰﴾ [الکہف: ۵۰]

”اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَالْجَانَّ خَلَقْتُهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَارَ السَّمُومَ﴾ [الحجر: ۲۷]

”اس سے پہلے ہم نے جنوں کو لوہالی آگ سے پیدا کیا۔“
ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَارٍ﴾ [الرحمن: ۱۵]

”اور اس نے جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔“
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ» [مسلم، الزهد، باب في أحاديث متفرقة: ۲۹۹۶]

”فرشتے نور سے پیدا کیے گئے اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور آدم (ﷺ) کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تمہارے لیے بیان کی گئی (یعنی مٹی سے)۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَمْ يُخَالِفْ أَحَدٌ مِنْ طَوَائِفِ الْمُسْلِمِينَ فِي وَجُودِ الْجِنِّ“ [مجموع الفتاوى: ۱۰/۱۹]

”مسلمانوں کے گروہوں میں سے کسی نے بھی جنات کے وجود کی مخالفت نہیں کی۔“
ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”یہ مسئلہ صحابہ، تابعین، ائمہ مسلمین اور مسلمانوں کے تمام گروہوں، یعنی اہل سنت و الجماعت وغیرہم (اللہ ان تمام سے راضی ہو) کے درمیان متفق علیہ ہے، مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں سے کسی بھی جماعت نے جنوں کے وجود سے اختلاف نہیں کیا اور نہ اس بارے میں کوئی اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو جنوں کی طرف بھی مبعوث فرمایا تھا۔ کفار کے تمام گروہ بھی جنوں کے اثبات کے قائل رہے ہیں۔ جہاں تک اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ کا تعلق ہے تو وہ بھی مسلمانوں کی طرح جنوں کے وجود کے اقراری ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اٹکا دکا اس کا انکار کرتا ہوا نظر آتا ہے تو مسلمانوں میں بھی اس طرح کے کوئی ایک دو منکر مل جائیں گے، مثلاً جہمیہ اور معتزلہ، مگر جمہور گروہ اور ان کے امام ان

جنات اور جادو ٹونے کی شرعی حیثیت

کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ جنات کا وجود انبیاء علیہم السلام کی متواتر خبروں سے معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ زندہ، ذی عقل، ارادہ کے مطابق عمل کرنے والے ہیں، انھیں بھی نیکی کا حکم دیا گیا اور برائی سے روکا گیا ہے۔ ان کی کوئی خاص صفت یا لمبا کی چوڑائی مقرر نہیں ہے، جیسا کہ بعض لمحوں کا دعویٰ ہے، چونکہ جنوں کا معاملہ انبیاء علیہم السلام سے متواتر ثابت ہے، اس لیے ہر خاص و عام اسے متواتر اُجانتا ہے، لہذا یہ ناممکن ہے کہ ایسا گروہ جو رسولوں کی طرف اپنی نسبت کرتا ہو، وہ ان کے وجود کا انکار کرے۔“ [مجموع

الفتاویٰ: (۱۰۹/۱۹)]

کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ بات بالکل عیاں اور ظاہر ہے کہ جنات کا وجود ہے اور یہ آگ کے شعلے سے پیدا کیے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو جس طرح انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، اسی طرح جنات کی طرف بھی آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر بن کر مبعوث ہوئے ہیں۔ جنات میں بھی نیک و بد ہر طرح کے جن موجود ہیں۔ ان میں جو شیطانی صفت کے حامل ہوتے ہیں وہ انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے دلوں میں مختلف قسم کے وساوس و خطرات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس صورت میں انسان کو تعوذ پڑھنا چاہیے اور اللہ پاک کی پناہ پکڑنی چاہیے۔ معاشرے میں جو عمومی صورت حال ہے کہ جوان لڑکیوں کو جنات کی شکایت ہوتی ہے، اکثر اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ والدین لڑکی کی پسند کی شادی نہیں کرتے تو وہ جنات کے سایہ کی شکایت کرنے لگ جاتی ہے اور والدین پریشان ہو کر جنات نکالنے والے عاملوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ عامل حضرات آ کر ان کی جوان بیٹی کو چھوتے بھی ہیں اور رقم بھی بٹورتے ہیں۔ یہ دھندا عروج پر ہے، اکثر جنات نکالنے والے زر اور زن کے پیاسے ہوتے ہیں۔ پھر وہ طرح طرح کے ڈرامے رچا کر اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ جب لڑکی کی مرضی سے اس کا رشتہ اس کے آشنا سے قائم ہو جاتا ہے تو جنات کا معاملہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

البتہ بعض اوقات واقعتاً جنات کا انسان پر تسلط ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو شیاطین کے وساوس و خطرات کا سامنا ہو تو وہ مسنون ذکر و اذکار اور معوذات سے کام لے، فرائض کی

پابندی کرے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنے معاملات سرانجام دے۔ بعض کمزور روایات میں صراحۃً جنات کے انسانی وجود میں داخلے کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ”میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ قضائے حاجت کے لیے نکلتے تو دور چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ دکھائی نہ دیتے۔ ہم ایک چٹیل میدان میں اترے، اس میں نہ درخت تھے اور نہ پہاڑ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے جابر! برتن میں پانی لے کر ہمارے ساتھ چلو۔“ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہم چل پڑے، یہاں تک کہ ہم لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، پھر ہمیں دو درخت نظر آئے، جن کے درمیان چار ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے جابر! اس درخت کی طرف چل کر اسے کہو اللہ کے رسول (ﷺ) تمہیں کہتے ہیں کہ تو دوسرے درخت کے ساتھ مل جا، تاکہ میں تمہارے پیچھے (حاجت کے لیے) بیٹھوں۔“ جابر کہتے ہیں کہ میں نے ایسے ہی کہا تو وہ درخت اس کی طرف آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں درختوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔ ازاں بعد وہ درخت اپنی جگہ پلٹ گیا۔ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سوار ہو گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان یوں تھے جیسے ہمارے اوپر پرندوں نے سایہ کیا ہوا ہے۔ آپ کے سامنے ایک عورت آئی، اس کے پاس اس کا بچہ تھا، کہنے لگی: ”اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میرے اس بیٹے کو ہر روز تین دفعہ شیطان پکڑ لیتا ہے۔“ آپ ﷺ نے اس بچے کو لے لیا، آپ نے اسے اپنے اور کجاوے کے اگلے حصے کے درمیان بٹھا دیا اور فرمایا: ”او اللہ کے دشمن! ذلیل ہو جا، میں اللہ کا رسول ہوں۔ او اللہ کے دشمن! ذلیل ہو جا، میں اللہ کا رسول ہوں۔ او اللہ کے دشمن! ذلیل ہو جا، میں اللہ کا رسول ہوں۔“ تین مرتبہ آپ نے یہ فرمایا، پھر بچہ اس عورت کے حوالے کر دیا۔ جب ہم نے اپنا سفر مکمل کر لیا اور ہم دوبارہ اس جگہ سے گزرے تو وہ عورت اپنے بچے سمیت ہمارے پاس آئی اور وہ اپنے ساتھ دو مینڈھے ہانک کر لا رہی تھی، کہنے لگی: ”اے اللہ کے رسول! میری طرف سے یہ ہدیہ قبول کر لیں، اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اس کے بعد وہ شیطان دوبارہ

جنات اور جادو ٹونے کی شرعی حیثیت

نہیں آیا۔“ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”ایک مینڈھالے لو اور دوسرا اسے واپس کر دو۔“ [سنن دارمی: (۱۷) (۱/۱۶۷، ۱۶۸)، ابن ابی شیبہ: (۱۱/۴۹۰، ۴۹۲) (۳/۱۱۸)]

اس روایت کی سند میں اسماعیل بن عبد الملک کو امام ابو حاتم رازی، امام نسائی، امام ابن حبان، ابو داؤد، محمد بن عمار، عقیلی، دولابی، ابو العرب القیروانی اور ابن شاہین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [تہذیب الکمال: (۳/۱۴۲، ۱۴۳) مع تعلیق دکتور بشار عواد المعروف]

یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ دوران سفر رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی، جسے جنات کی شکایت تھی، آپ ﷺ نے اس بچے کی ناک کو پکڑ کر فرمایا: ”نکل جا! بے شک میں محمد اللہ کا رسول ہوں۔“ کہتے ہیں پھر ہم سفر پر روانہ ہو گئے، جب ہم اپنے سفر سے واپس پلٹتے ہوئے پانی والی اس جگہ کے پاس سے گزرے تو وہ عورت اونٹ اور دودھ لے کر آئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اونٹ واپس کرنے اور دودھ پی لینے کا حکم دیا، پھر عورت سے بچے کے بارے میں پوچھا، وہ کہنے لگی: ”اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! آپ کے بعد ہم نے اس میں کوئی بے قراری نہیں دیکھی۔“ [مسند أحمد: (۴/۱۷۳-۱۷۷)، شرح السنہ: (۳/۲۹۶)]

اس کی سند میں عطاء بن السائب ہیں، جنہیں اختلاط ہو گیا تھا اور معمر کی روایت ان سے اختلاط کے بعد کی ہے، نیز عبد اللہ بن حفص مجہول راوی ہے۔ عطاء کے اختلاط کے متعلق ملاحظہ ہو: تہذیب الکمال: (۲۰/۹۱) اور نہایت الاغتباط۔ عبد اللہ بن حفص کی جہالت کے بارے میں دیکھیں تقریب: (۳۶۳)، الکامل لابن عدی، نہایت السؤل اور الکاشف وغیرہا۔ یہ روایت مستدرک حاکم: (۲/۶۱۵، ۶۱۶) میں بطریق احمد بن عبد الجبار از یونس بن بکیر از اعمش از منہال بن عمرو از یعلیٰ بن مرہ مروی ہے، لیکن اس کی سند میں اعمش کی تدلیس ہے اور روایت معتن ہے۔ یہ روایت مسند احمد (۴/۱۷۰، ح: ۱۷۹۰) میں عبد اللہ بن نمیر از عثمان بن حکیم از عبد الرحمن ابن عبد العزیز از یعلیٰ بن مرہ کے طریق سے بھی مروی ہے۔ اور یہ عبد الرحمن بن عبد العزیز غیر معروف ہے۔ [تعحیل المنفعة لابن حجر عسقلانی ص: ۲۵۳] اگر اس عبد الرحمن سے عبد الرحمن ابن عبد العزیز بن عبد اللہ بن عثمان بن حنیف انصاری مراد ہوں تو

یہ سند منقطع ہوگی، کیونکہ اس کی وفات ۱۶۲ھ میں ہوئی ہے اور اس نے ۷۰ سال سے کچھ زیادہ عمر پائی تھی۔ یہ تقریباً ۹۰ھ کے قریب پیدا ہوا تھا اور یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنا بیٹا لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: ”اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے کو جنون ہے، جو صبح وشام کھانے کے وقت پکڑ لیتا ہے اور ہمارے ساتھ خباثت کرتا ہے۔“ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے دعا کی۔ اس نے قے کی تو اس کے پیٹ سے سیاہ پلے کی طرح کوئی چیز نکلی اور اس نے دوڑ لگا دی۔

[سنن دارمی: (۱۹، ۱۷۰)، مسند أحمد: (۱/۲۳۹، ۲۵۴، ۳۶۸)]

مسند احمد اور طبرانی کی روایت کے آخر میں ہے کہ اس بچے نے شفا پائی تھی۔ اس کی سند میں فرقہ سخی ہے۔ جمہور محدثین کے ہاں فرقد بن یعقوب سخی ابو یعقوب ضعیف ہے۔ [تہذیب الکمال: (۲۳/۱۶۶، ۱۶۷)]

اسی طرح کی روایت مطر بن عبدالرحمن الاعنق از ہند بنت الوازع از الوازع کی سند سے اتحاف المہرہ لابن حجر: (۱۳/۶۵۶)، أطراف المسند: (۵/۴۴۵) اور جامع المسانید والسنن لابن کثیر: (۱۲/۳۴۶) میں بھی موجود ہے۔ لیکن اس کی سند میں ہند ام ابان بنت الوازع کی توثیق معلوم نہیں۔ ایک روایت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس کا ذکر علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد: (۹/۳۷) میں کیا اور کہا ہے کہ اس کی سند میں عثمان بن بسر ہے، جسے میں نہیں پہچانتا، بقیہ راوی ثقہ ہیں۔

البتہ اس سلسلے کی ایک صحیح سند والی روایت امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کی ہے کہ عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ”جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے طائف کا عامل بنایا تو مجھے نماز میں کوئی مسئلہ پیش آنے لگا، یہاں تک کہ میں نہیں جانتا تھا کہ میں نے کون سی نماز پڑھی ہے۔ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف کوچ کیا۔ آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے دریافت فرمایا: ”کون سی چیز تمہیں یہاں لائی ہے؟“ میں نے

جنات اور جادو ٹونے کی شرعی حیثیت

کہا: ”یا رسول اللہ! کوئی چیز میری نماز میں مجھے پیش آتی ہے، یہاں تک کہ میں نہیں جانتا کہ میں نے کون سی نماز پڑھی ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”وہ شیطان ہے، قریب ہو۔“ میں آپ کے قریب ہوا، میں اپنے قدموں کے سروں پر بیٹھ گیا۔ آپ نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور میرے منہ میں لعاب لگا کر فرمایا: «اُخْرِجْ عَدُوَّ اللَّهِ» ”او اللہ کے دشمن! نکل جا۔“ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا اور پھر فرمایا: «إِلْحَقْ بِعَمَلِكَ» ”اپنے کام پر واپس جاؤ۔“ عثمان رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے ہیں: ”میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد کبھی میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہو۔“ [ابن ماجہ، الطب، باب الفزع والأرق وما يتعوذ منه: (۳۵۴۸)، مصباح الزجاجة المسند الجامع (۴۱۸/۱۲)]

اس حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی صحیح کہا ہے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسان میں داخل ہوتا ہے، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «اُخْرِجْ عَدُوَّ اللَّهِ» ”اللہ کے دشمن! نکل جا۔“ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”انسان کے بدن میں جن کے داخل ہونے پر اہل سنت کے ائمہ متفق ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الزُّبُورَ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ [البقرة: ۲۷۵] ”سو خور نہ کھڑے ہوں گے مگر اس طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے۔“ اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے۔“ [بخاری: (۳۲۸۱)،

مسلم: (۲۱۷۵)، نیز ملاحظہ ہو مجموع الفتاوی: (۲۷۶/۲۴، ۲۷۷، ۱۲/۳)]

عبداللہ بن احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد (احمد ابن حنبل) سے کہا: ”بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ کوئی بھی جن کسی مصروع (جس پر جن سوار ہو) کے بدن میں داخل نہیں ہوتا۔“ تو انھوں نے کہا: ”اے میرے بیٹے! وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، اصلاً یہ شیطان ہی ہے جو ان کی زبان سے (یہ جھوٹ) بولتا ہے۔“ [مجموع الفتاوی: (۲۷۷/۲۴)]

[۱۲/۱۹]

ایک مقام پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بعض جاہل اور گمراہ لوگوں نے اس

بات کا انکار کیا ہے، چنانچہ معتزلہ میں سے ایک گروہ مثلاً الجبائی اور ابو بکر الرازی وغیرہ۔ مصروع کے بدن میں جن کے داخل ہونے کا انکار کیا ہے، مگر وہ بھی جن کے وجود کا انکار نہیں کرتے۔“ [مجموع الفتاویٰ: (۱۶/۱۹)] مزید تفصیل کے لیے دیکھیں جادو کی حقیقت (ص ۱۸۹ تا ۱۹۱) از غازی عزیر مبارکپوری، ط دارالسلام

اگر کسی بھی شخص کو شیطانی وساوس و خطرات لاحق ہوں تو وہ ان کا علاج شرعی طریقہ کار سے کرے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پر پختہ اعتقاد رکھے، توکل و بھروسہ اسی کی ذات پر کرے، اسے ہی نفع نقصان کا مالک سمجھتے ہوئے اس سے صدق دل سے دعا مانگے اور شیاطین سے بچنے کے لیے تعوذ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پناہ پکڑنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَكُلِّ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَٰزِلِ الشَّيْطَانِ﴾ وَأَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ

[المؤمنون: ۹۷، ۹۸]

”اور آپ کہہ دیں اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ پکڑتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس بات سے بھی تیری پناہ پکڑتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں۔“

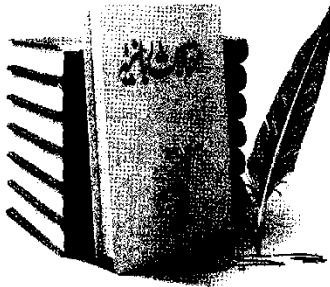
اسی طرح فرض نمازوں کے بعد ذکر و اذکار، سونے اور بیدار ہونے کے اذکار اور صبح و شام کے اذکار کے علاوہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ» اور غصہ کے وقت: «أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ» پڑھیں۔ الغرض، بندہ مختلف مقامات پر تعوذ پڑھتا رہے تو اللہ تعالیٰ ضرور شفا عطا کرے گا۔ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ کتاب و سنت میں موجود ذکر و اذکار سے ہٹ کر شیطانی عمل کرنے والوں، غیر محرم عورتوں کے سر یا شہ رگ پکڑ کر جن نکالنے والے عاملوں کے ہتھے نہ چڑھیں کہ وہ آپ کی عزت بھی برباد کریں گے اور دولت بھی، اللہ تبارک و تعالیٰ ہر قسم کے شیطانی ہتھکنڈوں اور ابلیس کی کارروائیوں سے محفوظ فرمائے۔ (آمین!)



محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

[الانباء: ۱۰۷]



سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ » [بخاری: ۱۵]

”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے
والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔“

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

ارشاد ربانی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ [الفتح: ۲۹]

”محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔“

خالق کائنات نے عہد الست کی یاد دہانی اور اہل جہان کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاء و رسل ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

قرآن و حدیث میں ان برگزیدہ شخصیات میں سے بعض کا ذکر خیر مذکور ہے اور بہت سے انبیاء و رسل ﷺ کے اسمائے گرامی مذکور نہیں ہیں، وہ اللہ جل شانہ کے علم میں ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ [المؤمن: ۴۰]

”یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول مبعوث کیے، جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے آپ کے سامنے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔“

قرآن کریم میں پچیس (۲۵) انبیاء و رسل ﷺ کے اسمائے گرامی مذکور ہوئے ہیں اور جمہور کی رائے کے مطابق حضرت علیؑ بھی اللہ کے نبی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”الزهر النضر في حال الخضر“ میں بیان کیا ہے۔ امام تھلبی رحمہ اللہ نے کہا ”هُوَ نَبِيٌّ فِي جَمِيعِ الْأَقْوَالِ“ [البحر المحيط: ۱۴۷/۶] امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا: ”الْخَضِرُ

نَبِيِّ عِنْدَ الْجَمْهُورِ“ [تفسیر القرطبی (۱۶/۱۱)] نیز دیکھیں شرح صحیح مسلم (۱۳۶/۱۵) روح المعانی (۱۹/۱۵)۔ اس موضوع پر مفصل دلائل ملاحظہ کرنے ہوں تو شیخ صلاح الدین مقبول احمد کی تحقیق ملاحظہ کریں جو ”الزهر النضر في حال الخضر“ کے شروع میں ص ۲۸ سے لے کر ۳۲ پر موجود ہے۔

انسان اللہ کے ہاں بڑی عزت و شرف والی مخلوق ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل ﷺ کو بنی نوع انسان میں سے ہی مبعوث فرمایا۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَسَلُّوْا اَهْلَ الدِّيَارِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: ۴۳]

”ہم نے آپ سے قبل بھی صرف مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کر لیا کرو۔“ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی اعلان کروایا:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ﴾ [بنی اسرائیل: ۹۳]

”فرمادیجیے پاک ہے میرا رب! میں تو صرف ایک رسول بنا کر بھیجا ہوا انسان ہوں۔“

سورہ کہف میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ﴾ [الکہف: ۱۱۰]

”فرمادیجیے! میں تو آپ کی ہی طرح بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“

(یعنی آپ جنس انسانی سے ہیں لیکن وحی کے ذریعے آپ کو باکمال بنا دیا گیا ہے، لہذا آپ سید البشر اور امام الانبیاء ہیں)

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء ﷺ کو بنی نوع انسان کے لیے اسوہ اور قائل اتباع و اطاعت بنا کر بھیجا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ان میں مبعوث نبی یا رسول ان کی جنس سے ہو اور اسے انسانی حوائج و عوارض درپیش ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

قریش مکہ نے آپ ﷺ کی بشریت کی بنا پر آپ کی نبوت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لَوْ كَانِ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَنْشُؤْنَ مُطَهِّرِينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا﴾ [بنی اسرائیل: ۹۵]

”فرمادیجئے! اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے اور آرام کرتے (یعنی بستے) تو ہم ان کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔“

آپ ﷺ اور آپ سے قبل تمام انبیاء و رسل ﷺ اولاد آدم میں سے برگزیدہ بندے اور انسان تھے۔ بشریت انبیاء کا عقیدہ قطعی ہے اور انبیاء و رسل ﷺ کی بشریت کا انکار قرآن و حدیث کی نصوص اور تعلیمات کے منافی ہے، تفصیل کے لیے راقم کی کتاب ”احکام و مسائل“ ط، دارالاندلس جلد اول ملاحظہ ہو۔

نیز نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ کو اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱]

”بلاشبہ یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔“

اور اسوہ کامل ہونے کا تقاضا ہے کہ آپ اشرف و اعلیٰ بنی نوع انسان سے ہوں اور بشریت کی سیادت کے مقام اعلیٰ و ارفع پر فائز ہوں، لہذا اللہ تعالیٰ کا انبیاء و رسل ﷺ کو بنی نوع انسان میں سے مبعوث کرنا انسانیت کے لیے بہت بڑا اعزاز اور افتخار ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم بھی ہے۔

نسب مبارک

تمام انبیائے کرام اور رسل عظام ﷺ اپنے دور میں حسب و نسب، شکل و صورت، سیرت و کردار اور عقل و فہم کے اعتبار سے تمام لوگوں سے اکمل اور افضل ممتاز ہوتے ہیں۔

مقالہ نمبر ۱۰

حدیث پاک میں ہے کہ سیدنا واخلفہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم میں اسماعیل کو برگزیدہ فرمایا اور اولادِ اسماعیل میں سے کنانہ قبیلے کو منتخب فرمایا اور کنانہ میں سے قریش کو پسند کیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو فقیہ عطا کی اور بنو ہاشم میں سے مجھے فضیلت بخشی ہے۔“ [مسلم: (۲۲۷۶)، ترمذی: (۳۶۰۶)]

اسی طرح جب شاہِ روم ہرقل نے ابوسفیان (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب و نسب کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا تھا: ”هُوَ فِينَنَا دُوْ نَسَبٍ“ ”وہ ہم میں اعلیٰ حسب و نسب والے ہیں۔“ تو ہرقل نے کہا تھا: ”كَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِیْ نَسَبٍ قَوْمِهَا“ ”ایسے ہی پیغمبر اپنی قوموں میں عالی نسب ہوتے ہیں۔“ [بخاری: ۷]

نسب نامہ

کتب سیر و تاریخ میں سید البشر امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک یوں مذکور ہے:

ابو القاسم امام الانبیاء سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان اور سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ عدنان اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ دیکھیں کتب نسب میں سے، کتاب النسب لأبی عیید القاسم بن سلام، التبيين في أنساب القرشيين، ص: ۵۵، لابن قدامہ المقدسی، جمهرة انساب العرب لابن حزم، جمهرة النسب لأبی المنذر هشام بن محمد الكلبي۔

والدہ ماجدہ

سیدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ، ملاحظہ ہو مذکورہ بالا کتب نسب۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

ولادت باسعادت

اس پر اتفاق ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی عالم دنیا میں تشریف آوری عام الفیل کے بچپن (۵۵) روز بعد پیر کے روز ہوئی، لیکن تاریخ کی تحدید میں اختلاف ہے، بعض نے دو (۲)، بعض نے آٹھ (۸)، بعض نے نو (۹) اور بعض نے بارہ (۱۲) ربیع الاول ذکر کی ہے، لیکن مشہور ماہر فلکیات محمود پاشا فلکی، علامہ قاضی سید محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ اور دیگر محققین نے نو (۹) ربیع الاول کو ترجیح دی ہے، لہذا نبی اکرم ﷺ موسم بہار میں دو شنبہ یعنی سوموار کے دن ۹ ربیع الاول عام الفیل بمطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بمطابق یکم جیٹھ ۶۲۸ ہجری کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔ [رحمۃ للعالمین ۶۲۸ ط مکتبہ اسلامیہ] آپ کی ولادت باسعادت بنی ہاشم میں ہوئی اور یہ نوشیروان کی تخت نشینی کا چالیسواں سال تھا۔ [الرحیق المختوم ص ۸۳، ط مکتبہ سلفیہ]

رسول اللہ ﷺ کی صحیح تاریخ پیدائش نو (۹) ربیع الاول ہی ہے۔ اس تاریخ کی تحقیق نہایت ہی آسان طریقے سے آپ خود بھی سمجھ سکتے ہیں، لیکن اس سے پہلے چند بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

- ① موجودہ رائج شدہ عیسوی کیلنڈر کے رائج ہونے سے پہلے سال کو 360 دن کا سمجھا جاتا تھا، لیکن سن 47 ق م میں شاہ روم جولیس سیزر کے حکم پر رومی اہل علم نے موسموں کا اندازہ لگانے کے بعد سال کو 365 دن 6 گھنٹے یعنی تین سال تک سال 365 دن اور چوتھے سال 366 دن یعنی لیپ کا سال شمار کرنا شروع دیا، لیکن بعد میں ریاضی دانوں نے یہ تحقیق پیش کی کہ سورج کے گرد زمین کے ایک چکر کی مدت کی مناسبت سے تقریباً 14 منٹ فی سال زیادہ شمار ہوتے ہیں، چنانچہ انھوں نے پوری صدی کو لیپ کا سال شمار نہ کرنے کا حکم صادر کر دیا، لیکن سترھویں صدی میں پوپ گریگری سیزدہم نے اس حساب میں بھی غلطی ثابت کرتے ہوئے اور سورج کے گرد زمین کے

ایک چکر اور سال کے دورانیے میں مطابقت پیدا رہنے کے لیے ہر چوتھی صدی کو لپ کا سال قرار دیا۔ جبکہ باقی صدیوں مثلاً 1700، 1500 کی طرح کے سالوں کو 365 دنوں کا سال شمار کیا جانے لگا۔ اور یہی کیلنڈر آج تک رائج ہے۔

② ہجری تقویم کا دارومدار چاند کی زمین کے گرد گردش پر ہے۔ ماہرین فلکیات اور ہیٹ دانوں کے بہت مختاط حساب کے مطابق چاند زمین کے گرد ایک چکر 29 دن 12 گھنٹے 44 منٹ 2.8 سیکنڈ میں مکمل کرتا ہے۔ یعنی ہجری مہینے کا دورانیہ 29 دن 12 گھنٹے 44 منٹ 2.8 سیکنڈ یعنی 29.5305879 دن بنتا ہے۔

تو ایک ہجری سال کا دورانیہ 29.5305879 ضرب 12 یعنی کل 354.3670555 دن بنتا ہے۔

③ ایک اہم ترین بات ذہن نشین رہے کہ منازلِ قمر میں بے ترتیبی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے عام ہجری سالوں اور لپ کے سالوں میں کوئی خاص ترتیب قائم نہیں رہتی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ 30 ہجری سالوں میں 11 سال لپ کے ہوتے ہیں، یعنی مکمل 355 دنوں کے۔

ان بنیادی باتوں کو سمجھنے کے بعد اب ہم چلتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ پیدائش کی تحقیق کی طرف۔

نبی کریم ﷺ کا سن ولادت 53 ق ھ (قبل از ہجرت) ہے۔

محرم الحرام 53 ق ھ سے ذوالحجہ 1431 تک کل سال بنے 53 + 1431 یعنی 1484 سال ایک ہجری سال کا دورانیہ یعنی 354.3670555 دن۔

1484 سالوں کے کل دن 354.3670555، 1484 یعنی 525880.710362 دن یعنی یکم محرم الحرام سن 53 ق ھ تا یکم محرم الحرام 1432 ھ کل دن 525880 دن (اعشاریہ کا جو فرق ہے وہ منازلِ قمر کی بنا پر ہے)

تو 9 ربیع الاول 53 ق ھ تا یکم محرم الحرام 1432 ھ کل دن بنے محرم کے 30 اور صفر

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

کے 29 اور ربیع الاول کے 8 دن نفی کر کے یعنی 67-525880 یعنی 525813 دن۔

دنوں کی تعداد بلحاظ شمسی تقویم

9 ربیع الاول سن 53 ق م بمطابق 22 اپریل 571 م سے یکم محرم الحرام 1432 ھ بمطابق دسمبر 2010 م تک بننے والے کل دن معلوم کرنے کے لیے:

یکم جنوری تا 7 دسمبر کل دن یعنی 340 دن (7 ستمبر کو شمار نہیں کیا گیا کیونکہ 7 ستمبر کو یکم محرم 1432 ھ تاریخ تھی اور ہمیں صرف اور صرف ہجری سالوں کے دن شمار کرنے ہیں تاکہ مکمل 1431 سالوں کے دن سامنے آسکیں)

22 اپریل 571 م سے 31 دسمبر 571 م تک کل دن یعنی 254 دن ہوئے۔

یکم جنوری 572 م تا 31 دسمبر 600 م تک کل دن یعنی 7 + 29، 365 لیپ کے دن یعنی 10592 دن۔

یکم جنوری 601 م تا 31 دسمبر 700 م تک کل دن یعنی 24 + 100، 365 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 701 م تا 31 دسمبر 800 م تک کل دن یعنی 25 + 100، 365 لیپ کے دن (800 لیپ کا سال تھا) یعنی 36525 دن۔

یکم جنوری 801 م تا 31 دسمبر 900 م تک کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 901 م تا 31 دسمبر 1000 م تک کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 1001 م تا 31 دسمبر 1100 م تک کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 1101 م تا 31 دسمبر 1100 م تک کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 25 لیپ

کے دن (1200 لیپ کا سال تھا) یعنی 36525 دن۔

یکم جنوری 1101 م تا 31 دسمبر 1200 م کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 25 لیپ کے دن (1200 لیپ کا سال تھا) یعنی 36525 دن۔

یکم جنوری 1201 تا 31 دسمبر 1300 م کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 1301 تا 31 دسمبر 1400 م کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 1401 تا 31 دسمبر 1500 م کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36525 دن۔

یکم جنوری 1501 تا 31 دسمبر 1600 م کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع لیپ کے دن (1600 لیپ تھا) 36525 دن۔

یکم جنوری 1601 تا 31 دسمبر 1700 م کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 1701 تا 31 دسمبر 1800 م کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 1801 تا 31 دسمبر 1900 م کل دن یعنی 365 ضرب 100 جمع 24 لیپ کے دن یعنی 36524 دن۔

یکم جنوری 1901 تا 31 دسمبر 2000 م کل دن 365 ضرب 100 جمع 25 لیپ کے دن (2000 لیپ تھا) یعنی 3652 دن۔

یکم جنوری 2001 تا 31 دسمبر 2009 م کل دن 365 ضرب 9 جمع 2 لیپ کے دن یعنی 3287 دن۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ 22 اپریل 571 م تا 7 دسمبر 2010 م تک کل دن 525813 دن

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

بننے ہیں، چونکہ 9 ربیع الاول 53 ق ھ سے یکم محرم الحرام 1432 ھ تک بننے والے دن بحساب قمری تقویم بھی 525813 ہی بننے ہیں تو ثابت ہوا کہ 22 اپریل 571 م بمطابق 9 ربیع الاول 53 ق ھ رسول اللہ ﷺ کی تاریخ پیدائش ہے۔

اب اس تاریخ پیدائش کا دن معلوم کرنے کے لیے انہی دنوں کو ہفتوں میں تقسیم کریں۔ یعنی 525813 تقسیم 7 یعنی 75116 ہفتے اور 1 (ایک) دن۔ تو سات دسمبر 2010 کو دن تھا منگل۔

لہذا منگل سے ایک دن پیچھے جائیں تو کون سا دن بنتا ہے، پیر (یعنی سوموار) کا۔ لیجیے جناب رسول اللہ ﷺ کی تاریخ پیدائش اور یوم پیدائش کا آسان سا طریقہ تحقیق جس کے ذریعہ سے آپ سٹشی یا قمری تقویم میں سے جس تقویم کو چاہیں اپنا کر صحیح دن اور تاریخ معلوم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہماری اس تحقیق کا خلاصہ یہ نکلا کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے دن 9 ربیع الاول 53 سال قبل از ہجرت بمطابق 22 اپریل 571 میلادی کو اس دنیا میں تشریف لائے۔

سیرت طیبہ

سیرت سے مراد کسی شخص کی شکل و صورت اور اس کے افعال و کردار ہوتے ہیں، بعد میں یہ لفظ مذہب اور طرز زندگی کے لیے مستعمل ہوا، لہذا ”سیرۃ النبی ﷺ“ سے مراد آپ ﷺ کے حسن و جمال، اخلاق حمیدہ، خصال جمیلہ اور منہج حیات طیبہ کا تذکرہ ہے اور نبی اکرم ﷺ اپنی رعنائی و زیبائی اور حسن صورت میں بھی پوری مخلوق میں بے مثال اور حسن سیرت و کردار میں بھی لاجواب ہیں۔

حلیہ مبارک

شاعر اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جمال رسول مقبول ﷺ کی خوب نقشہ کشی فرمائی ہے:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرْقُطْ عَيْنٍ وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ نِسَاءً
خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ
”(اے محبوب کائنات ﷺ) آپ سے بڑھ کر خوبرو انسان چشم کائنات نے کبھی
نہیں دیکھا اور آپ سے بڑھ کر خوبرو بیٹے کو کسی ماں نے جنم نہیں دیا، آپ کو
عیوب و نقائص سے یوں مبرا پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ آپ کی تخلیق خالق کائنات
نے آپ کی چاہت کے مطابق کی ہو۔“

- ① سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا سر بڑا تھا، جوڑوں کی ہڈیاں بھاری
بھاری تھیں، سینے پر بالوں کی لمبی لکیر تھی، جب چلتے تو جھک کر چلتے گویا کہ آپ نشیب
سے اتر رہے ہوں، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسا خوش شکل آدمی نہیں
دیکھا۔“ [ترمذی: ۳۶۳۷] اور سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ”آپ ﷺ کا
دہن مبارک کشادہ، آنکھیں لمبی سرخی لیے ہوئے اور ایڑیاں باریک تھیں۔“ [مسلم]
② سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”آپ ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں، اور
رنگ چمکدار، نہ بالکل سفید، نہ گندم گوں، وفات کے وقت تک سر اور چہرے کے میں
بال بھی سفید نہ ہوئے تھے۔“ [بخاری]

فضائل سید المرسلین علیہم السلام

اللہ رب العزت نے انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کو منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرما
کر بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ [البقرة: ۲۵۳]

”ہم نے ان (باعظمت) رسولانِ گرامی میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔“
نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ [الاسراء: ۵۵]

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

”ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور داؤد کو زبور عطا کی۔“ اور خاتم النبیین جناب محمد ﷺ کو تمام پیغمبران عظام پر فوقیت عطا فرمائی ہے جیسا کہ یشاقِ انبیاء ﷺ، معراج کے موقع پر تمام انبیاء ﷺ کی امامت اور شفاعت کبریٰ سے ظاہر ہے اور اسی طرح آپ ﷺ کی فضیلت کے متعلق بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں سے چند ایک کا بالا اختصار تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے چھ چیزوں کے ساتھ باقی انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے اور دشمن پر رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، میرے لیے مالی غنیمت حلال کیا گیا ہے، میرے لیے زمین مسجد (اور اس کی مٹی تیمم کے لیے پاکیزہ) قرار دی گئی ہے، مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء ﷺ کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔“ [مسلم، کتاب المساجد: ۵۲۳/۵] یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہوگا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں ہی سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔“ [مسلم، کتاب الفضائل: ۲۲۷۸/۳]

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا: ”قیامت کے دن میں انبیاء ﷺ کا امام و خطیب اور ان میں سے شفاعت کرنے والا ہوں گا یہ فخر کی بات نہیں (بلکہ اللہ کا فضل ہے)۔“ [ترمذی: ۳۶۱۳۔ ابن ماجہ: ۴۳۱۴۔ مسند أحمد: (۱۳۶/۵) مستدرک: (۷۸/۴، ۷۱/۱)]

سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے مجھ پر سے زمین شق ہوگی، میں ان

﴿مَقَالَاتِ رَبَّانِيَّة﴾

چیزوں پر فخر نہیں کرتا (بلکہ اللہ کی نعمت ہے)۔“ [ترمذی: (۳۱۴۸، ۳۶۱۵)]
جہاں تک کردار کی عظمت اور حسن سیرت کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب اپنی دعوت کا آغاز فرمایا تو اپنی پوری قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [یونس: ۱۶]

”میں تمہارے درمیان عمر کا ایک حصہ (چالیس سال) رہ چکا ہوں تو کیا تم نہیں سمجھتے۔“

تو سب نے بیک زبان کہا تھا: ”مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا“ آپ صادق ہیں ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا اور مخالفین بھی آپ کو ”الصادق“ اور ”الأمين“ کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی سیرت طیبہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَعَلَّ خُلِقْتَ عَظِيمًا﴾ [القلم: ۴]

”آپ خلق عظیم کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں۔“
اور فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۷]

”اور ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لیے سرپرہِ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“
نیز ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں نقشہ کھینچا ہے:

﴿لَعَبْرُكَ﴾ [الحجر: ۷۲]

”اے میرے حبیب! مجھے تیری عمر کی قسم۔“

یعنی اس شخص کی سیرت و کردار سے اعلیٰ سیرت کس کی ہو سکتی ہے جس کی عمر کی قسم خود خالق کائنات کھائے۔ اسی لیے جب ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی سیرت طیبہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمانے لگیں: ﴿كَأَن خُلِقْتُ الْقُرْآنَ﴾ کہ ”پورا قرآن کریم آپ

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

کی سیرت طیبہ کا حسین پرتو ہے۔“ گویا اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال اور اخلاق و عادات کی تمام خوبیاں اور کمالات اور اعلیٰ صفات آپ کی ذات گرامی میں جمع فرمادی تھیں۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: «إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ» ”مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔“ [بیہقی: (۱۹۲/۱۰) سلسلة الأحاديث الصحيحة: (۴۵)، الأدب المفرد: (۲۷۳) ایک حدیث میں ہے «بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ» [المستدرک (۶۱۳/۲)۔ مسند أحمد: (۵۱۳/۱۴)، ح: (۸۵۹۲)] علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَهَذَا حَدِيثٌ مَدْنِيٌّ صَحِيحٌ وَ يَدْخُلُ فِي هَذَا الْمَعْنَى الصَّلَاحُ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ وَالِدَيْنِ وَالْفَضْلُ وَالْمُرُوءَةُ وَالْإِحْسَانُ وَالْعَدْلُ فَبِذَلِكَ بَعَثَ لِتَمِّمَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ [التمهيد: ۳۳۴/۲۴]

”یہ حدیث مدنی ہے اور صحیح ہے اور اس کے مفہوم میں ہر طرح کی صلاح اور خیر شامل ہے۔ دین، فضل، مروت، احسان اور عدل جیسے اوصاف کاملہ کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ کو بھیجا گیا ہے۔“ ابوالعتاہیہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

لَيْسَ دُنْيَا إِلَّا بِدِينٍ وَلَيْسَ الدِّينُ إِلَّا بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ
إِنَّمَا الْمَكْرُ وَالْخَدِيعَةُ فِي النَّارِ هُمَا مِنْ فُرُوعِ أَهْلِ النِّفَاقِ
[التمهيد: ۳۳۴/۲۴]

”دنیا دین کے بغیر نہیں اور دین اچھے اخلاق کے بغیر نہیں ہے، بے شک مکر اور دھوکا آگ میں ہیں، یہ نفاق والے لوگوں کی فروع میں سے ہیں۔“

حب النبی ﷺ

نبی رحمت ﷺ کے ساتھ تمام مخلوق کا اپنے جسم و جان سے بھی زیادہ محبت کرنا ایمان کا جزو لازم ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكَنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ

لَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾ [التوبة: ٢٤]

”کہہ دے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے منداپڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی محبت کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ محبت ہر عزیز اور پیاری چیز کی محبت پر مقدم ہے۔“ [تفسیر القرطبی]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ» [بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان: ۱۵]

”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کتاب الایمان میں ذکر کر کے اس پر باب باندھا ہے۔ [باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان] ”رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان سے ہے۔“

شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هَذَا الْحَدِيثُ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَىٰ وَجُوبِ مَحَبَّةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقْدِيمِ مَحَبَّتِهِ عَلَىٰ مَحَبَّةِ كُلِّ أَحَدٍ حَتَّىٰ عَلَىٰ الْوَالِدِ وَالْوَلَدِ وَالنَّفْسِ وَالتَّنَفُّسِ يَدْخُلُ فِي قَوْلِهِ: «وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»“

[شرح صحيح البخاري: (۵۵/۱) ط مكتبة الطبري للنشر والتوزيع]

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

”یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت واجب ہے اور آپ کی محبت ہر ایک سے آگے ہے حتیٰ کہ والد، اولاد اور اپنی جان پر بھی۔ اور جان کا مفہوم «وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ» میں داخل ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب و پیارے ہیں۔“ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللَّهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي» فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الآنَ يَا عُمَرُ»

[بخاری، کتاب الایمان والندور، باب کیف كانت یمین النبی ﷺ: ۶۶۳۲]

”ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! حتیٰ کہ میں آپ کے نزدیک آپ کی جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں (تب تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہوگا) تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں“ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے عمر! یہ ہے (ایمان کی) اصل حقیقت۔“

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان ”الآنَ يَا عُمَرُ“ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: ”تمہارا ایمان اب مکمل ہوا ہے۔“ [عمدة القاری: ۱۸۹/۱۷۱]

نبی اکرم ﷺ سے محبت کی علامتیں

ڈاکٹر فضل الہی صاحب نے چند علامات کا تذکرہ کیا ہے: ① نبی اکرم ﷺ کے دیدار اور صحبت کی شدید تمنا ② رسول اللہ ﷺ کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب ③ نبی کریم ﷺ پر جان و مال بچھاؤ کرنے کے لیے ہمہ وقت کامل استعداد ④ نبی اکرم ﷺ کی سنت کی

حمایت و تائید اور آپ پر نازل کردہ شریعت کا دفاع۔ جس شخص میں یہ نشانیاں موجود ہوں وہ اللہ عزوجل کا شکر ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اپنے حبیب ﷺ کی محبت ڈال دی ہے۔ (نبی کریم ﷺ سے محبت اور اس کی علامتیں ص: ۲۴)

اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تکریم آپ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا بھی آپ ﷺ سے محبت کی علامتیں ہیں۔

اطاعت اور اتباع

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے انبیائے کرام اور رسل عظام ﷺ کو مبعوث کیا، ان کی بعثت کا مقصد اور غرض و غایت یہ تھی کہ اہل جہاں ان کے ارشادات اور نواہی کی تعمیل اور ان کی سنت اور طریقے کی اتباع و پیروی کریں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [النساء: ۶۴]

”ہم نے تمام رسولوں کو صرف اس لیے مبعوث کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کا اتباع کیا جائے۔“

چونکہ انبیاء اور رسل ﷺ، اللہ تعالیٰ کے پیغامبر اور احکام الہی کو لوگوں تک پہنچانے والے ہوتے ہیں، اس لیے ان کی فرماں برداری و راصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: ۸۰]

جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“

اس لیے کہ آپ ﷺ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم: ۴۳]

”اپنی مرضی سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔“

آیات مذکورہ سے واضح ہے کہ امت پر نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری فرض ہے اور آپ کے ارشادات گرامی اور سنت مطہرہ کی مخالفت حرام ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [النور: ۶۳]

”اس (رسول اکرم ﷺ) کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

فنتے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔“
 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 «كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَنْ يَأْبَى
 قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى»
 [بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ :
 ۷۲۸۰]

”میری تمام امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا، انھوں
 نے کہا، اے اللہ کے رسول! انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: جس نے میری
 پیروی کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً اس نے
 انکار کیا۔“

آپ ﷺ کی اطاعت رشد و ہدایت کا واحد ذریعہ ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوا مَهْتَدُوا﴾ [النور: ۵۴]

”اگر ان (نبی اکرم ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔“

آپ ﷺ کا اتباع ہی محبت الہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ
 رَحِيمٌ﴾ [آل عمران: ۳۱]

”(اے نبی) فرما دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ
 تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے
 والا نہایت مہربان ہے۔“

آپ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری قبولیت اعمال کی شرط ہے، فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُطِيعُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۳]

”اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔“

یعنی عمل میں اخلاص کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کی اطاعت و پیروی شرط لازم ہے
 اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ

مقالات رہائش

أُحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» [بخاری: (۲۶۹۷)، مسلم: (۱۷۱۸/۱۲)] ابن ماجہ: (۱۴) أبو داود: (۴۶۰۶) [اور ایک حدیث میں ہے: «مَنْ أُحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»] [شرح السنۃ: ۲۱۱/۱ (۱۰۳)] "جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں نہیں ہے پس وہ مردود ہے۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُمْرُنَا کا معنی دیننا ہے۔

مذکورہ نصوص سے واضح ہے کہ ایک نبی اکرم ﷺ کا طریقہ اور طرزِ عمل ہے جس کو اختیار کرنا فرض ہے اور اس کے مقابلے میں ایک وہ طریقہ ہے جو مردود ہے، آپ ﷺ کے طریقے کو "سنت" اور جو کام دین میں نیا ایجاد کیا جائے اسے "بدعت" کہا جاتا ہے۔
سنت رسول کا مفہوم

نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح ثابت شدہ اقوال و افعال اور تقریرات کو سنت کہا جاتا ہے، یعنی آپ نے امت کو جو کام کرنے کا حکم دیا یا منع کیا یا جو کام امت کو عملی طور پر کیے یا جو کام آپ کی موجودگی میں کیے گئے اور ان پر خاموشی اختیار کی اور منع نہیں کیا، سنت کہلاتے ہیں۔

بدعت کی تعریف

دین اسلام میں ایجاد کردہ ہر وہ نیا کام جس کی اصل نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ سے ثابت نہ ہو "بدعت" کہلاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» [مسلم: (۱۷۸/۱۸)] "جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے حکم کے مطابق نہیں ہے پس وہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔" امام ابن کثیر سورۃ احقاف آیت (۱۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَيَقُولُونَ فِي كُلِّ فِعْلٍ وَ قَوْلٍ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ الصَّحَابَةِ هُوَ بِدْعَةٌ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُونَا إِلَيْهِ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَتْرَكُوا خَصْلَةً مِّنْ حِصَالِ الْخَيْرِ إِلَّا وَقَدْ بَادَرُوا إِلَيْهَا“

[تفسیر ابن کثیر: (۵۶۷/۵) بتحقیق عبد الرزاق المہدی]

”اہل السنۃ والجماعہ ہر اس قول اور فعل کو بدعت قرار دیتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

ثابت نہیں، اس لیے کہ اگر وہ قول اور عمل خیر ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے اس کی طرف سبقت لے جاتے، اس لیے کہ انھوں نے امور خیرہ میں سے کوئی کام ترک نہیں کیا مگر انھوں نے اس کی طرف جلدی کی ہے، لہذا جو بھی قول اور عمل ان سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے۔“

مثلاً: اذان سے پہلے مروجہ صلاۃ و سلام پڑھنا، کیونکہ اذان نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں بھی دی جاتی تھی اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ”اللہ اکبر“ سے اذان شروع کرتے تھے، اس میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا خلاف سنت ہوگا، اس طرح نماز کے لیے بول کر نیت کے الفاظ بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: «فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلِّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلِّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ» [ابوداؤد: ۴۶۰۷ - مسند أحمد، ج: ۱۷۱۴۴ - المستدرک: ۹۷/۱] اس حدیث کے پہلے دو جملے مذکورہ کتابوں میں ہیں اور آخری جملہ سنن النسائي، کتاب صلاة العیدین، باب کیف الخطبة: ۱۵۷۹ - ابن حزيمة: ۱۷۸۵ میں ہے]

”بلاشبہ دین میں ایجاد شدہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی (انسان کو) آگ میں لے جائے گی۔“ العیاذ باللہ!

مذکورہ حدیث نص صریح ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے، لہذا جس حدیث سے استدلال کر کے بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم کی جاتی ہے وہ استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب تراویح کا باجماعت اہتمام کروایا تو اس وقت ان کا یہ فرمان: «نَعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ» یہ لفظ اس کے لغوی معنی میں مستعمل ہوا، یعنی آپ نے تراویح کا باجماعت اہتمام اپنی طرف سے نہیں کیا تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسا ہو چکا تھا، تو اس کی اصل موجود تھی۔ آپ نے تو ایک ثابت شدہ سنت کا احیاء کیا تھا، لہذا اس سے بدعت حسنہ کے لیے راہ نکالنا درست نہیں ہے۔ لہذا دینی امور میں جو کام نبی اکرم ﷺ نے کیا یا حکم دیا یا آپ کی موجودگی میں کیا گیا اور آپ ﷺ نے سکوت فرمایا ہو، اسے کرنا سنت اور جسے آپ نے ترک کیا ہے اسے چھوڑنا سنت ہے، شریعت کے کاموں میں کرنے کی دلیل طلب کی جاتی ہے یہ نہیں کہا جاتا کہ اگر نہیں کیا تو منع کہاں کیا ہے؟ کیونکہ یہ اتباع کے مفہوم کے منافی ہے اور اسی طرح عادات مثلاً لباس اور سواری وغیرہ کو عبادات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا

مقالہ رمانیہ

ہے، کیونکہ حدیث واضح ہے «أَمَرُنَا» یعنی ”امردین“ اور اسی طرح جس کام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو جائے وہ بھی سنت کے ضمن میں آتا ہے، کیونکہ ارشاد نبوی ہے: «فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ» [ترمذی، العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة.....: ۲۶۷۶] لہذا ہمارے لیے واجب الاتباع نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، اسی لیے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ» [مسلم: (۲۵۷/۶۵۴) النسائي: (۸۵۰)، السنن الكبرى: (۹۲۲۷)، ابن ماجه: (۷۷۱)، مسند أحمد: (۳۸۲/۱)] ”اگر تم اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے گمراہ ہو جاؤ گے۔“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «مَا كُنْتُ لِأَدْعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ ﷺ لِقَوْلِ أَحَدٍ» [بخاری، کتاب الحج، باب التمتع والقرآن.....: (۱۵۶۳)] ”میں کسی شخص کے قول پر نبی کریم ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔“

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إِذَا قُلْتُ قَوْلًا يُخَالِفُ كِتَابَ اللَّهِ تَعَالَى وَخَبَرَ الرَّسُولِ ﷺ فَأَتَرُكُوا قَوْلِي» [أصل صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم: ۲۶/۱] ”اگر میرا کوئی قول ایسا ہو جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کی حدیث کے خلاف ہو تو میرے قول کو ترک کر دو۔“ نیز فرمایا: «إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي»

[حاشیہ ابن عابدین شامی: (۶۳/۱)، رسم المفتي: (۲۴/۱)، من مجموعة رسائل ابن عابدین رسم المفتي ص (۵۰) از افادات مفتی رفیع عثمانی، آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ص: ۵۹۔ از سعید احمد پالنپوری دو سرانسخہ ص: ۶۰، تیسرا نسخہ ص: ۶۴] ”صحیح حدیث ہی میرا

مذہب ہے۔“ یعنی جب آپ کو صحیح حدیث مل جائے تو اس کو میرا مذہب سمجھو اور اسی پر عمل کرو۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَعْطَى وَأُصِيبُ، فَانظُرُوا فِي رَأْيِي، فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوهُ، وَكُلُّ مَا لَمْ يُوَافِقِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتَرُكُوهُ» [صفة الصلاة: بحوالہ ابن عبد البر] بلاشبہ میں بشر ہوں، میری بات صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی، لہذا میرے اقوال کو دیکھو، ان میں جو اللہ کی کتاب اور نبی پاک کی حدیث کے مطابق ہو اسے پکڑ لو اور جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔“

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كُلُّ مَا قُلْتُ فَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ خِلَافُ قَوْلِي مِمَّا يَصْنَعُ فَحَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَى فَلَا تُقِلُّوْنِي“ [صفة الصلاة]

”میرے جتنے اقوال ہیں اگر ان کے خلاف نبی اکرم ﷺ کی صحیح حدیث مل جائے تو حدیث نبوی کی پیروی اختیار کرو اور میری تقلید نہ کرو۔“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”رَأَيْتُ الْأَوْزَاعِيَّ، رَأَيْتُ مَالِكَ وَرَأَيْتُ أَبِي حَنِيفَةَ كُلَّهُمَا رَأَيْتُ وَهُوَ عِنْدِي سَوَاءٌ وَإِنَّمَا الْحُجَّةُ فِي الْأَثَرِ“ [صفة الصلاة: بحوالہ ابن عبد البر]

”امام اوزاعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم سب کی رائے ان کی اپنی رائے ہے، میرے نزدیک سب آراء برابر ہیں، قابلِ حجت صرف اور صرف احادیث مبارکہ ہیں۔“

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے امت کو یہی درس دیا ہے جو ان برگزیدہ شخصیات نے ہم تک پہنچایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ » [الموطأ، كتاب القدر: ۳]

”میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے، وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت (حدیث) ہے۔“

لہذا کلمہ گو مومن کو ہر عمل کرنے سے پہلے دیکھنا چاہیے کہ اس عمل میں نبی اکرم ﷺ کا اسوہ اور طرزِ عمل کیا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے، مثلاً وضو کرنے سے پہلے جاننا ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ وضو کیسے کیا کرتے تھے اور نماز پڑھنے سے پہلے دیکھنا چاہیے کہ احادیث صحیحہ میں نبی اکرم ﷺ کا طریقہ نماز کیا ہے؟ تا کہ اس کے مطابق نماز ادا ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت حاصل کرے، کیونکہ آپ کی سنت مطہرہ سے ہٹ کر کوئی عمل

رحمتِ عالم ﷺ نے تبلیغِ نبوت و رسالت کے ۲۳ سالہ دور میں دنیا میں وہ فقید المثال اور عظیم الشان انقلاب بپا کیا کہ تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قانونِ الہی کے مطابق آپ ﷺ بھی اپنے فرائض کی نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دہی کے بعد بالآخر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز سوموار چاشت کے وقت دنیا سے رخصت ہو کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۶۳ سال اور چار دن ہو چکی تھی اور مدینہ طیبہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں مدفون ہوئے۔ آپ ﷺ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے لیکن آپ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے لیے جاری و ساری ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر درود

نبی اکرم ﷺ کی امت پر شفقتیں اور دین کے لیے جدوجہد اور امت کی بخشش کے لیے محنت و کاوش کا تقاضا یہ ہے کہ امت آپ کی ذاتِ اقدس پر بکثرت درود و سلام بھیجے، آپ پر درود و سلام نہ بھیجنے والا نیکل اور جنت سے دور ہے۔ [ترمذی: (۳۵۶۶)، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: (۵۶)، ابن حبان: (۲۳۸۸)، مسند أحمد: (۵۴۹۸)، ح: (۱۷۳۶)]

آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی دس (۱۰) رحمتیں حاصل ہوتی ہیں، انسان کے دس (۱۰) گناہ معاف اور دس (۱۰) درجے بلند ہوتے ہیں۔ [الأدب المفرد: (۶۴۳)، السلسلۃ الصحیحۃ: (۸۲۹) فضل الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: (۱۲)]

اور کوئی مومن و موجد جس قدر زیادہ درود پڑھے گا اسی قدر آپ کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔

یہ مضمون پہلے جناب عبد الخالق محمد صادق رحمہ اللہ کی ترتیب کے ساتھ مرکز دعوتِ الجالیات کویت سے طبع ہوا تھا، اب کچھ کمی و بیشی اور مراجعت کے ساتھ کتاب ہذا یعنی ”مقالات ربانیہ“ میں طبع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے۔

مقالات ربانیہ



- انصاف قرآن و حدیث سے استدلال کا بہترین نمونہ
- دین کے بنیادی اور اولین مصادر کا تعین، شناخت اور حجیت کا بیان
- فرق ضالہ اور ادیان باطلہ کے منکرات و جہالت پر مبنی اعتقادات کا رد
- فرقہ وارانہ تعصب رکھنے والے نام نہاد علماء اور تہود کا شکار طبقہ کے گمراہ کن افکار و نظریات کا بطلان
- احکام و مسائل کی تبیین و تفہیم کے لیے مستند اور قابل اعتماد مصادر کے حوالہ جات پر مشتمل علمی نوادرات کا مجموعہ
- تجدید پسند علماء، مغرب زدہ دانشوروں اور روشن خیال مفکرین کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا مسکت اور مدلل جواب
- عامۃ الناس میں جہالت اور ناواقفیت کی بنیاد پر موضوع اور من گھڑت قصوں اور کہانیوں کے عام فہم اور مثبت انداز میں تحقیق پر مبنی جوابات



دارالاندلس